ماہنامہ محدث بنارس

www.mohaddis.org

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر
مولانا عبدالوہاب حجازی

معاون مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی
مولانا عبدالمتین مدنی

خصوصی شمارہ

بمناسبت

دوروزہ عالمی کانفرنس

بعنوان

''سنت نبوی اور امن عالم''

بتاریخ:

۴-۵/جمادی الاولی ۱۴۳۴ھ=۱۶-۱۷ مارچ ۲۰۱۳ء

بروز سنیچر، اتوار

زیر اہتمام

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس

عدد مسلسل: ۳۵۲-۳۵۷
جلد: ۳۱ ، شمارہ: ۴-۹

جمادی الآخرۃ-ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ
اپریل-ستمبر ۲۰۱۳ء

بدل اشتراک

- ہندوستان: **150** روپے
- بیرون ممالک: **40** ڈالر
- فی شمارہ: **15** روپے
- خصوصی شمارہ کی قیمت: **100** روپے

اشتراک کے لیے ڈرافٹ مندرجہ ذیل نام سے بنوائیں

Name: **DAR-UT-TALEEF WAT-TARJAMA**
Bank: **ALLAHABAD BANK**
KAMACHHA, VARANASI
A/cNo.**21044906358**
IFSC Code: ALLA0210547
SWIFT Code: ALLAINBBVAR

مراسلت کا پتہ
Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

اس شمارہ میں

۱-	افتتاحیہ	مدیر	۳
۲-	جامعہ سلفیہ کی مسجد میں امام حرم ڈاکٹر فیصل غزاوی کا خطبۂ جمعہ	ترجمہ: مولانا عبدالرحیم ریاضی	۷
۳-	سپاس نامہ	مولانا عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۱۲
۴-	ہدیۂ تشکر وامتنان	مولانا شاہد جنید محمد فاروق	۱۵
۵-	مہمانان گرامی کے تاثرات	ترجمہ: مولانا عبدالمتین مدنی	۱۷
۶-	اساتذۂ جامعہ کا نمائندہ خطاب	مولانا عبدالکبیر مدنی	۱۹
۷-	امن عالم کے موضوع پر منعقد ہونے والی دوروزہ عالمی کانفرنس کی رپورٹ	مولانا عبدالمتین مدنی	۲۱
۸-	کانفرنس کے اہم شرکاء		۳۰
۹-	سنت نبوی اور امن عالم کے موضوع پر ہونے والی کانفرنس اور میڈیا	ترتیب: مولانا عبدالمتین مدنی	۳۳
۱۰-	عالمی کانفرنس کی تجاویز وقرارداد		۳۷
۱۱-	سیمینار کے شرکاء		۳۹
۱۲-	**مقالات وبحوث:**		**۴۰**
	۱- انکار حدیث کا جائزہ	مولانا محمد اعظمی	۴۱
	۲- ایمان بالرسل: ایک جائزہ	ڈاکٹر فضل الرحمٰن مدنی	۵۰
	۳- سنت نبوی کی تدوین اور اس کا ارتقاء	مولانا احمد مجتبیٰ سلفی	۶۱
	۴- میثاق مدینہ اور امن عالم	ڈاکٹر بدرالزماں محمد شفیع نیپالی	۷۱
	۵- جامعہ سلفیہ اور اشاعت سنت نبویہ	مولانا عبدالوہاب حجازی	۷۸
	۶- خطبۂ حجۃ الوداع: حقوق انسانی کا اسلامی منشور	مولانا فضل اللہ انصاری سلفی	۹۲
	۷- مالی بدعنوانیوں کا انسداد اور اسلام	مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی	۱۰۲
	۸- صلح حدیبیہ: حقائق ونتائج	مولانا رفیق احمد رئیس سلفی	۱۱۰
	۹- غیر مسلموں کے حقوق احادیث نبویہ کی روشنی میں	مولانا عین الباری عالیاوی	۱۲۳
	۱۰- اسلام اور امن	شیخ ابوزید ضمیر	۱۳۰
	۱۱- رحمۃ للعالمین	شیخ ابوزید ضمیر	۱۴۴
	۱۲- انسانی حقوق اور سنت نبویہ	مولانا ارشد فہیم الدین مدنی	۱۵۶

۱۳-نظام احتساب: سنت نبوی کی روشنی میں	مولانا عبدالمبین ندوی	۱۶۸
۱۴-سنت کا مفہوم اور اس کی حجیت	مولانا محمد جعفر انوار الحق الہندی	۱۸۱
۱۵-آپ ﷺ کے خلاف سازشیں اور آپ کا طرز عمل (واقعات وحادثات کی روشنی میں)	مولانا محمد اسلم مبارک پوری	۱۹۲
۱۶-اسلامی عدل کی ہمہ گیری	مولانا عبدالسمیع محمد ہارون انصاری سلفی	۲۰۳
۱۷-امن عالم کے قیام میں سنت نبوی کا کردار	مولانا سلمان نسیم ندوی	۲۱۶
۱۸-عصر حاضر میں سیرت نبوی کا تعارف اور ہماری ذمہ داری	ڈاکٹر محمد عقیل	۲۲۹
۱۹-دینی مدارس کے بنیادی مقاصد اور امن عالم	مولانا نور العین سلفی	۲۳۴
۱۳- گوشۂ طلبہ:		**۲۴۶**
۱- اخلاق نبوی ﷺ احادیث کی روشنی میں	عبداللہ تمجید عالم	۲۴۷
۲- نبی کریم ﷺ کی تبلیغ کے اثرات فتح مکہ سے پہلے	ریحان الحق ارشاد الحق	۲۵۰
۳- نبی کریم ﷺ کی ازدواجی زندگی اور اس کے اثرات	ضمیر احمد شفیق احمد خان	۲۵۴
۴-خطبۂ حجۃ الوداع کا پیغام انسانیت کے نام	عبدالحق عبدالمنان	۲۶۰
۵-بنی نوع انسان کے ساتھ آپ ﷺ کا عدل وانصاف	شہاب الدین سراج الدین	۲۶۵
۶-شاہان عالم کے نام رسول اکرم ﷺ کے بعض خطوط وپیغامات اور ان کے نکات	نسیم اختر عبدالمجید	۲۶۹
۷- نبی اکرم ﷺ غیر مسلم دانشوروں کی نظر میں	سعید الرحمٰن جمال الدین	۲۷۳
۸-رسول اکرم ﷺ کی تبلیغ کا اثر فتح مکہ کے بعد	طارق عمیر	۲۷۶
۹-سرایا وغزوات نبوی ﷺ (سنین وتعداد مجاہدین ومخالفین وکمانڈران کی تعیین اور ان کے نتائج)	شفاء اللہ شمس الدین	۲۸۰
۱۰-سرایا اور غزوات نبوی ﷺ میں طرفین سے ہلاکتوں کا تجزیہ	فہیم احمد شریف احمد	۲۸۸
۱۱-شجر کاری تعلیمات نبویہ کی روشنی میں	افروز عالم ذکر اللہ	۲۹۱
۱۲-ہندوستان میں اسلام کی آمد	مجیب الرحمٰن عطاء الرحمٰن	۲۹۴

☆☆☆

افتتاحیہ

''سنت نبوی اور امن عالم''
کے موضوع پر
جامعہ سلفیہ بنارس میں منعقد عالمی کانفرنس کا
کامیاب اختتام

۱۵،۱۶،۱۷/ مارچ ۲۰۱۳ء مطابق ۲،۳،۴/ جمادی الاولی ۱۴۳۴ھ کی تاریخوں میں **''سنت نبوی اور امن عالم''** کے موضوع پر عالمی کانفرنس کی کارروائیاں پورے نظم وضبط اور تزک واحتشام کے ساتھ جاری رہ کر اختتام پذیر ہوگئیں۔ ۱۵/ مارچ کو صرف امام حرم کے خطبۂ جمعہ کا پروگرام تھا، جس میں شہر اور بیرون شہر سے ہزاروں افراد بلا لحاظ مسلک شریک ہوئے اور ملی وحدت کا منظر پیش کیا، امام حرم مکہ کی شخصیت مسلمانان عالم کی نظر میں غایت درجہ محترم ہوتی ہے، گو حدود حرم سے باہر ان کی اقتداء میں نمازوں کے درجات میں اضافہ نہیں ہوجاتا، محدود وقت میں امام صاحب کی آمد کی منظوری اور شرکت جماعت اور مسلمانوں کے لیے بے حد خوش کن تھی، اس لیے کہ منظوری کا مرحلہ عموما نصف سال کی مدت میں طے ہوا کرتا ہے۔

یہ موحد اور متبع سنت حکومت سعودیہ کی جامعہ سلفیہ کے ساتھ خصوصی عنایت کا ثمرہ ہے کہ **امام حرم محترم فضیلۃ الدکتور فیصل حسن غزاوی** اور **فضیلۃ الدکتور ابراہیم بن عبید العبید وکیل امور تعلیمی جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ** اعلی سطح کے فضلاء پر مشتمل وفد کے ساتھ شریک کانفرنس ہوئے جس سے کانفرنس کی ظاہری ومعنوی رونق وزیبائش میں چار چاند لگ گئے، یہ حضرات باری باری اور بار بار کانفرنس کو اپنے خطابات سے نوازتے رہے، سامعین کو جن کے تراجم سے اپنی دینی وعلمی ثقافتوں کے دائرے وسیع کرنے کے مواقع میسر آتے رہے۔

اس کانفرنس کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ سارے پروگرام انٹرنیٹ سے جڑے ہوئے تھے جس سے اقصائے عالم میں اس کے دل کش مناظر اور پیغامات دیکھے اور سنے جاسکے، جامعہ کی متعدد مشہور کانفرنسوں میں حالیہ کانفرنس کو یہ امتیاز حاصل ہے۔

شبینہ خطاباتی پروگراموں میں جماعت کے مستند خطباء کی تقاریر ہوئیں جسے ہزاروں لوگوں نے جامعہ کے صحن میں سنا اور پسند کیا، پونا سے آئے ہوئے مشہور مبلغ اسلام **شیخ ابوزید ضمیر صاحب پونا مہاراشٹرا** کا خطاب خاص طور سے

صحیح مواد، صدق لب ولہجہ اور متواضع انداز گفتگو کے ناچیے سے ہر مسلک کے مسلمانوں نے پسند کیا اور سراہا، درحقیقت موجودہ حالات کے تناظر میں تلخ مناظراتی لب ولہجہ کے بجائے صحیح مواد کے ساتھ متواضع اور با اخلاق انداز گفتگو زیادہ سودمند ہے، تلخ مناظراتی انداز گروپوں کا لہو گرماتا ہے اور متواضع انداز اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کو سیال اور دوررس بناتا ہے۔

موضوع کانفرنس کے ایک جزء کا تعلق چونکہ امن عالم سے ہے، اس لیے کانفرنس کے مہتممین نے مناسب خیال کیا کہ مشہور ملکی اور عالمی مذاہب کے نمائندگان کو بھی مذہبی رواداری کے موضوع پر اظہار خیال کے لیے کانفرنس میں مدعو کیا جائے، چنانچہ اس کے لیے خاص اہتمام کیا گیا اور اسلام سمیت، نصرانیت، سناتن دھرم، ہندومت، سکھ مت وغیرہ کی نمائندہ شخصیات کو دعوت دی گئی، اسلام کی نمائندگی کے لیے **مفتی عبدالباطن نعمانی امام وخطیب مسجد گیان واپی بنارس** نے اپنے خیالات پیش کئے، نصرانیت کی نمائندگی **ڈاکٹر رافِ منجلی بنارس** نے کی، سناتن دہرم کی نمائندگی **ڈاکٹر راج شری ہنس گنگا** نے کی، ہندومت کی نمائندگی **ڈاکٹر روہت گپتا بنارس** نے کی اور سکھ مت کی نمائندگی **جناب اوپیندر سنگھ صدر سکھ گرودوارا کمیٹی بنارس** نے کی، ہر مذہب کے نمائندہ نے جامعہ کی امن کانفرنس کے اسٹیج سے امن ورواداری کا پیغام سارے عالم میں نشر کیا، خوشی کی بات ہے کہ اس مخصوص مجلس کی صدارت عرب سے آئے ہمارے مہمان **دکتور سعود بن عبدالعزیز الخلف پروفیسر عقیدہ دعوۃ واصول الدین کالج جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ** نے کی، اس طرح اس خصوصی مجلس نے مذاہب کے عالمی پیغام امن ورواداری کی شکل اختیار کرلی، جس کے خوش گوار اثرات شہر بنارس اور ملک کے فرقہ وارانہ تعامل سے متعلق محسوس کئے گئے، کیا ہی اچھا ہو جب یہ اثرات دیرپا ہوں اور ملکی اور عالمی پیمانہ پر یہ چیز ایک ٹھوس طرز زندگی کی شکل اختیار کرجائے۔

مدارس اسلامیہ کو عالمی دہشت گردی کے ایک قوی عنصر کے طور پر مشہور کرنے کے لیے برسوں سے عالمی میڈیا پروپگنڈے میں مصروف ہے، ہمارا ملکی قومی میڈیا اور سرکاریں اس پروپگنڈے سے متاثر ہوئیں، بہت سے اہم مدارس تفتیش کی زد میں آئے لیکن اپنے بے داغ کردار سے سرخرو رہے، ضرورت تھی کہ امن عالم سے متعلق اس کانفرنس میں اہم مدارس اسلامیہ کے پیغامات وبیانات بھی دنیا کو سنائے جاتے، چنانچہ بڑے بڑے مدارس اسلامیہ کے نمائندگان نے صاف صاف اعلان کیا کہ مدارس امن وسلامتی کی تربیت گاہیں ہیں، دہشت گردی جیسے تخریبی اعمال سے ان کا ہر گز کوئی واسطہ نہیں ہے، مدارس کی یہ مخلصانہ صدائیں اور پیغامات امید ہے کہ دنیا کے کانوں میں اعتبار ووقار حاصل کرنے کے لیے جگہ بنا سکیں گی۔

''**سنت نبوی اور امن عالم**'' کے موضوع پر اس عالمی مؤتمر کا ایک بڑا مقصد اہم علمی و دینی و دعوتی مقالات و بحوث کی تیاری بھی تھا، اسی لیے ''**سنت نبوی اور امن عالم**'' کی شاہ سرخی کے درجنوں ذیلی موضوعات متعین کر کے بلاد عرب کے فضلاء نیز دیگر ممالک کے اہم علماء اور ملک کے اصحاب قلم کے پاس ان کے ذوق کا لحاظ کرتے ہوئے دعوت نامے اور عناوین ارسال کئے گئے۔ چنانچہ کانفرنس کے اس علمی وتحریری سیمینار میں تقریبا ڈیڑھ درجن مقالات موصول ہوئے، اصحاب مقالات بیش تر بنفس نفیس شرکت فرما ہوئے، بڑی بڑی کانفرنسوں کی ہمہ جہت آپا دھاپی میں تحریری مقالات کی مجالس چلانے میں بڑی اڑچنیں پیش آتی ہیں، اصحاب مقالات اپنی محنتوں پر استخفاف کے رویہ کے لیے شکوہ سنج ہوتے ہیں لیکن درحقیقت یہ اضطراری صورت حالات کا نتیجہ ہوتا ہے، عمدا ایسا نہیں ہوتا، بہرحال تحریری اعمال دیرپا ہوتے ہیں، علمی یادگار کی زندہ تصویریں وہی ہوتے ہیں، اس لیے وقتی بے کیفی کو نظر انداز کرتے رہنا زیادہ علمی اور وقیع رویہ ہے۔

کانفرنس کا پورا مرقع تیار کرنے اور سارے مقالات کی کمپوزنگ و تصحیح کے لیے خاصا وقت درکار تھا، الحمدللہ معاونین کی علم دوستی سے یہ مراحل مختصر وقت میں طے ہو گئے، البتہ ہمیں یہ عذر پیش کرنے کا موقع نہ مل سکا کہ محدث کے اگلے چند شمارے اس عالمی کانفرنس اور اس کے بحوث و مقالات کے خصوصی شمارے کے لیے وقف ہوں گے، اس لیے قارئین محدث ماہانہ شماروں کے انتظار کے بجائے خصوصی شمارے کے انتظار کے لیے زحمت کش ہوں۔

مذکورہ معذرت کے ساتھ ہمیں خوشی ہے کہ کانفرنس کا خصوصی شمارہ تیاری کے مراحل سے گذار کر آپ کے ہاتھوں میں پہونچا سکے، توقع ہے کہ ان شاء اللہ اہل علم و باذوق قارئین کو پسند آئے گا، یہ مقالات وہی ہیں جو سیمینار کی مجالس میں ہمیں دستیاب ہوئے، متعدد مقالات کا ابھی انتظار تھا، لیکن تاخیر کے اندیشے سے مزید انتظار مشکل تھا، بعد میں آنے والے مقالات کو کسی اور شمارے میں نشر کیا جائے گا، ہم اس موقع پر خصوصیت سے اہل قلم حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے قلم کی توانائیاں باقی رکھے، اور ملت و جماعت کی رگوں میں نیا خون جاری رہے۔

قارئین کرام! آگے کے صفحات میں کانفرنس کے تمام پروگراموں سے متعلق تفصیلی رپورٹ اور بحوث و مقالات وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔ اس عالمی کانفرنس اور اس کے جملہ پروگراموں میں جتنی علمی و مذہبی شخصیات نے شرکت فرمائی اور جتنے لوگ اس میں کسی طرح سے معاون ہوئے نیز کانفرنس سے متعلق اس خصوصی شمارہ کی تیاری میں جن حضرات نے جس قدر جدوجہد کی سب ہماری طرف سے دلی شکریہ اور مبارکباد کے مستحق ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

☆☆☆

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کی مسجد میں
امام حرم ڈاکٹر فیصل غزاوی کا خطبۂ جمعہ

بتاریخ: ۲/۵/۱۴۳۴ھ مطابق ۱۵/۳/۲۰۱۳ء

ترجمہ: عبدالرحیم ریاضی

إن الحمدلله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادى له وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمدا عبده ورسوله صلى الله عليه و على آله وصحبه وسلم تسليما كثيرا ﴿يا أيها الذين آمنوا اتقوالله حق تقاته ولا تموتن إلا وأنتم مسلمون﴾ [سورة آل عمران: ١٠٢] ﴿يا أيها الناس اتقوا ربكم الذى خلقكم من نفس واحدة وخلق منها زوجها وبث منهما رجالا كثيرا ونساء واتقوا الله الذى تساء لون به والأرحام إن الله كان عليكم رقيبا﴾ [سورة النساء: ١] ﴿يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وقولوا قولا سديدا يصلح لكم أعمالكم ويغفرلكم ذنوبكم ومن يطع الله ورسوله فقد فاز فوزا عظيما﴾ [الأحزاب: ٧٠، ٧١]

أمابعد: فإن أصدق الكلام كلام الله وخير الهدى هدى محمد ﷺ وشر الأمور محدثاتها وكل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار ثم أما بعد!

خطبۂ مسنونہ کے بعد:

ایک مسلمان کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اس دین اسلام کے ذریعہ عزت دی اسے ہمارے لیے پسند فرمایا ہے اور اس کے علاوہ کسی اور دین کی پیروی کسی سے کبھی بھی قبول نہیں فرمائے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتى ورضيت لكم الإسلام دينا﴾ (المائدۃ:۳) نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ﴿ومن يبتغ غير الإسلام دينا فلن يقبل منه وهو في الآخرة من الخاسرين﴾ (سورۃ آل عمران:۸۵)

اس دین کی بہت ساری خصوصیات، خوبیاں اور محاسن وفضائل ہیں جن کی بنا پر یہ دوسرے ادیان سے منفرد وممتاز

ہے، انہیں خصائص میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ عزت وقوت والا دین ہے جو اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ مومن برتر و قوی اور ایسی اولوالعزمی سے متصف رہے جو کبھی کمزور نہ پڑتی ہو اور ایسے قوی ارادے کا مالک ہو جو کبھی نرم نہ پڑتا ہو۔

میرے بھائیو! ایمان ہی پر دنیوی و اُخروی سعادت و کامرانی کا دارومدار ہے بشرطیکہ اس ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کا بھی بندے سے صدور ہو۔''من عمل صالحا من ذكر أو أنثى وهو مؤمن فلنحيينه حياة طيبة ولنجزينهم أجرهم بأحسن ماكانوا يعملون ''مرد وزن میں سے جس نے بھی نیک عمل کیا بشرطیکہ وہ مؤمن ہو تو البتہ ہم اسے عمدہ زندگی عطا کریں گے اور ان کے اعمال صالحہ کا بہتر بدلہ انہیں دیں گے۔

ایمان کے مراتب میں لوگ ایک دوسرے سے متفاوت ہیں کچھ لوگ قوی ایمان والے ہیں جو ایمان کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں ان کا عزم وحوصلہ انہیں نیک اعمال اور بھلائی کے کاموں کی رہنمائی کرتا ہے جس کا فائدہ خود انہیں اور امت کو دنیوی و اُخروی خیر وسعادت کی صورت میں حاصل ہوتا ہے، ایسے شخص کو آپ خیر کے تمام کاموں اور خیر کی طرف لے جانے والے ہر راستے کی جانب سبقت کرنے والا اور دوسرے پر مقدم رہنے والا پائیں گے، ایسا شخص لوگوں کو بھلائی کا حکم دے گا، برائی سے روکے گا، ہر بھلائی وسربلندی کے کام کی طرف لوگوں کو دعوت دیگا اور ہر بُرائی ورذالت کے کام سے منع کرے گا۔ انسانیت اور شرافت والے ہر کام میں حصہ لے گا، امت کی خیر خواہی کے ہر کام میں حصہ لے گا کبھی پست ہمتی کا شکار نہیں ہوگا۔ نہ کبھی اس کا حوصلہ نرم پڑے گا نہ کمزور ثابت ہوگا نہ تھک کے بیٹھ رہے گا۔ ناکامی اس کی ذات کو چھو کر بھی نہ گذرے گی، راستے کی رکاوٹیں اس کے قدم نہیں روک سکیں گی اور نہ انسانی عوارض اس کام میں رخنہ ڈالیں گے، بلکہ وہ ثابت قدمی کے ساتھ برابر اپنے کام میں منہمک ملے گا۔ حصول مقصد سے پہلے رکنے کا نام نہیں لے گا اور ان سارے کاموں میں اللہ سے مدد کا طلبگار رہے گا۔

یہ ہے درحقیقت وہ قوی مؤمن جسے اسلام چاہتا ہے اور اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا رہتے ہوئے اسے انہی اوصاف سے متصف ہونے پر ابھارا ہے جو صفات کہ ہمیشہ قوت وعزت اور شجاعت وکرم پر آمادہ کرتی ہیں۔ ﴿وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین﴾ (سورۃ المنافقون:۹)

مگر کمزور شخص کو آپ اس کے بالکل برعکس پائیں گے نہ وہ کسی بھلائی کی طرف پیش قدمی کرے گا نہ کسی نیکی پر ابھارے گا نہ کسی تعمیری کام میں حصہ لے گا، ایمان کی شعاع اس کے سینے میں ماند پڑ چکی ہوگی عمل سے اس نے اسے تقویت نہیں بخشی ہوگی، نہ بھلائی کے کاموں سے اسے غذا فراہم کی ہوگی، اسے آپ کمزور حوصلے والا پست ہمت، سست اور کاہل پائیں گے۔

مسلمانو! بے شک نبی کریم ﷺ نے ہمیں خبر دی ہے کہ مؤمن دو طرح کے ہوتے ہیں چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''المؤمن القوی خیر وأحب إلی الله من المؤمن الضعیف وفي کل خیر..... الحدیث'' مضبوط مؤمن اللہ کے نزدیک کمزور مؤمن سے زیادہ بہتر و پسندیدہ ہے حالانکہ دونوں میں بھلائی موجود ہے، اپنے فائدے کی چیزوں میں رغبت رکھو اللہ سے مدد طلب کرو، عاجزی مت ظاہر کرو۔ (مسلم)

قوت سے رسول اللہ ﷺ کی مراد وہ عام قوت وشوکت ہے جس پر یہ لفظ اپنے وسیع معنی میں دلالت کرتا ہو۔ مؤمن اپنے ایمان، عقیدے، اخلاق، علم، عمل، ارادے، عزیمت، عقل وشعور، اور تفکر ہر چیز میں قوی ہو۔ جب ہم اسلامی شرائع میں غور وفکر کرتے ہیں تو پاتے ہیں کہ وہ بھی قوت کے ان ہی مفاہیم کی طرف رہنمائی کرتی ہیں جن سے قوت حاصل ہو سکے۔

نماز کی مثال لے لیجئے، وضوء کے ذریعہ جسمانی طہارت وصفائی حاصل ہوتی ہے اور ذکر واذکار کے ذریعہ روحانی اور ارکان نماز کی ادائیگی جسمانی ورزش کا ذریعہ ہیں۔

زکوۃ کو لے لیجئے اس سے کمزوروں کو تقویت پہونچتی ہے، نفس بھی بخل سے پاک ہوجاتا ہے مال کی طہارت بھی ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں مال میں اضافہ اور برکت ہوتی ہے اور ان سب کے ساتھ یہ باہمی تعاون کے ذریعہ معاشرے کی تقویت کا بھی ذریعہ ہے۔

اسی طرح حج مسلمانوں کی اجتماعی، سیاسی، اقتصادی اور دینی قوت کا مظہر ہے۔

اسلامی بھائیو! اتحاد واتفاق اور اجتماعیت ہی وہ اصل چیز ہے جس سے قوت مجتمع ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اس پر محافظت کی تاکید کی ہے اور جماعت کے ساتھ رہنے پر ابھارا ہے اور اسے دین کے بنیادی اساس میں سے شمار کیا ہے: ﴿ إنما المؤمنون إخوة﴾ (الحجرات:۱۰) بے شک مسلمان آپس میں بھائی ہیں۔ مزید ارشاد فرمایا: ﴿واعتصموا بحبل الله جمیعا ولا تفرقوا﴾ (سورۃ آل عمران:۱۰۳) اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفرقہ نہ کرو۔

اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''الجماعة رحمة والفرقة عذاب'' جماعت رحمت اور تفرقہ عذاب کا باعث ہے۔

میرے مسلمان بھائیو! اسلام نے ہر قابل قدر قوت کی حمایت کی ہے اور اسے اپنانے کا حکم دیا ہے، جسمانی قوت اور بیماریوں سے بدن کی حفاظت ہی ان متعدد انواع کی قوتوں سے متصف ہونے کی بنیاد ہے، اسی لیے اسلام

نے بدن انسانی کے لیے بھی ایسے خاص احکام بیان کئے ہیں جو اسے بیماریوں سے محفوظ رکھیں۔ کیونکہ بیمار انسان کمزور ارادے، لاغر اعضاء، الجھی ہوئی سوچ اور پژمردہ اعصاب کا اسیر ہوتا ہے، معاشرے کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہونچتا جیسا فائدہ کہ صحت منداور توانا لوگوں سے پہنچتا ہے۔

اسلام اس بات کی شدید خواہش رکھتا ہے کہ مسلمان جسمانی اعتبار سے مضبوط ہوتا کہ زندگی کے ہر میدان میں اس قوت کو بروئے کار لا سکے اور اپنے مقصد حیات کو بہتر اور مکمل طور پر انجام دے سکے۔ اسلام نے اپنے متبعین کو کھانے پینے میں اعتدال برتنے کا حکم دیا ہے اور اسراف وفضول خرچی سے روکا ہے: ﴿کلوا واشربوا ولا تسرفوا﴾ (الأعراف:۳۱) کھاؤ پیو اور فضول خرچی نہ کرو۔

مسلمانو! یہ ہے آپ کا دین جو آپ کو عزت وسربلندی کی دعوت دیتا ہے اور ذلت ورسوائی اور خود کو کمزور سمجھنے سے منع کرتا ہے آپ کی ان اسباب کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو آپ کو شرافت وبزرگی کا سزاوار بناتے ہیں اور ہمیشہ ہمیش کے لیے آپ کو دنیا اور دنیا والوں کی سرداری عطا کرتے ہیں اور آپ کو بھلائی کا پیغام بر بناتے ہیں لہذا اپنے فرائض کی انجام دہی کے لیے اٹھ کھڑے ہو، اپنے مقام ومرتبہ کو پہچانو ﴿ولا تهنوا ولا تحزنوا و أنتم الأعلون إن كنتم مؤمنين﴾ (سورۃ آل عمران:۱۳۹) کمزور نہ پڑو غم نہ کرو سربلندی تمہارا مقدر ہوگی بشرطیکہ تم مومن رہو۔

دوسرا خطبہ:

الحمدلله الذى هدانا للإسلام وأرسل لنا خير الأنام محمدا عليه الصلاة والسلام وعلى آله و صحبه أجمعين۔ أمابعد!

اسلام مسلمانوں کو قوت کے وسائل اختیار کرنے اور زندگی کے ہر شعبے میں انفرادی واجتماعی طور پر تندومند شمار کئے جانے کی دعوت دیتا ہے قوت وشوکت کے جن مفاہیم کا تذکرہ ابھی گذرا ہے اس سے کوئی بھی ایسی قوم یا فرد مستغنی نہیں ہوسکتا جو آزادانہ اور شریفانہ زندگی جینے کا خواہاں ہو، جسے تعمیری اور رفاہی میدانوں میں پیش قدمی کی لگن ہو کیونکہ انسان بلاقوت وقدرت اپنے یا غیر کے لیے کوئی بھلائی انجام نہیں دے سکتا نہ کوئی بُرائی ٹال سکتا ہے اور نہ کسی کام کو پایہ تکمیل تک پہونچا سکتا ہے۔

میرے بھائیو! یہاں ایک اہم امر کی طرف توجہ ضروری ہے، وہ یہ کہ کبھی کبھی قوت وطاقت انسان کو بہکا دیتی ہے یا اسے ظلم وتعدی کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے ایسی صورت میں قوت بجائے خیر کے شر ہو جاتی ہے، درستگی اور اصلاح کے بجائے خرابی وبگاڑ لانے لگتی ہے۔

اس کی ایک مثال اللہ تعالیٰ کے قوم عاد کی خبر بیان کرنے سے لے سکتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ فأما عاد فاستكبروا في الأرض بغيرالحق وقالوا من أشد منا قوة، أولم يروا أن الله الذى خلقهم هو أشد منهم قوة وكانوا بآياتنا يجحدون﴾ (سورۃ فصلت: ۱۵) اور مگر قوم عاد تو انھوں نے روئے زمین پر ناحق تکبر کیا اور کہا کہ ہم سے زیادہ طاقت ور کون ہے کیا وہ لوگ دیکھتے نہیں کہ وہ اللہ جس نے انہیں پیدا کیا ہے ان سے زیادہ قوی ہے۔ اور وہ لوگ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔

لیکن اسلام اور مسلمانوں کے نزدیک قوت و قدرت کا جو تصور ہے وہ قوت کے غرور وسرکشی اور مفاسد اور خرابیوں سے مبرا ہے۔

اسلام میں قوت وقدرت کا اولین تصور ایمانی، اخلاقی اور روحانی قوت ہے جو نفس کو کنٹرول میں رکھتی ہے تا کہ سرکشی سے باز رہے اور اس کا استعمال حق وانصاف، تسامح ودرگذر اور احسان وسلوک کے لیے ہو سکے۔ اسی بنا پر اسلامی قوت انسانیت کے لیے خطرہ نہیں ہے اور نہ بلند پایہ اخلاقی قدروں کے لیے۔ جیسا کہ بعض تہمت پرداز ظالمانہ سوچ کے حامل اسلام پر الزام تراشی کرتے ہیں۔

ایک اور اہم اور بنیادی بات جسے مسلمانوں اور غیر مسلموں سبھی کو سمجھنا چاہئے وہ یہ کہ اسلام میں قوت دیگر صفات اور مبادی وعناصر سے جداگانہ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ یہ اسلام کے نظام کامل کا ایک جزو ہے اور اسی کے ضمن میں رواں دواں ہے۔

جی ہاں میرے بھائیو! اسلام قوت وسربلندی کا دین ہے اور یہ امر اس بات کے منافی نہیں ہے کہ اسلام دین رحمت ہے کیونکہ قوت ورحمت اسلام میں ایک دوسرے سے مل کر مکمل ہوتی ہیں ایک دوسرے سے متعارض نہیں ہیں، جب قوت ورحمت یکجا ہوتی ہیں تو ان کا یہ ملنا تمام انسانیت کے لیے باعث خیر ہوتا ہے زندگی اور زندہ نفوس کے لیے بھلائی کا سامان ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ قوت کے اخلاق کا واحد ضابطہ اسلام میں یہ ہے کہ وہ بھلائی اور ترقی کے کاموں میں صرف ہو نہ کہ دوسروں کی مصلحتیں پامال کرنے کے لیے۔

اے اللہ ہم تجھ سے بھلائیوں کے انجام دینے برائیوں سے بچنے مسکینوں سے محبت رکھنے کی توفیق مانگتے ہیں اور تجھ سے دعا گو ہیں کہ تو ہماری گناہوں کو بخش دے ہم پر رحم فرما ہماری توبہ قبول کر اور ہم سے درگذر فرمادے۔ اللهم صلى على نبينا محمد و على آله و صحبه أجمعين. والحمدلله رب العالمين. ☆☆☆

سپاس نامہ

بخدمت گرامی قدر ڈاکٹر فیصل جمیل حسن غزاوی، حفظہ اللہ تعالیٰ، امام وخطیب مسجد حرام، مکہ مکرمہ
ومہمانان ذی وقار واصحاب علم وفضل
بسلسلہ مشارکت عالمی کانفرنس، بعنوان: ''سنت نبوی اور امن عالم''
تاریخ انعقاد: ۳-۴/ جمادی الاولی ۱۴۳۴ھ مطابق ۱۶-۱۷/ مارچ ۲۰۱۳ء

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدنا الأنبياء والمرسلين، نبينا محمد و على آله وصحبه أجمعين، ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين۔ أمابعد:

یہ مبارک اور خوشگوار موقع جس میں آپ حضرات کو جامعہ سلفیہ بنارس کے وسیع میدان میں اپنی طرف سے اور جامعہ کے تمام عہدیداران اور حاضرین کی طرف سے خوش آمدید کہتا ہوں۔ میں آپ حضرات کی خدمت میں اس مبارک تشریف آوری پر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے خالص تہنیت پیش کرتا ہوں جو ہمارے لیے اور اس ملک میں ہمارے مسلم برادران کے لیے باعث شرف ہے۔

معزز مہمانان گرامی!

جامعہ سلفیہ بنارس کا سنگ بنیاد ۱۹۶۳ء میں جلالة الملك سعود بن عبد العزيز رحمه الله کے حکم سے ہندوستان میں مملکت سعودیہ عربیہ کے سفیر محترم کے ہاتھوں رکھا گیا۔ اور سماحة الشيخ عبد العزيز بن باز رحمه الله نائب صدر جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ کی نیابت کرتے ہوئے فضيلة الشيخ عبدالقادر شيبة الحمد نے تعلیمی عمل کا افتتاح کیا۔ اور سماحة الشيخ عبد العزيز بن باز رحمه الله کے گراں قدر مشوروں سے خادم الحرمين الشريفين شاه فيصل رحمه الله نے جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ کے دو فاضل اساتذہ کو اس جامعہ میں شرعی اور عربی زبان کے علوم کی تدریس کے لیے بھیجا۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اس اہتمام وانصرام پر اور صحیح عقیدہ کی نشر واشاعت پر بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

مہمانان گرامی!

آپ لوگ بخوبی جانتے ہیں کہ مسلمانوں کی ایک بڑی اقلیت ہندوستان میں سکونت پذیر ہے، اس ہندوستان میں اسلام کی نشر واشاعت کی تاریخ کا آغاز حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت سے ہوتا ہے۔ یہاں بکثرت مدارس ہیں، لیکن ہمارے بچے ایسے مدارس میں تعلیم حاصل کرتے تھے جو کتاب وسنت کے صاف شفاف عقیدے کا کما حقہ اہتمام نہیں کرتے تھے۔ علمائے اہل حدیث نے ہندوستان میں کتاب وسنت کی تعلیم اور سلف صالحین رحمہم اللہ کے ٹھوس منہج پر صحیح عقیدے کی ترویج کے لیے مرکزی جمعیۃ اہل حدیث کے زیر نگرانی اس مرکزی ادارہ کی بنیاد رکھی۔ ہم اس عظیم نعمت پر اللہ رب العالمین کا شکر ادا کرتے ہیں اور اس بات پر بھی کہ اس نے اراکین جامعہ کو یہ توفیق بخشی کہ انھوں نے اس جامعہ کی تعمیر وترقی اور اسے منظّم بنانے میں جو کچھ ان کی امکان میں تھا، صرف کیا، جس کا ثمر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ عرب ممالک اور ہندوستان کے مدارس وجمعیات میں اکثر علماء وفضلاء اس جامعہ کے فارغ شدہ اور خوشہ چین ہیں۔ وللہ الحمد۔

دینی بھائیو!

آپ لوگ جانتے ہیں کہ موجودہ زمانہ میں تمام بنی نوع انسان دہشت گردی سے خوف زدہ ہیں۔ اور عدل و انصاف، امن وامان کے متلاشی ہیں۔ ہم اس زمانہ میں اپنی ماں وبہن کی عصمت وعفت، جان ومال کی حفاظت، دلوں کا اطمینان اور عقیدے کی سلامتی کہاں پا سکتے ہیں؟ صرف اس دین الٰہی میں جسے اللہ تعالیٰ نے نوازا ہے، اس طور پر کہ اس نے سب سے افضل رسول کو ہماری طرف مبعوث فرمایا اور کامل ترین شریعت کو ہمارے لیے نازل فرمایا اور ہمیں اس خیر امت میں سے بنایا جو لوگوں کے لیے وجود پذیر ہوئی ہے، آج اس عظیم الشان کانفرنس جس میں ہم حاضر ہوئے ہیں اس کا اہم مقصد نبینا محمد ﷺ کی سنت کی روشنی میں عالمی امن وامان کا قیام ہے۔

ہم اس عظیم کانفرنس میں آپ حضرات کو تہ دل سے تہنیت پیش کرتے ہیں اور أهلا وسهلا مرحبا کہتے ہیں، اور حد درجہ ممنون ومشکور ہیں کہ آپ حضرات نے ہماری دعوت کو قبول کرتے ہوئے اپنے قدوم میمنت سے ہماری حوصلہ افزائی فرمائی۔

ہم اللہ رب العالمین سے دست بدعا ہیں کہ سفر وحضر میں آپ کی حفاظت فرمائے نیز آپ کے علم وعرفان سے

اسلام اور مسلمانوں کو فیض یاب فرمائے۔ اللہ تعالیٰ فرماں روائے مملکت سعودیہ عربیہ خادم الحرمین الشریفین شاہ عبد الله بن عبد العزيز حفظه الله، اور تمام برادران اور سعودیہ عربیہ کے ذمہ داران کی تائید وحمایت فرمائے جو حرمین شریفین زادهما الله عزاً وشرفا اور عالم میں اسلامی بھائیوں اور نبی نوع انسانی کے لیے عظیم خدمات پیش کرتے ہیں۔ فجزاهم الله أحسن الجزاء۔

معزز مہمانان گرامی ہم آپ سے امید رکھتے ہیں کہ آپ ان حضرات تک اور ہم سے محبت کرنے والے اور ہمارے بھائی معالی الدکتور شیخ عبدالرحمٰن السدیس حفظہ اللہ تعالیٰ (جنرل صدر برائے امور مسجد حرام اور مسجد نبوی) کی خدمت میں ہمارا اسلام عرض کریں گے۔ شیخ سدیس حفظہ اللہ ہندوستانی مسلمانوں کے معاملے میں کافی سنجیدہ اور نیک تمنائیں رکھتے ہیں۔

ہم اس عظیم کانفرنس کے انعقاد پر اللہ تعالیٰ سے کامیابی اور توفیق کی دعا کرتے ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا قبول کرنے والا ہے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عبداللہ سعود بن عبدالوحید
ناظم اعلیٰ، جامعہ سلفیہ، بنارس
واراکین جامعہ اور حاضرین کانفرنس

ہدیہ تشکر وامتنان

الحمد لله فی البدء والختام، والصلاة والسلام علی رسول الرحمة والسلام، وعلی آله وصحبه ذوی الفضل والإحسان و بعد:

مکرم ومحترم مہمان گرامی عالی جناب ڈاکٹر فیصل غزاوی، امام وخطیب مسجد حرام، مکہ مکرمہ

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے معزز وفد کے ذی وقار اراکین

معزز علماء، دعاۃ اور اسکالرز حضرات

مختلف شہروں سے تشریف لائے ہوئے معزز مہمانان گرامی

اور محترم سامعین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کتنا سنہری یہ موقع ہے اور کتنی اچھی یہ مناسبت ہے جس میں آپ لوگوں نے جامعہ سلفیہ بنارس کی دعوت کو قبول فرمایا اور ہمارے درمیان حاضری کا شرف بخشا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس عزت وتکریم، اور اس حوصلہ افزائی پر شکر و امتنان کے جو جذبات میرے نہاں خانہ دل میں موجزن ہیں اس کے اظہار کے لیے الفاظ میرا ساتھ نہیں دیتے۔

اِن شاء اللہ، یہ مبارک اجتماع اور یہ جم غفیر جو علماء کرام کی رہنمائی اور دعاۃ کے پند ونصائح کی طرف ہمہ تن گوش ہے۔ یہ اس بات کی بہترین دلیل ہے کہ امت میں دین حق کی طرف رجوع کرنے اور (کتاب وسنت) کے صاف شفاف منبع کی طرف لوٹنے کی مکمل استعداد اور پوری صلاحیت موجود ہے۔ اے اللہ! اس توفیق پر اور اس آسانی پر تو حمد کا سزاوار ہے۔

علماء کرام! آپ لوگ لائق مبارکباد ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ حضرات کی کوششیں کامیاب اور بارآور ہوئیں، اور آپ لوگوں کا سفر اور اس راہ میں صعوبتوں کا برداشت کرنا اللہ رب العالمین کی راہ میں شمار ہوگا، اِن شاء اللہ۔

معزز حاضرین!

یہ جامعہ آپ کا جامعہ ہے اور یہ اجتماع آپ ہی سے شروع ہوکر آپ تک اختتام پذیر ہوگا۔ اس میں کوئی شک

نہیں کہ ساری تیاریاں بہت متواضع قسم کی ہیں اور مطلوبہ معیار سے کمتر ہیں، لیکن آپ کی محبت اور وسیع القلبی ہمیں یقین دلاتی ہیں کہ وہ پریشانیاں جو آپ کو یہاں ٹھہرنے کے درمیان پیش آئیں گی آپ صبر واحتساب کے ساتھ بآسانی اسے انگیز فرمائیں گے۔

میں دوبارہ آپ لوگوں کا اور علماء کرام کا ان کی عمدہ رہنمائیوں اور گراں قدر نصیحتوں پر۔ اور حاضرین کا بھی حسن استماع اور آداب مجلس کی رعایت کرنے پر صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

میڈیا کے نمائندوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو اس پروگرام کی کوریج کے لیے قابل تشکر کوششیں صرف کر رہے ہیں، جامعہ سلفیہ کے اساتذہ، طلبہ، اور تمام اسٹاف کا، اس کانفرنس کی کامیابی اور مہمانوں کی راحت رسانی کے لیے ان تمام بہی خواہاں حضرات کی بے لوث کوششوں اور بے لاگ محنتوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں، اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ تمام حضرات کو ہماری طرف سے، اسلام کی طرف سے اور مسلمانوں کی طرف سے بہترین صلہ عطا فرمائے، اس اجتماع کو ہماری اور آپ کی نیکیوں کے میزان میں نوشت فرمائے اور ہم تمام لوگوں کو اس خیر کی توفیق دے جس سے اللہ تعالیٰ راضی اور خوش ہوتا ہے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا دینی بھائی

شاہد جنید بن محمد فاروق

صدر جامعہ سلفیہ، بنارس

مہمانان گرامی کے تاثرات

ترجمہ وترتیب: مولانا عبدالمتین مدنی

''سنت نبوی اور امن عالم'' کے موضوع پر منعقد ہونے والی عالمی کانفرنس کے انعقاد اور اس موضوع کے حسن انتخاب کو تمام شرکائے کانفرنس نے بیک زبان سراہا اور اسے عصر حاضر کی اہم ضرورت قرار دیا، اس کانفرنس کے افتتاحی اجلاس میں ملک و بیرون کے معزز مہمانان نے اپنے اپنے تاثراتی کلمات میں مختلف زاویہ سے اس کانفرنس اور اس کے موضوع کی اہمیت پر روشنی ڈالی، ذیل میں بعض عرب مہمانوں کے خطاب کے بعض حصہ کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے۔

ڈاکٹر ابراہیم عبید العبید وکیل الجامعہ برائے تعلیمی امور، مدینہ یونیورسٹی:

بے شک بنارس میں جامعہ سلفیہ کا قیام اور اس جامعہ میں عظیم الشان کانفرنس کا انعقاد بڑی خوشی اور مسرت کی بات ہے۔موجودہ دور میں دوسرے تعلیمی اداروں کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس جیسی کانفرنسوں اور سیمیناروں کا انعقاد کریں اور اسلام کی اس خالص تصویر کو لوگوں کے سامنے خصوصا غیر مسلموں کے سامنے پیش کریں، جو ان کی نظروں سے اوجھل ہے۔

بے شک خالص اسلام جو کتاب وسنت اور فہم صحابہ پر مبنی ہے اس کی ترویج واشاعت میں جامعہ سلفیہ کی گرانقدر خدمات ہے، جامعہ سلفیہ بنارس جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کا امتداد اور اپنے قیام اور مقاصد کے اعتبار سے اس کا مثیل ونظیر ہے۔

بے شک امن وامان ایک عظیم الشان نعمت ہے، ایسی نعمت جسے معمولی نہ سمجھا جائے بلکہ اس کا ذکر کرکے شکر بجا لایا جائے اس لیے کہ بدامنی کی وجہ سے انسان اپنی جان و مال اور عزت وآبرو کے بارے میں تشویش میں مبتلا ہوجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی کماحقہ عبادت بھی نہیں کرپاتا۔فرمان نبوی ہے جو اپنے گھر میں امن وامان سے رہے، اس کا بدن صحت مند ہو اور اسے ایک دن کی روزی میسر ہو تو گویا اسے ساری دنیا کی نعمتیں فراہم ہوگئیں۔

سچ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اس لیے کہ جب امن وامان جاتا رہے تو دنیا کی دوسری نعمتوں کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی، اور جب امن وامان حاصل ہو تو گویا ساری نعمتوں کا لطف حاصل ہوگیا، اللہ اکبر۔

امن کتنی عظیم الشان نعمت ہے اس کی قدر تو وہی جانتا ہے جو اس سے محروم ہے۔

شیخ عبداللہ مساعد الزہرانی رجسٹرار مدینہ یونیورسٹی:

اس مبارک کانفرنس سے ہم یہ توقع رکھتے ہیں کہ سنت نبوی کے سلسلہ میں لوگوں کے اہتمام میں وسیع پیمانہ پر اضافہ ہوگا خصوصا نئی نسل مستند علماء سے اس کا علم حاصل کر کے اور تمام شعبہائے حیات کو اس کی کرنوں سے منور کر کے اس کے جواہر پاروں اور مواعظ وعبر سے استفادہ کرے گی۔

اس کانفرنس کی اہمیت اس لحاظ سے بھی دوبالا ہوجاتی ہے کہ سنت نبوی نے امن عالم اور انسانی بھائی چارہ کے قیام میں جو اہم کردار ادا کیا ہے یہ کانفرنس اس کی ترجمانی کرتی ہے۔

یقیناً اس کانفرنس کے منعقد کرنے والوں نے اس اہم ترین موضوع کو منتخب کر کے اپنے حسن ذوق کا ثبوت فراہم کیا ہے اس لیے کہ موجودہ دور میں اسے موضوع بحث بنانا اور اس کے گوشوں کو نمایاں کرنا مسلم وغیر مسلم سب کے لیے یکساں طور پر ضروری ہے تاکہ مسلمان اس سلسلہ میں اپنے دین کی تعلیمات سے واقف ہو کر اس کی روشنی میں دوسرے کے ساتھ اپنے تعامل کی نوعیت اور حدود کو طے کرے۔ اور غیر مسلم اس دین میں جو عدل وانصاف، عفو ودرگذر اور محبت و بھائی چارگی ہے اسے جانے اور یہ بھی جانے کہ اگر کوئی مسلمان اس کے خلاف کوئی کام کرتا ہے تو یہ اس کا ذاتی عمل ہے۔ وہ اپنے مذہب کا نمائندہ نہیں۔

ڈاکٹر محمد علی ہزاع الغامدی، جدۃ:

میرے لیے یہ شرف کہ بات ہے کہ میں اس مبارک دن اور عظیم کانفرنس میں جو ''**سنت نبوی اور امن عالم**'' کے موضوع پر منعقد کی جارہی ہے، آپ سے مخاطب ہوں۔ ان شاء اللہ اس موضوع پر میں اپنا مقالہ پیش کروں گا، ابھی صرف اسلام اور مسلمانوں کی خدمت اور عظیم کانفرنسوں کے انعقاد پر جامعہ سلفیہ کے ذمہ داران کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

فہد بن عبدالفتاح ابراہیم الخیاط، ماہر تعلیم، مکہ مکرمہ:

''**سنت نبوی اور امن عالم**'' کے عنوان سے منعقد ہونے والی کانفرنس میں شرکت کرنے کا شرف حاصل ہوا، جامعہ سلفیہ بنارس نے اس ملک میں دین حنیف کی نشر واشاعت کے لیے جو خدمات پیش کی ہے وہ لائق شکر ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ذمہ داران کو اپنے خاص توفیق سے نوازے، اور ان کی اس خدمت کو ان کے حسنات میں شمار کرے۔

☆☆☆

اساتذہ جامعہ کا نمائندہ خطاب

اس مبارک موقعہ پر یہ میرے لیے بڑی سعادت، شادمانی اور شرف کی بات ہے کہ میں اپنی طرف سے، اور جامعہ سلفیہ، بنارس کے تمام اساتذۂ کرام اور عزیز طلبہ کی طرف سے **محترم ڈاکٹر فیصل جمیل حسن غزاوی حفظہ اللہ**، امام وخطیب مسجد حرام مکہ مکرمہ، **محترم ڈاکٹر ابراہیم بن عبید العبید حفظہ اللہ**، وکیل برائے تعلیمی امور، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ مع اراکین وفد، تمام مہمانان گرامی اور معزز حاضرین کا خیر مقدم کروں، آپ سبھی کو خوش آمدید کہوں اور تحیہ مبارکہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے ذریعہ آپ کا استقبال کروں۔

حاضرین کرام! یقیناً ہمارے لیے یہ بڑی خوش بختی کی بات ہے کہ آپ حضرات نے جامعہ سلفیہ کی دعوت کو شرف قبولیت سے نوازا، اور موجودہ دور میں امن عالم جیسے اہم عالمی مسئلہ پر غور وفکر کرنے اور سنت نبویہ کی روشنی میں تمام انسانیت کے لیے قابل قبول عادلانہ اور مفید حل تلاش کرنے کے لیے منعقد اس عظیم کانفرنس میں شرکت کی غرض سے سفر کی مشقتیں اور صعوبتیں برداشت کیں۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی کوششوں کو بارآور کرے، آپ کو جزاء خیر سے نوازے اور دین کی خدمت کے لیے مزید توفیق عطا فرمائے۔

جیسا کہ آپ حضرات نے ناظم اعلیٰ محترم مولانا عبداللہ سعود سلفی حفظہ اللہ کے خطاب میں سماعت فرمایا کہ جامعہ سلفیہ کی تاسیس کتاب وسنت کی تعلیم، صحیح عقیدہ کی تدریس اور دین اسلام کی روشنی میں تربیت کے لیے عمل میں آئی تھی۔ جامعہ سلفیہ میں نصاب تعلیم مرتب کرنے کے لیے جو اولین تعلیمی کمیٹی تشکیل پائی تھی وہ مندرجہ ذیل اہم شخصیات پر مشتمل تھی:

۱- مولانا عبدالمجید حریری رحمہ اللہ، ممتاز ادیب، سات زندہ زبانوں کے ماہر اور حسب ارشاد شاہ سعود بن عبدالعزیز رحمہ اللہ مکتبۃ الریاض کے مرتب۔

۲- مولانا عبیداللہ رحمانی رحمہ اللہ، صاحب مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح

۳- مولانا محمد احمد مئوی رحمہ اللہ، ناظم اعلیٰ جامعہ اسلامیہ، فیض عام، مئو

ممتاز علماء پر مشتمل اس کمیٹی نے ایک عظیم مقصد کے حصول کے لیے اپنی پوری عنایت صرف فرمائی، اور تقاضائے وقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ محسوس کیا کہ جامعہ کے طلبہ کو دیگر عصری علوم سے بھی خاطر خواہ بہرہ ور ہونا چاہئے تاکہ وہ مختلف میدان عمل میں اپنی ذمہ داریوں سے بخوبی عہدہ برآ ہوسکیں۔ اسی لیے اس کمیٹی نے جامعہ کے نصاب تعلیم میں عقیدہ، تفسیر، حدیث، اصول اور دیگر شرعی مضامین کے ساتھ ساتھ انگریزی، ہندی، ریاضی اور سائنس کو بھی شامل رکھا۔ جامعہ نے طلبہ کے لیے کمپیوٹر کی تعلیم کا بھی انتظام کیا اور ان کی علمی وفکری صلاحیت کی ترقی کے لیے انتھک کوششیں صرف کیں۔ شرعی اور غیر شرعی علوم کے لیے ایسے مراجع ومصادر سے معمور ایک مرکزی لائبریری بھی قائم کی جن سے طلبہ کو اپنے علمی اور فکری ثقافت کے دائرے کو وسیع کرنے میں مدد ملے۔ الحمدللہ، جامعہ کی مرکزی لائبریری اپنے حسن انتظام، اپنے علمی ذخائر اور استفادہ کرنے والوں کے لیے سہولیات فراہم کرنے میں اپنا ایک ممتاز مقام رکھتی ہے۔

جامعہ اپنے تعلیمی مراحل کی تقسیم میں حکومت ہند کے نظام تعلیم کی پیروی کرتا ہے۔ چنانچہ جامعہ کا نصاب تعلیم مندرجہ ذیل تعلیمی مراحل اور مدت تعلیم پر مشتمل ہے:

۱-	مرحلہ متوسطہ	۳/سال
۲-	مرحلہ ثانویہ	۲/سال
۳-	مرحلہ عالمیہ	۲/سال
۴-	مرحلہ فضیلہ	۳/سال

اس کے بعد دو سال تخصص کے لیے ہیں، پھر دکتورۃ کا مرحلہ آتا ہے، مذکورہ تعلیمی مراحل کے ساتھ شعبۂ تحفیظ القرآن اور شعبۂ تجوید کے نام سے دو مزید تعلیمی شعبے ہیں۔ اور بنون و بنات کے لیے دو درس گاہیں بھی ہیں۔

جامعہ کی تنگ دامانی کے پیش نظر ذمہ داران جامعہ نے جامعہ کے ساتھ دیگر مدارس کے الحاق کا نظم بھی رکھا ہے۔ الحاق یافتہ ادارے اپنے نظام اور نصاب تعلیم وغیرہ میں جامعہ کی پیروی کرتے ہیں اور ان مدارس کے طلبہ جامعہ کے ششماہی و سالانہ امتحانات میں کامیاب ہو کر جامعہ کی شہادات کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ اس وقت ہندوستان کے مختلف صوبوں سے تعلق رکھنے والے ملحق مدارس کی تعداد ۲۵/ ہے۔

خطابت وصحافت کے میدان میں طلبہ کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کی طرف بھی جامعہ بھرپور توجہ دیتا ہے۔ چنانچہ جامعہ ہفتہ واری انجمنوں کے انعقاد کا انتظام کرتا ہے جن میں طلبہ اساتذہ کی نگرانی میں خطابت کی مشق بہم پہنچاتے ہیں۔ ساتھ ہی مہینہ میں دوبار ثقافتی پروگرام بھی مرتب کیا جاتا ہے جس میں طلبہ شوق سے حصہ لیتے ہیں۔ مزید یہ کہ جامعہ کی طرف سے خطابت وصحافت کے سلسلے میں سالانہ انعامی مقابلے بھی منعقد کئے جاتے ہیں جن میں طلبہ مختلف عناوین کے تحت شریک ہوتے ہیں اور انعامات سے سرفراز کئے جاتے ہیں۔

ان تمام کوششوں کے پس پردہ صرف یہی ایک مقصد کارفرما ہے کہ طلبہ ہمہ جہت تربیت سے سرفراز ہوں اور موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق ایک عالم اور ایک محقق بن کر جامعہ سے فارغ ہوں۔

یہ ذمہ داروں کی کوششوں کی ایک جھلک ہے جن میں محسنین کرام کا تعاون بھی شامل ہے۔ ذمہ داران جامعہ آپ حضرات کی عنایت اور رہنمائی کے ضرورت مند ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس جامعہ کے لیے ترقی کی راہیں ہموار کرے۔ اپنے مقاصد کے حصول میں کامیابی عطا فرمائے اور ہم سبھی کو صدق واخلاص کے ساتھ دین حنیف کی خدمت کا موقع میسر کرے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عبدالکبیر عبدالقوی مبارکپوری

استاذ، کنوینر لجنۃ الحاق المدارس

ومدیر مکتب الإشراف علی الدعاۃ

جامعہ سلفیہ، بنارس

امن عالم کے موضوع پر منعقد ہونے والی عالمی کانفرنس کی رپورٹ

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں منعقد ہونے والی عالمی کانفرنس بتاریخ ۱۶، ۱۷/ مارچ ۲۰۱۳ء مطابق ۳، ۴/ جمادی الاولی ۱۴۳۴ھ بحسن خوبی اختتام پذیر ہوگئی، اس کانفرنس میں مسجد حرام مکہ مکرمہ کے محترم امام **فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر فیصل غزاوی** اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کا ایک اعلی سطحی وفد کے علاوہ ملک و بیرون ملک کے علماء کرام، دانشوران اور اہم شخصیات نے شرکت فرمائی۔

دہلی کے اندرا گاندھی انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر امام حرم کا استقبال جامعہ سلفیہ کے ناظم اعلیٰ مولانا عبداللہ سعود سلفی اور جامعہ سلفیہ کے افاضل علماء کرام اور سعودی سفارتخانہ دہلی کے اہل کاروں نے کیا، اس سفر میں امام حرم **ڈاکٹر فیصل غزاوی** کے ہمراہ الشیخ محمد بن علی البلیھد والشیخ فھد بن عبدالفتاح خیاط تھے۔

جمعرات ۱۴/ مارچ ۲۰۱۳ء کی شام یہ موقر وفد دہلی سے بنارس کے لیے روانہ ہوا اور ۹/ بجے شب بنارس ایئرپورٹ پر صدر جامعہ سلفیہ مولانا شاہد جنید سلفی، شیخ الجامعہ مولانا نعیم الدین صاحب مدنی اور جامعہ سلفیہ کی مجلس عاملہ کے موقر ارکان، اساتذۂ کرام وشہر کی معزز شخصیات نے امام حرم اور ان کے ہمراہ وفد کا شایانِ شان استقبال کیا۔

استقبال کے بعد یہ باوقار قافلہ گیٹ وے (پانچ ستارہ) ہوٹل واقع ندیسر کے لیے روانہ ہوا جسے امام حرم اور جامعہ اسلامیہ کے وفد کے قیام کے لیے منتخب کیا گیا تھا۔ مہمان حضرات نے رات کا کھانا ہوٹل میں تناول فرمایا۔

مدرسہ زید بن ثابت لتحفیظ القرآن الکریم کا افتتاح

بروز جمعہ ۱۵/ مارچ ۲۰۱۳ء صبح 11:30 بجے امام حرم ڈاکٹر فیصل غزاوی کی صدارت میں مدرسہ زید بن ثابت لتحفیظ القرآن کی افتتاحی تقریب منعقد ہوئی، اس تقریب کا آغاز صہیب ولد مولانا عبداللہ طیب مدنی رحمہ اللہ کی تلاوت سے ہوا، اس کے بعد ناظم جلسہ شیخ اسعد اعظمی نے اس مدرسہ کا تعارف پیش کیا۔ مہمانان گرامی کو خوش آمدید کہا، اور جامعہ سلفیہ کمپاؤنڈ سے اس نئی عمارت میں اس شعبہ کے منتقلی کے اسباب پر روشنی ڈالی، اس کے بعد امام حرم ڈاکٹر فیصل غزاوی حفظہ اللہ نے مدرسہ کے طلباء کو قرآن کریم کا درس دے کر اور ان کی قرأت کو سن کر باضابطہ اس مدرسہ کا افتتاح فرمایا۔

اس موقع پر آپ نے اپنے مختصر خطاب میں اس ادارہ کے قیام کے لیے جامعہ سلفیہ کے ذمہ داران کا شکریہ ادا کیا، نیز صحابی جلیل زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جمع قرآن کا جو عظیم کارنامہ انجام دیا تھا اس کا ذکر کیا اور اللہ تعالیٰ سے اس ادارہ کی

کامیابی کے لیے دعا فرمائی۔

امام حرم کے خطاب کے بعد ناظم جامعہ سلفیہ مولانا عبداللہ سعود سلفی صاحب نے اپنے مختصر خطاب میں محترم امام حرم اور شیخ احمد بن علی الرومی ملحق دینی سفارت خانہ سعودی عرب کا ان کی تشریف آوری اور اس کی جدید عمارت میں مدرسہ زید بن ثابت لتحفیظ القرآن کا افتتاح کے لیے مہمانان گرامی کا شکریہ ادا کیا، اور اس مدرسہ سے متعلق بعض ضروری باتوں پر روشنی ڈالی۔ اس تقریب کے بعد یہ قافلہ جامعہ سلفیہ کے لیے روانہ ہو گیا جہاں حاضرین کی ایک بڑی تعداد امام حرم کے استقبال کے لیے بے تاب اور ان کے دیدار کے لیے سراپا اشتیاق تھی۔

جامعہ سلفیہ کی مسجد میں امام حرم کا خطبہ ونماز جمعہ

تقریبا 12:00 بجے امام حرم کا قافلہ جامعہ سلفیہ پہونچا، جہاں امام حرم خصوصی حفاظتی دستہ کے بیچ گیٹ نمبر دو سے جامعہ کے احاطہ میں داخل ہوئے اور جامعہ سلفیہ کے مہمان خانہ میں تھوڑی دیر قیام کے بعد 12:30 بجے جامعہ کی مسجد میں تشریف لے گئے اور خطبہ دینے کے لیے ممبر پر رونق افروز ہوئے، آپ کا خطبہ سننے اور آپ کی اقتدا میں نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے دور دراز سے لوگ صبح سویرے ہی جامعہ سلفیہ آچکے تھے اور جامعہ کی مسجد، میدان، گذرگاہیں سب مصلیان سے بھری پڑی تھیں۔ اور جگہ جگہ قد آوار اسکرین بھی لگائی گئی تھیں تا کہ آپ کا خطبہ براہ راست نشر ہو، نیز مسجد جامعہ کا زیریں ہال عورتوں کے لیے مخصوص کیا گیا تھا تا کہ وہ بھی امام حرم کی اقتداء میں نماز جمعہ ادا کر سکیں۔

امام حرم مکی نے اپنے خطبہ میں مسلمانوں کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی ترغیب دی اور آپس میں متفق ومتحد رہنے پر زور دیا۔ امام حرم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کے لیے دین اسلام کو سب سے پسندیدہ دین قرار دیا، اور اس دین کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ دنیا اور آخرت دونوں کی سعادت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، موصوف نے آگے کہا کہ بہترین مسلمان وہ لوگ ہیں جو اپنے ساتھ دوسروں کی بھلائی چاہتے ہیں، اور اچھے اعمال کو انجام دینے میں کبھی سستی نہیں کرتے اور فرمایا کہ اسلام مسلمانوں کو دوسروں پر ظلم کرنے سے سختی سے منع کرتا ہے، اور اچھے اخلاق وکردار کو اپنانے کا حکم دیتا ہے، اس کے بعد امام صاحب نے دعائیہ کلمات کے ساتھ خطبہ ختم کیا۔

خطبہ ونماز جمعہ کے بعد اس خطبہ کا اردو ترجمہ شیخ اسعد اعظمی استاذ جامعہ سلفیہ نے پیش کیا۔ حاضرین نے امام حرم کے خطبہ کو بہت شوق سے سنا اور اس کے بعد اپنے گھروں کے لیے روانہ ہو گئے۔

لوگوں میں محترم امام حرم کی اقتدا میں نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے شوق کا یہ عالم تھا کہ شہر کی کئی مساجد میں اس دن جمعہ قائم نہ ہوا اور ان مساجد کے مصلیان نے امام حرم کی اقتدا میں نماز جمعہ ادا کی۔ نیز بعض بڑی مساجد کے ائمہ نے امام حرم کی اقتدا میں نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے اپنے نائب کو مکلّف کر دیا اور خود جامعہ سلفیہ میں نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے آ گئے۔

عورتوں کی ایک بڑی تعداد نے امام حرم کی اقتدا نماز جمعہ ادا کیا۔ جو قرب وجوار کے علاوہ دور دراز کے علاقوں سے بھی

آئی تھیں۔امام حرم نماز جمعہ کے بعد واپس ہوٹل تشریف لے گئے۔

ندوۃ الطلبہ کا پروگرام

اسی شام جامعہ سلفیہ کے طلباء کی انجمن ندوۃ الطلبہ کا ایک پروگرام بعد نماز مغرب جامعہ سلفیہ کے وسیع صحن میں منعقد ہوا، جن کی صدارت صدر جامعہ سلفیہ مولانا شاہد جنید سلفی اور نظامت مولانا عبدالمتین مدنی نے فرمائی۔

پروگرام کا آغاز نسیم اختر بن عبدالمجید (فضیلت سال دوم) کی تلاوت سے ہوا، اس کے بعد ندوۃ الطلبۃ کے ناظم شہاب الدین بن سراج الدین (فضیلت سال دوم) نے ندوۃ الطلبہ کا مختصر تعارف پیش کیا۔ بعدہ حسان بن ابوالمکرّم (فضیلت سال دوم) نے بزبان عربی مختصر تقریر کی، اس کے بعد امام حرم ڈاکٹر فیصل غزاوی آداب طلب علم کے موضوع پر ایک بہترین اور جامع خطاب فرمایا، جس کا شیخ اسعد اعظمی نے اردو میں خلاصہ پیش کیا۔اس پروگرام میں شیخ احمد بن علی الرومی اور امام حرم کے مرافق مشائخ اساتذۂ جامعہ وطلبہ اور شہر کے معززین بھی تشریف فرما تھے۔

عالمی کانفرنس کی افتتاحی تقریب

بروز سنیچر ۱۶/ مارچ ۲۰۱۳ء صبح 10:00 بجے زیر صدارت شیخ مظہر احسن ازہری نائب صدر جامعہ سلفیہ، عالمی کانفرنس کی افتتاحی تقریب جامعہ سلفیہ کے وسیع صحن میں منعقد ہوئی۔ یہ صحن بالکل سفید، دیدہ زیب پنڈال سے آراستہ کیا گیا تھا اور گرم موسم کے پیش نظر اسٹیج پر کولر اور میدان میں جگہ جگہ بڑے پنکھے رکھے گئے تھے۔اس تقریب کے مہمان خصوصی امام حرم ڈاکٹر فیصل غزاوی حفظہ اللہ تھے اور نظامت کے فرائض شیخ اسعد اعظمی نے انجام دیئے۔

پروگرام کا آغاز قاری حبیب الرحمٰن فیضی استاد قسم التجوید جامعہ سلفیہ کی تلاوت سے ہوا۔اس کے بعد منتخب طلبہ نے ترانہ جامعہ پیش کیا، بعدہ شیخ اسعد اعظمی نے اس کانفرنس کی اہمیت اور اس کے انعقاد کے اسباب پر روشنی ڈالی، اس کے بعد خطبہ استقبالیہ ناظم جامعہ سلفیہ مولانا عبداللہ سعود سلفی صاحب نے پیش فرمایا، جس میں آپ نے امام حرم اور جملہ مہمانان گرامی قدر کو صمیم قلب سے سلفیان ہند کی اس مرکزی دانش کدہ میں خوش آمدید کہا۔ اساتذہ جامعہ سلفیہ کا نمائندہ خطاب شیخ عبدالکبیر مبارکپوری نے اور فارغین جامعہ کا شیخ امان اللہ محمد اسماعیل (ریسرچ اسکالر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ) نے پیش کیا۔

اس کے بعد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے تشریف لائے ہوئے معزز استاد پروفیسر عبدالعزیز الفریح نے اس کانفرنس سے متعلق اپنے تأثرات پیش فرمائے، جس کا اردو ترجمہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن مدنی نے پیش کیا۔ پھر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے رجسٹرار ڈاکٹر عبداللہ مساعد الزھرانی اپنے تأثرات پیش فرمائے، جس کا ترجمہ شیخ صلاح الدین مقبول احمد نے پیش کیا۔اس کے بعد ڈاکٹر سعود بن عبدالعزیز الخلف (استاد قسم العقیدہ، جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ) نے اپنے تأثراتی کلمات پیش کئے، جس کا ترجمہ مولانا اصغر علی امام مہدی السّلفی نے پیش کیا۔اس کے بعد بالترتیب مولانا سلمان نسیم ندوی (مندوب دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو) شیخ محمد علی ھزاع الغامدی (جدہ، سعودی عرب) ترجمہ: مولانا عبدالکبیر مبارکپوری، مولانا شوکت علی قاسمی

(مندوب دارالعلوم دیوبند) شیخ احمد بن علی الرومی (ملحق دینی سفارتخانہ سعودی عرب، دہلی) ترجمہ: مولانا عبدالتواب مدنی پروفیسر ابراہیم بن عبید العبید (وکیل الجامعہ، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ برائے تعلیمی امور) ترجمہ: شیخ امان اللہ محمد اسماعیل نے اپنے اپنے تأثراتی کلمات پیش فرمائے۔ پروفیسر ابراہیم بن عبید العبید نے سامعین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ''امن وامان تمام انسانوں کے لیے ضروری ہے، اگر دنیا میں امن وامان نہ ہوتو پوری انسانیت تباہ ہوجائے گی۔ موصوف نے آگے کہا کہ مذہب اسلام نے امن وامان کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے اور اس کے قیام وبقا کے اسباب بتلائے ہیں''۔

اس کے بعد امام حرم مکی نے اپنے زریں کلمات سے نوازا۔ ''جس میں آپ نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت بیان کرتے ہوئے کہا کہ وہ نہ صرف انسانوں بلکہ چرند پرند کے لیے بھی رحمت بن کر آئے تھے'' اس خطاب کا اردو ترجمہ شیخ اسعد اعظمی نے پیش کیا۔ پروگرام کے اخیر میں صدر جامعہ سلفیہ نے تمام مہمانان کرام اور حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔

اس پروگرام میں ناظم اعلیٰ جامعہ سلفیہ نے امام حرم کی خدمت میں اپنا سپاس نامہ خوبصورت طلائی طغرہ کی شکل میں پیش فرمایا اور امام حرم مکی نے ذمہ داران جامعہ مولانا شاہد جنید صدر جامعہ سلفیہ، مولانا مظہر احسن ازہری نائب صدر جامعہ سلفیہ، حاجی عبدالرشید نائب صدر جامعہ سلفیہ، مولانا عبداللہ سعود سلفی ناظم اعلیٰ جامعہ سلفیہ، مولانا عبداللہ زبیری نائب ناظم جامعہ سلفیہ کی خدمت میں بطور یادگار قرآن کریم کا نسخہ پیش فرمایا۔ اس پروگرام کے بعد امام حرم نے جامعہ سلفیہ کی مسجد میں نماز ظہر کی امامت فرمائی اور زیر مسجد ہال میں مہمانان کرام اور معززین شہر نے اراکین واساتذۂ جامعہ کے ساتھ ظہرانہ تناول فرمایا۔

سنت نبوی اور امن عالم کے موضوع پر عالمی سیمینار کا افتتاحی اجلاس

سنیچر ۱۶/ مارچ ۲۰۱۳ء بعد نماز مغرب جامعہ سلفیہ کے سیمینار ہال میں ''**سنت نبوی اور امن عالم**'' کے موضوع پر منعقد ہونے والے عالمی سیمینار کا افتتاحی اجلاس جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے وکیل الجامعہ پروفیسر ابراھیم بن عبید العبید کے زیر صدارت منعقد ہوا۔

اس اجلاس کا آغاز حسان ابوالمکرّم (فضیلت سال دوم) کی تلاوت سے ہوا، اس کے بعد صدر محترم نے اپنا صدارتی خطاب پیش کیا۔ جس میں آپ نے اس موضوع کی اہمیت اور اس کے متعلق بعض گوشوں پر روشنی ڈالی۔ بعدہ:

شیخ ابوالقاسم عبدالعظیم، استاذ جامعہ فیض عام مئو	بعنوان: اسلام میں خودکش دھماکوں کا حکم
ڈاکٹر فضل الرحمٰن مدنی، رئیس مجلس علمی جامعہ محمدیہ مالیگاؤں	بعنوان: ایمان بالرسل: ایک جائزہ
ڈاکٹر محمد علی ھزاع الغامدی جدہ، سعودی عرب	بعنوان: سیرت نبوی اور مذہبی رواداری
شیخ سلمان نسیم ندوی، دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ	بعنوان: امن عالم کے قیام میں سنت نبوی کا کردار

نے مقالہ پیش فرمایا۔

سنیچر کے روز مغرب وعشاء کی نماز کی امامت مسجد جامعہ سلفیہ میں امام حرم ڈاکٹر فیصل غزاوی نے فرمائی، اور جامعہ سلفیہ کے

بعض شعبہ جات کا معائنہ فرمایا، نیز ناظم اعلیٰ جامعہ سلفیہ کی آفس میں جامعہ کی تاسیس سے متعلق بعض تاریخی دستاویز اور فوٹو زدیکھے۔

بعد نماز عشاء تمام مہمانان گرامی صدر جامعہ سلفیہ کے دولت کدہ پر تشریف لے گئے اور اراکین مجلس عاملہ ومعززین شہر کے ساتھ رات کا کھانا تناول فرمایا۔

اجلاس عام

بروز سنیچر ۱۶/ مارچ ۲۰۱۳ء بعد نماز عشاء جامعہ سلفیہ کے وسیع صحن میں ایک اجلاس عام زیر صدارت ڈاکٹر فضل الرحمٰن مدنی منعقد ہوا۔ جس کا آغاز حافظ عبدالرحیم بنارسی (مدرس شعبۂ حفظ جامعہ سلفیہ) کی تلاوت سے ہوا۔ اس کے بعد طلبۂ جامعہ نے نظم پیش کی۔ بعدہ شیخ رضاء اللہ عبدالکریم مدنی (دہلی)، شیخ ابوزید ضمیر (پونا) نے خطاب فرمایا: مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی نے کہا'' تاریخ گواہ ہے کہ نبی کریم ﷺ جب دنیا میں تشریف لائے تھے تو دنیا میں ہر طرف بدامنی پھیلی ہوئی تھی آپ کی پاکیزہ تعلیمات نے مختصر وقت میں ایک ایسا انقلاب پیدا کیا کہ ہر طرف خصوصا سرزمین عرب میں امن وامان کی فضا قائم ہوگئی، رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کے پاکیزہ کردار کو اگر سامنے رکھا جائے تو یقیناً دنیا کی بگڑی ہوئی صورت حال کو درست کیا جاسکتا ہے۔ شیخ ابوزید ضمیر نے بھی نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کو امان وامان کا راستہ بتاتے ہوئے امن کا پیغام دیا۔

اور اخیر میں صدر اجلاس نے اپنا صدارتی خطاب پیش کیا۔ اس پروگرام کی نظامت مولانا عبدالوہاب حجازی صاحب نے فرمائی۔ حاضرین کی کثرت کے اعتبار سے یہ پروگرام بہت کامیاب تھا۔ عورتوں کے لیے بھی زیر مسجد ہال میں انتظام کیا گیا تھا، اور بڑا اسکرین نصب تھا۔

مذاہب عالم اور آپسی رواداری

اس موضوع پر ایک خصوصی نشست بروز اتوار ۱۷/ مارچ ۲۰۱۳ء بوقت صبح دس بجے زیر صدارت ڈاکٹر سعود بن ابراہیم الخلف (استاذ قسم العقیدہ، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ) منعقد ہوئی۔ اس پروگرام کی نظامت شیخ عبدالواحد مدنی نے فرمائی، اور آغاز قاری ابوطاہر (استاذ قسم التجوید جامعہ سلفیہ، بنارس) کی تلاوت سے ہوا۔ موضوع کا تعارف ناظم جلسہ نے پیش کیا۔ اس کے بعد مذہب اسلام کی نمائندگی مولانا عبداللہ سعود سلفی ناظم اعلیٰ جامعہ سلفیہ ومفتی شہر مولانا عبدالباطن نعمانی (امام شاہی مسجد گیان واپی بنارس)، مسیحیت کی نمائندگی بشپ رافِ منجلی، سناتن دھرم کی نمائندگی راج شری ہنس گنگا نے اور ہندو دھرم کی نمائندگی ڈاکٹر روہت گپتا، نیز سکھ مذہب کی نمائندگی سکھ دیوسنگھ (صدر گرودوارہ کمیٹی، بنارس) نے کی۔

اس پروگرام میں مولانا عبداللہ سعود بن عبدالوحید سلفی نے امن عالم سے متعلق اسلام کا نظریہ پیش کرتے ہوئے کہا: محمد ﷺ نے دوسرے مذاہب کے لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنے کی تعلیم دی ہے اور اپنے ماننے والوں کو اس بات کی تعلیم صرف زبانی طور پر نہیں دی بلکہ اس پر اپنی زندگی میں عمل کر کے دکھادیا۔

مفتی عبدالباطن نعمانی نے کہا کہ اسلام لوگوں کو اس بات کا حکم دیتا ہے کہ وہ سارے انسان کو انسان کی نظر سے دیکھیں

۔انہوں نے یہ بھی کہا کہ محمد ﷺ اور ان کے صحابہ کو کافی تکلیفیں پہنچائی گئیں پھر بھی محمد ﷺ نے سب کو معاف کر دیا۔ ہندوستان میں مسلمانوں نے سیکڑوں برس حکومت کی لیکن رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کسی کو تکلیف نہیں پہنچائی۔

ڈاکٹر رافِ منجلی نے عیسائی مذہب اور امن عالم پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ: اللہ نے ہمیں دل پیار کرنے کے لیے دیا ہے نہ کہ ایک دوسرے سے نفرت کرنے کے لیے، انہوں نے آگے کہا کہ انسان کو ہمیشہ مثبت نظریہ رکھنا چاہئے۔ دوسروں کے سکھ دکھ میں شامل ہونا چاہئے کیونکہ جو انسان کے دل میں ہوتا ہے وہی چہرے سے جھلکتا ہے۔

ڈاکٹر روہت گپتا نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا کہ انسان کو اپنی عقل کا صحیح استعمال کرنا چاہئے لیکن عام طور سے انسانوں کی عقل دوسروں کے مطابق کام کرتی ہے۔ انہوں نے مذہبی اعمال کی انجام دہی پر زور دیتے ہوئے کہا کہ اس سے انسان کی عقل صحیح طور پر کام کرتی ہے۔

شری سُکھ دیو سنگھ نے اتحاد کی اہمیت بتاتے ہوئے کہا کہ جب اوپر والے نے سبھی کو ایک جیسے ہاتھ، آنکھ، کان، ناک دیے ہیں تو ہم الگ الگ کیوں ہیں۔ انہوں نے آپس کے لڑائی جھگڑے کی وجہ خیالات کے نہ ملنے کو بتایا اور آگے کہا کہ جب ہم اپنا بُرا نہیں چاہتے تو دوسرے کا بُرا کیوں؟ ہمیں سوچنا چاہئے کہ دوسروں کے پاس بھی ہمارے ہی جیسا دل ہے۔ اس کے بعد صدارتی خطاب ڈاکٹر سعود بن ابراہیم الخلف نے پیش کیا۔ جس کا اردو ترجمہ ناظم جلسہ نے پیش کیا۔

بنارس کی سیر اور امام حرم کی واپسی

اس دن امام حرم ڈاکٹر فیصل غزاوی اور آپ کے مرافقین اور بعض اساتذہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ نے بنارس کے تاریخی مقامات کو دیکھا اور 3:00 بجے امام حرم ڈاکٹر فیصل غزاوی دہلی کے لیے روانہ ہو گئے۔ صدر جامعہ سلفیہ، و ناظم اعلیٰ، و اراکین مجلس عاملہ نے بنارس ایئر پورٹ پر آپ کو الوداع کہا۔

مدارس اسلامیہ اور امن عالم

مدارس اسلامیہ اور امن عالم کے موضوع پر اتوار ۱۷/ مارچ ۲۰۱۳ء بعد نماز مغرب ایک خصوصی اجلاس منعقد کیا گیا، جس کی صدارت ڈاکٹر عبداللہ مساعد الزہرانی (رجسٹرار جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ) نے فرمائی۔

آغاز محمد ناظم اختر (شعبۂ تجوید) کی تلاوت سے ہوا۔ ناظم جلسہ شیخ صلاح الدین مقبول احمد نے موضوع کا تعارف پیش کیا، بعدہ شیخ احمد مجتبیٰ نذیر عالم سلفی (جامعہ ابو ہریرہ پرتاپ گڈھ)، شیخ ابو حمدان اشرف فیضی (جامعہ محمدیہ عربیہ رائیدرگ)، شیخ نور العین سلفی (کلیۃ فاطمۃ الزہراء مئو) اور ڈاکٹر فضل الرحمٰن مدنی (جامعہ محمدیہ، مالیگاؤں) نے اس موضوع پر روشنی ڈالی۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن مدنی نے اپنی تقریر میں کہا کہ مدرسوں میں قرآن کریم اور سنت رسول کی تعلیم دی جاتی ہے اور یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ کی تعلیم امن عالم کی ہی تعلیم ہے۔ اسلام امن کا پیغام دیتا ہے اور قتل و غارتگری سے روکتا ہے۔ اخیر میں صدر جلسہ ڈاکٹر عبداللہ مساعد الزہرانی نے صدارتی خطاب فرمایا۔

کانفرنس کا اختتامی اجلاس وعام اجلاس

اتوار ۱۷/ مارچ ۲۰۱۳ء بعد نماز عشاء زیرصدارت ڈاکٹر عبداللہ بن سلمان الغفیلی (عمید خدمة المجتمع جامعه اسلامیه مدینة منورة) اجلاس عام و کانفرنس کا اختتامی اجلاس منعقد ہوا۔ جس کا آغاز محمد بن محمد ابراہیم (فضیلت سال دوم) کی تلاوت سے ہوا۔ اس کے بعد صدر اجلاس نے اپنا صدارتی خطاب پیش کیا، جس کا اردو ترجمہ ناظم جلسہ شیخ اسعد اعظمی نے کیا، بعدہ ناظم اعلی جامعہ سلفیہ نے حاضرین سے خطاب فرمایا، اس کے بعد قاری نجم الحسن فیضی (صدر جامعہ رحمانیہ ممبئی)، شیخ محمد جعفر ہندی (جامعہ اسلامیہ دریاباد)، شیخ ابوزید ضمیر (پونا) نے خطاب فرمایا۔ اجلاس کے اخیر میں کانفرنس کی قرارداد مولانا محمد اسلم مبارکپوری نے پیش کی، اور ناظم جلسہ نے علماء و حاضرین کے شکریہ کے ساتھ اجلاس کے اختتام کا اعلان فرمایا۔

سیمینار کی دوسری نشست

''**سنت نبوی اور امن عالم**'' کے موضوع پر منعقد ہونے والے عالمی سیمینار کی دوسری نشست اتوار ۱۷/ مارچ ۲۰۱۳ء صبح 8:00 بجے زیرصدارت شیخ اصغر علی امام مہدی السلفی (ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند) منعقد ہوئی، جس کا آغاز محمد بن محمد ابراہیم (فضیلت سال دوم) کی تلاوت سے ہوا۔ اور اس نشست کی نظامت مولانا اسلم مبارکپوری نے کی، اس نشست میں شیخ احمد مجتبی مدنی، بعنوان: **تدوین سنت اور اس کے مراحل**۔ مولانا محمد اعظمی بعنوان: **انکار حدیث کا جائزہ**، شیخ صلاح الدین مقبول احمد بعنوان: **توحید اور امن عالم**، مولانا ابوالعاص وحیدی بعنوان: **صحابہ کرام اور امن عالم**، مولانا رفیق احمد رئیس سلفی بعنوان: **صلح حدیبیہ حقائق ونتائج**، شیخ ابوزید ضمیر بعنوان: **اسلام اور امن عالم**، مولانا عبدالسمیع ہارون سلفی بعنوان: **اسلام میں عدل کی ہمہ گیری**، مولانا عبدالمبین ندوی بعنوان: **نظام احتساب سنت نبوی کی روشنی میں**، شیخ ابوحمدان اشرف فیضی بعنوان: **اسلامی عبادات امن وسلامتی کا مظہر**، مولانا نورالعین سلفی بعنوان: **مدارس اسلامیہ کے قیام کے بنیادی مقاصد اور امن عالم**۔

ان مقالات کے بعد صدر جلسہ نے مقالات کے بارے میں اپنا وقیع تاثر پیش فرمایا۔

سیمینار کی تیسری اور آخری نشست

اس سیمینار کی تیسری اور آخری نشست ۱۷/ مارچ ۲۰۱۳ء بروز اتوار بعد نماز عصر زیرصدارت شیخ عبداللہ عبدالتواب مدنی (صدر مرکز التوحید نیپال) منعقد ہوئی، جس کا آغاز رفیع الہلال (عالمیت سال دوم) کی تلاوت سے ہوا، اس نشست کی نظامت مولانا عبداللہ عبدالرؤف سلفی، فاضل جامعہ سلفیہ نے کی۔

اس نشست میں جن حضرات نے اپنا مقالہ پیش کیا وہ درج ذیل ہیں:

ڈاکٹر جنید حارث	بعنوان	تحفظ نسواں احادیث نبویہ کی روشنی میں
ڈاکٹر انیس الرحمٰن	//	یونیورسٹیوں سے تعلیم یافتہ فضلاء مدارس کی خدمات

شیخ محمد جعفر ہندی	//	سنت نبوی کا مفہوم اور اس کی حجیت
شیخ رضاء اللہ عبدالکریم مدنی	//	جنگ وجدال کے اخلاق احادیث کی روشنی میں
شیخ عبدالواحد عبدالقدوس مدنی	//	دہشت گردی احادیث نبویہ کی روشنی میں
ڈاکٹر بدرالزماں نیپالی	//	میثاق مدینہ اور امن عالم
شیخ عبدالوہاب حجازی	//	جامعہ سلفیہ اور اشاعت سنت نبویہ
ڈاکٹر محمد عقیل	//	عصر حاضر میں سیرت نبوی کا تعارف اور ہماری ذمہ داری
شیخ محمد ابوالقاسم فاروقی	//	مالی بدعنوانیوں کا انسداد اور اسلام
شیخ عبداللہ عبدالتواب مدنی	//	اسلام اور امن عالم

اس کے بعد صدر جلسہ نے اپنا صدارتی کلمات پیش کیا اور اس نشست کے اختتام کا اعلان کیا گیا۔

مہمانان کا قیام وطعام:

ملک وبیرون ملک سے تشریف لانے والے مہمانان کے قیام وطعام کے انتظام وانصرام کے لیے اساتذہ وطلبہ پر مشتمل مختلف کمیٹیاں تشکیل دی گئیں۔عرب مہمانان کے قیام وطعام کا انتظام گیٹ وے ہوٹل واقع ندیسر میں کیا گیا، جبکہ بعض مخصوص مہمانان کے قیام کا انتظام جامعہ سے قریب بعض دوسرے ہوٹلوں میں کیا گیا۔علمائے کرام، وفود مدارس، مقالہ نگاران کے قیام کا انتظام جامعہ سلفیہ کے اندر درس گاہوں میں رکھا گیا اور ان کے لیے طعام کا انتظام وسیع دارالحدیث ہال میں رکھا گیا، دیگر مہمانان جو اطراف شہر اور بیرون شہر سے تشریف لائے ان کے قیام کا انتظام جامعہ رحمانیہ بنون وبنات میں رکھا گیا، جبکہ ان کے طعام کا انتظام جامعہ سے قریب ریوڑی تالاب میں واقع ایک شادی خانہ میں رکھا گیا اور اس کا انتظام شہر کے بعض مخلص رضا کاروں نے سنبھالا۔

☆ کانفرنس سے متعلق بعض اہم امور کی نگرانی جن حضرات کے سپرد کی گئی تھی وہ یہ ہیں:

۱-	استقبالیہ انچارج	مولانا نورالہدی عین الحق سلفی
۲-	رہائش انچارج	مولانا نعیم الدین مدنی
۳-	مطعم انچارج	مولانا محمد عبدالقیوم مدنی
۴-	اسٹیج انچارج	مولانا عبدالرحیم ریاضی
۵-	سیمینار انچارج	مولانا ابوالقاسم فاروقی
۶-	پریس انچارج	ماسٹر نیر احمد واحدی

۷- سیکورٹی انچارج عتیق احمد انصاری
۸- عرب مہمان انچارج شیخ اسعد اعظمی
۹- رضا کار طلبہ کے انچارج مولانا محمد مستقیم سلفی
۱۰- صفائی انچارج حافظ عبدالشکور سلفی

☆ مہمانوں کے رہائش گاہوں کی ذمہ داری درج ذیل حضرات کے سپرد تھی:

(۱) دارالضیافہ (اوپر کے ۲/فلیٹ) اور مہمان خانہ قدیم:

(۱) مولانا نعیم الدین مدنی (۲) مولانا رضاء اللہ سلفی
(۳) مولانا عزیز الرحمٰن سلفی (۴) مولانا کلیم اللہ سلفی

(۲) درسگاہ فضیلت و عالمیت:

(۱) مولانا عبدالوہاب حجازی (۲) مولانا انتخاب عالم سلفی
(۳) مولانا علی حسین سلفی (۴) مولانا عبدالحلیم سلفی

(۳) جامعہ رحمانیہ (بنون) باگڑ بلی:

(۱) ماسٹر احمد حسین بستوی (۲) مولانا محبوب عالم فیضی
(۳) ماسٹر سرفراز احمد اعظمی (۴) مولانا عبدالخبیر سلفی

(۴) جامعہ رحمانیہ (بنات) مدن پورہ:

(۱) مولانا محمد یحییٰ فیضی (۲) مولانا محمد اقبال سلفی
(۳) مولانا احسان اللہ سلفی (۴) مولانا عبدالمعبود سلفی

(۵) المنار بوائز اسکول، ریوڑی تالاب:

(۱) مولانا شاہد اختر سلفی (۲) مولانا خورشید احمد سلفی
(۳) مولانا محمد محسن سلفی (۴) مولانا محبوب عالم سلفی

(۶) مدرسہ زید بن ثابت (بیلنس بلڈنگ):

(۱) قاری حبیب الرحمٰن فیضی (۲) مولانا نظر الابرار سلفی
(۳) ماسٹر محمد حمزہ بنارسی (۴) مولانا عبدالمالک سلفی

ترتیب: مولانا عبدالمتین مدنی
جامعہ سلفیہ، بنارس

☆☆☆

کانفرنس کے اہم شرکاء

سعودی عرب

۱-	فضیلۃ الدکتور فیصل غزاوی	امام وخطیب مسجد حرام، مکہ مکرمہ
۲-	سعادۃ الدکتور ابراہیم بن عبید العبید	وکیل الجامعہ، برائے تعلیمی امور، مدینہ یونیورسٹی
۳-	فضیلۃ الدکتور عبداللہ مساعد الزھرانی	رجسٹرار، مدینہ یونیورسٹی
۴-	فضیلۃ الدکتور عبداللہ بن سلیمان الغفیلی	شعبہ رفاہ عام (عمید خدمۃ المجتمع) مدینہ یونیورسٹی
۵-	فضیلۃ الدکتور عبدالعزیز بن محمد الفریح	سابق رئیس قسم السنۃ، مدینہ یونیورسٹی
۶-	فضیلۃ الدکتور سعود بن عبدالعزیز الخلف	استاد قسم عقیدہ، مدینہ یونیورسٹی
۷-	فضیلۃ الشیخ احمد بن علی الرومی	المستشار الدینی، سعودی سفارتخانہ، دہلی
۸-	فضیلۃ الدکتور محمد بن علی ہزاع الغامدی	خطوط سعودیہ عربیہ، جدہ
۹-	فضیلۃ الشیخ فہد بن عبدالفتاح بن ابراہیم خیاط	ماہر تعلیم، مکہ مکرمہ، سعودی سفارتخانہ، دہلی
۱۰-	فضیلۃ الشیخ محمد بن علی بن محمد البلیھد	مکہ مکرمہ
۱۱-	فضیلۃ الشیخ امان اللہ محمد اسماعیل السّلفی	ریسرچ اسکالر (پی ایچ ڈی) مدینہ یونیورسٹی

اراکین جامعہ سلفیہ، بنارس

۱-	مولانا شاہد جنید صاحب	بنارس، یوپی
۲-	مولانا مظہر احسن ازہری صاحب	مئو، یوپی
۳-	حاجی عبدالرشید صاحب	مالیر کوٹلہ، پنجاب
۴-	مولانا عبداللہ سعود صاحب	بنارس، یوپی
۵-	مولانا عبداللہ زبیری صاحب	بنارس، یوپی
۶-	جناب ارشد وزیری صاحب	بھدوہی، یوپی
۷-	حاجی عبداللطیف صاحب	بنارس، یوپی
۸-	حاجی محمد سالم صاحب	بنارس، یوپی
۹-	مولانا احسن جمیل مدنی صاحب	بنارس، یوپی
۱۰-	مولانا اصغر علی سلفی صاحب	چمپارن، بہار
۱۱-	مولانا عبدالسلام سلفی صاحب	ممبئی، مہاراشٹر

۱۲- حافظ سلیمان میرٹھی صاحب	میرٹھ، یوپی
۱۳- جناب نامق ادیب صاحب	بنارس، یوپی
۱۴- جناب حامد حلمی صاحب	بنارس، یوپی

مدعوین خصوصی

۱- جناب الحاج سید احمد صاحب	بلاری، کرناٹک
۲- جناب انجینئر سید عبدالحمید صاحب	بلاری، کرناٹک
۳- جناب مولانا عبدالوہاب جامعی صاحب	ہرپن ہلی، کرناٹک
۴- جناب الحاج عبدالشکور صاحب	پونہ، مہاراشٹرا
۵- جناب مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب	مبارکپور، یوپی
۶- جناب مولانا عبدالسلام سلفی صاحب	ممبئی، مہاراشٹرا
۷- جناب مولانا عبدالوہاب خلجی صاحب	دہلی
۸- جناب الحاج محمد معین بن عبدالسمیع چودھری صاحب	مغربی یوپی
۹- جناب مولانا سعید احمد سلفی صاحب	پونہ، مہاراشٹرا
۱۰- جناب الحاج چودھری کلیم اللہ سیٹھ صاحب	گجرات
۱۱- جناب چودھری ابوالحسن سیٹھ صاحب	گجرات
۱۲- جناب الحاج اقبال احمد چندیری مع وفد	مئو، یوپی
۱۳- جناب مولانا محمد آفتاب صاحب مع وفد	سکریٹری شہری جمعیت اہل حدیث، کولکاتا

چنندہ مدارس کے ذمہ داران ونمائندگان

۱- جناب مولانا مفتی عبدالباطن نعمانی	امام شاہی مسجد گیان واپی، بنارس
۲- جناب ڈاکٹر مظہر احسن ازہری	جامعہ عالیہ عربیہ، مئو
۳- جناب مولانا عبداللہ جھنڈانگری	مرکز التوحید، نیپال
۴- جناب مولانا ارشد فہیم الدین مدنی	وکیل الجامعہ، جامعہ ابن تیمیہ، چمپارن
۵- جناب ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب مدنی	جامعہ اسلامیہ ممبرا، مہاراشٹر
۶- جناب مولانا خورشید احمد سلفی	شیخ الجامعہ، جامعہ سراج العلوم، نیپال
۷- جناب ڈاکٹر فضل الرحمٰن مدنی	جامعہ محمدیہ منصورہ، مالیگاؤں
۸- جناب شوکت علی قاسمی (مندوب مولانا ابوالقاسم نعمانی)	دارالعلوم دیوبند

۹- جناب سلمان نسیم ندوی (مندوب سعید الرحمٰن اعظمی) ندوۃ العلماء لکھنؤ
۱۰- جناب مولانا رفیق احمد رئیس سلفی علی گڈھ
۱۱- جناب محمد شفیع مع وفد ناظم جامعہ فیض عام، مئو
۱۲- جناب حاجی ملتان مع وفد ناظم جامعہ اثریہ دارالحدیث، مئو
۱۳- جناب مولانا شریف اللہ صاحب شیخ الجامعہ، جامعہ عالیہ، مئو

ابنائے جامعہ سلفیہ

۱- جناب عبدالعزیز سلفی مدیر، نوائے اسلام، دہلی
۲- جناب سہیل احمد مدنی فیض عام، مئو
۳- جناب مولانا عبدالمنان سلفی مدیر، السراج، نیپال
۴- جناب عقیل اختر سلفی MLA جھارکھنڈ
۵- جناب محمد ابراہیم سلفی ناظم جمعیت اہلحدیث، سدھارتھ نگر
۶- جناب مولانا عبدالمعبود سلفی مدیر، الفرقان، سدھارتھ نگر
۷- جناب مولانا تنویر ذکی سلفی مدیر، پیام توحید، کشن گنج، بہار

اس کانفرنس میں کرناٹک سے علمائے کرام پر مشتمل ایک وفد نے شرکت کی تھی، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱- مولانا اشرف صاحب فیضی ناظم جامعہ محمدیہ رائیدرگ، آندھرا
۲- مولانا محمد محسن صاحب سلفی استاذ مدرسہ حمایت الاسلام ہاسپیٹ، کرناٹک
۳- مولانا آر ڈی عمر فاروق عمری ناظم کلیۃ فاطمۃ الزہراء الاسلامیۃ للبنات ہرپن ہلی، کرناٹک
۴- مولانا عبدالرحمٰن خان صاحب عمری ناظم جامعہ دارالتوحید رحیم آباد، کرناٹک
۵- مولانا حافظ ریاض احمد جامعی استاذ مدرسہ سبل السلام لتحفیظ القرآن الکریم، بلہاری، کرناٹک
۶- مولانا محمد یوسف صاحب عمری ناظم جمعیت اہل حدیث، رانی بنور، کرناٹک
۷- مولانا بشیر احمد صاحب عمری ناظم مدرسہ ارقم بیجاپور، کرناٹک
۸- مولانا حافظ محمد اسماعیل صاحب جامعی ناظم مدرسہ عائشہ گلبرگہ، کرناٹک
۹- وی ایم اسماعیل صاحب نائب خازن اسلامیہ ایجوکیشن ٹرسٹ ہرپن ہلی، کرناٹک
۱۰- مولانا عبداللہ صاحب عمری ناظم مدرسہ ریاض الجنۃ، بنگلور، کرناٹک
۱۱- مولانا حافظ عبدالرحیم صاحب جامعی سگری ناظم مدرسہ امہات المؤمنین گلبرگہ، کرناٹک

☆☆☆

سنت نبوی اور امن عالم کے موضوع پر ہونے والی کانفرنس اور میڈیا

مولانا عبدالمتین مدنی

جامعہ سلفیہ بنارس میں ''**سنت نبوی اور امن عالم**'' کے موضوع پر منعقد ہونے والی عالمی کانفرنس کی خبروں کو اردو، ہندی اور انگریزی اخباروں نے ۱۶، ۱۷، ۱۸/ مارچ کے شماروں میں بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے۔ تقریباً اس کانفرنس کی ہر نشست میں صحافی حضرات بنفس نفیس شریک رہے اور **امام حرم ڈاکٹر فیصل غزاوی/ حفظہ اللہ وتولاہ** سے متعلق خبروں کو نمایاں کالمز میں شائع کیا بلکہ بعض اخباروں نے اپنے ایک ہی ایڈیشن میں کانفرنس کی مختلف خبروں کو الگ الگ سرخیوں میں چھاپا۔ اردو کے جن اخبارات میں کانفرنس کے متعلق خبریں شائع ہوئیں وہ روزنامہ راشٹریہ سہارا، روزنامہ انقلاب، آواز ملک اور روزنامہ وارث اودھ۔ ہندی کے اخبارات ہندوستان، دینک جاگرن، امراجالا، آج، جن سندیش، آئی نیکسٹ، کمپیکٹ، سن مارگ اور انگریزی پائینر، ہندوستان ٹائمس ہیں۔ اخبارات نے کانفرنس سے متعلق جس خبر کو سب سے زیادہ اہمیت دی اور نمایاں طور پر شائع کیا وہ امام حرم کا خطبہ اور نماز جمعہ کی امامت ہے۔

روزنامہ انقلاب نے ۱۶/ مارچ ۲۰۱۳ء کے شمارہ میں اس خبر کو سب سے پہلی خبر بنایا اور اسے اس عنوان کے ساتھ شائع کیا: ''**امام حرم کی اقتداء میں ہزاروں مسلمانوں نے نماز جمعہ ادا کی، ڈاکٹر فیصل حسن غزاوی نے دنیا میں امن قائم کرنے پر زور دیتے ہوئے مسلمانوں کو اسلام کے احکام پر بھی عمل پیرا ہونے کی تلقین کی**''۔

روزنامہ راشٹریہ سہارا لکھنؤ نے بھی ۱۶/ مارچ کے شمارہ کے پہلے صفحہ میں سب سے اوپر اس خبر کو اس عنوان کے ساتھ شائع کیا: ''**بہترین مسلمان وہ ہے جو دوسروں کی بھلائی کرے: امام حرم ڈاکٹر فیصل حسن غزاوی کا بنارس پہنچنے پر شایان شان خیر مقدم**''۔

اخبار وارث اودھ نے اس خبر کو ۱۶/ مارچ کے شمارہ کی سب سے پہلی خبر بنا کر شائع کیا: ''**امام حرم کی آمد سے بڑھا ملک کا وقار**'' ''**بنارس کے جامعہ سلفیہ میں نماز جمعہ کی امامت کی: ہزاروں مرد وخواتین کی شرکت، پوری دنیا کو دیا امن کا پیغام**''۔

ہندوستان اخبار نے ۱۶/ مارچ ۲۰۱۳ء کے ایڈیشن میں اس خبر کو بنارس کی سب سے اہم خبر کے طور پر شائع کیا:

''امام حرم کے پیچھے ٹوٹی مسلک کی دیوار''''مفتی بنارس سمیت سینکڑوں غیر مسلک کے لوگوں نے ادا کی نماز''۔''سلفیہ مسجد بنی گواہ، بھائی چارہ کا دیا پیغام''۔

امر اجالا نے اسی خبر کو صفحہ نمبر ۲ پر شائع کیا اور عنوان قائم کیا:''امام حرم کی امامت میں ادا کی نماز''''منی مکہ میں تبدیل ہوا جامعہ سلفیہ، ہزاروں بزرگوں، نوجوان اور عورتوں کی اُمڈی بھیڑ''۔اسی اخبار نے امام حرم کی اقتداء میں نماز ادا کرنے والے بعض مرد وعورت کے تأثرات کو بھی شائع کیا۔

دینک جاگرن نے ۱۶/ مارچ ۲۰۱۳ء کے شمارہ کے صفحہ نمبر چار پر اس خبر کو شائع کیا:''امام حرم کے پیچھے ہزاروں نے پڑھی نماز''جامعہ سلفیہ میں عید سا نظارہ''۔

راشٹریہ سہارا نے ۱۶/ مارچ ۲۰۱۳ء کے شمارہ میں بنارس کے صفحہ نمبر ا/ پر اس خبر کو سب سے اوپر شائع کیا:''کعبہ کے امام نے کی امن کی دعا''''جمعہ کی نماز ادا کرنے امڈے مسلمان بھائی''۔

امام حرم کے پیچھے نماز ادا کرنے والوں کے تاثرات کو اس اخبار نے اس عنوان کے ساتھ شائع کیا:''کاشی میں آدا، تمنا اب کعبہ میں پڑھیں نماز''۔

کمپیکٹ نے ۱۶/ مارچ ۲۰۱۳ء کے شمارہ میں اس خبر کو پہلے صفحہ میں سب سے اوپر شائع کیا:''امام حرم کی امامت میں نماز ادا کرنے امڈا ہجوم''''ایمان سے مضبوط رہیں مسلمان''''مل جل کر رہنے کی تعلیم دیتا ہے اسلام''۔

اس کانفرنس سے متعلق دوسری بڑی خبر جس کو تمام اخبارات نے بڑی اہمیت دی وہ''مذاہب عالم اور آپسی رواداری'' کے موضوع پر منعقد ہونے والا پروگرام تھا۔جس میں مختلف مذاہب کے نمائندگان نے شرکت فرمائی اور بقائے امن اور مذہبی رواداری کے موضوع پر اپنے گراں قدر تأثرات پیش کئے۔

اردو اخبار روزنامہ آواز ملک نے اس خبر کو اس عنوان کے ساتھ شائع کیا:''اسلام امن کا پیغام دیتا ہے اور قتل و غارت گری سے روکتا ہے''''دل پیار کرنے کے لیے ہے نفرت کے لیے نہیں''''جب ہم اپنا بُرا نہیں چاہتے تو دوسروں کا کیوں؟''

روزنامہ انقلاب نے صفحہ نمبر ۳/ پر اس خبر کو اس سُرخی کے ساتھ شائع کیا:''اسلام لوگوں کو اس بات کا حکم دیتا ہے کہ وہ سب کو انسان کی نظر سے دیکھیں نہ کہ ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی کی نظر سے''۔

ہندوستان اخبار نے ۱۸/ مارچ ۲۰۱۳ء کے شمارہ میں صفحہ نمبر۴/ پر اس خبر کو سب سے اوپر اس عنوان کے ساتھ **''مٹانی ہے نفرت تو مذہب کی کرو عزت''** شائع کیا جب کہ اسی دن کے امر اُجالا نے صفحہ نمبر۴/ پر اس خبر پر یہ عنوان لگایا **''رواداری اور بھائی چارہ سب سے بڑی طاقت''**۔

آج اخبار نے ۱۸/ مارچ ۲۰۱۳ء کے شمارہ میں دوسرے صفحہ پر اس خبر کو اس عنوان کے ساتھ شائع کیا: **''مذہب نہیں سکھاتا آپس میں نفرت کرنا''**۔

''جامعہ سلفیہ میں منعقد دوروزہ کانفرنس کے آخری دن امڈی بھاری بھیڑ، نبی کی تعلیمات کو اختیار کرنے کی ضرورت''۔

روزنامہ پائیز نے اپنے ۱۸/ مارچ ۲۰۱۳ء کے صفحہ نمبر۳/ پر اس عنوان کے ساتھ اس خبر کو شائع کیا: **''اسلام تمام مذاہب کی عزت کرنے کی وکالت کرتا ہے''**۔اس عالمی کانفرنس کی افتتاحی اور اختتامی اجلاس کو سب اخبارات نے بڑی سرخیوں کے ساتھ شائع کیا۔

روزنامہ انقلاب نے ۱۷/ مارچ ۲۰۱۳ء کے شمارہ میں صفحہ نمبر۱/ پر اس عنوان کے ساتھ: **''زمانہ جاہلیت کے ظلمات میں نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی اور ہدایات نے روشن کردار ادا کیا: امام حرم''**۔

روزنامہ آواز ملک نے ۱۷/ مارچ ۲۰۱۳ء کے شمارہ کے صفحہ نمبر۸/ پر دو تصویروں کے ساتھ یہ خبر اس عنوان کے ساتھ شائع کیا: **''رسول اللہ ﷺ پورے عالم کے لیے رحمت بن کر آئے تھے: امام حرم''**۔

روزنامہ وارث اودھ نے ۱۷/ مارچ ۲۰۱۳ء کے شمارہ میں صفحہ نمبر۱/ پر اس خبر کو سب سے بڑی خبر کے طور پر شائع کیا اور اس کا عنوان یہ قائم کیا: **''اسلام انسانی ضروریات کی تکمیل کا ضامن'' امام حرم ڈاکٹر فیصل غزاوی کا خطاب، بنارس کے جامعہ سلفیہ میں امام حرم کا والہانہ استقبال''**۔

ہندوستان نے ۱۷/ مارچ ۲۰۱۳ء کے شمارہ کے صفحہ نمبر۳/ پر اس عنوان کے ساتھ یہ خبر شائع کی: **''جہاد کے نام پر زبردستی کرنے والے اسلام کو بدنام کررہے ہیں، اسلام میں دہشت گردی کی اجازت نہیں''**۔

جب کہ ہندوستان ٹائمس نے ۱۷/ مارچ ۲۰۱۳ء کے شمارہ کے پیج نمبر۳/ پر یہ خبر اس عنوان کے ساتھ شائع کیا: **''اسلام امن کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے''** ماہرین مذاہب۔

امر اجالا نے ۱۷/ مارچ ۲۰۱۳ء کے شمارہ کے صفحہ نمبر ۱/ پر یہ عنوان قائم کیا: ''**عالمی کانفرنس میں امام حرم ڈاکٹر فیصل غزوای نے کہا: اسلام میں دہشت گردی کی جگہ نہیں**''۔

روزنامہ آج نے ۱۷/ مارچ ۲۰۱۳ء کے ایڈیشن میں بنارس کے صفحہ پر اس خبر کو سب سے اوپر شائع کیا: ''**دوسروں کی بھلائی کرنے والا ہی سچا مسلمان**''''**جامعہ سلفیہ میں دوروزہ عالمی کانفرنس میں امام حرم کی تقریر سننے کے لیے اڈی بھیڑ**''۔

سن مارگ وارانسی نے ۱۷/ مارچ ۲۰۱۳ء کے شمارہ کے صفحہ نمبر ۳/ پر یہ عنوان قائم کیا: ''**امام نے کی امن کی دعا'' آمین کی صدائیں ہوئیں بلند**۔

کامپیکٹ نے ۱۷/ مارچ ۲۰۱۳ء کے شمارہ نے صفحہ ۹/ پر افتتاحی تقریب کی خبر کو اس عنوان کے ساتھ شائع کیا: ''**نبی کی سنت پر چلیں، دین امن کا پیغام**'' **ڈاکٹر فیصل غزاوی، دوروزہ عالمی کانفرنس کا ہوا آغاز**۔

روزنامہ انقلاب نے ۱۸/ مارچ کے شمارہ کے صفحہ نمبر ۳/ پر یہ خبر شائع کی: ''**سنت نبوی اور امن عالم'' کانفرنس اختتام پذیر، مختلف مذاہب کے نمائندوں نے اپنے مذاہب کے حوالے سے موضوع پر روشنی ڈالی**۔

امام حرم ڈاکٹر فیصل غزاوی حفظہ اللہ بنارس میں اپنے قیام کے دوران میڈیا سے بھی روبرو ہوئے اور صحافیوں کے مختلف سوالات کا آپ نے جواب دیا، اس موقع پر ناظم جامعہ سلفیہ بنارس مولانا عبداللہ سعود صاحب سلفی آپ کے ہمراہ تھے، اس خبر کو بھی بعض اخبارات نے شائع کیا۔

روزانہ وارث اودھ نے ۱۷/ مارچ ۲۰۱۳ء کے شمارہ میں اس خبر کو اس عنوان کے ساتھ شائع کیا: ''**امن عالم کے قیام کے لیے متحد ہونے کی ضرورت**'' **امام حرم**

جبکہ امر اجالا نے ۱۷/ مارچ ۲۰۱۳ء کے ہی شمارہ میں اس خبر کو ''**محبتی ہیں ہندوستان کے لوگ**'' امام حرم کے اس تاثر کو عنوان بنایا۔

☆☆☆

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں
''سنت نبوی اور امن عالم''
کے موضوع پر منعقد ہونے والی عالمی کانفرنس کی تجاویز وقرارداد

۱- احادیث صحیحہ اور سیرت نبوی ﷺ کے وہ واقعات جن کا تعلق عام انسانیت کی صلاح وفلاح اور قیام امن سے ہے، مختلف ذرائع سے ان کی ترویج واشاعت کی جائے۔

۲- سنت نبوی کے ذخیرہ سے وہ باتیں جن کو دنیا کے لیے خطرہ بتایا جاتا ہے، ان کو جمع کرکے ان کی صحیح تشریح وتوضیح کی جائے تاکہ شکوک وشبہات کا ازالہ ہوسکے۔

۳- تمام انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام اور مذہبی شخصیات کی کردارکشی کو آزادئ رائے کے دائرے سے خارج کرنے کے لیے قانون بنانے کی سفارش کی جائے۔ اور اس آواز کو اقوام متحدہ تک پہنچایا جائے تاکہ متفقہ طور پر اسے ایک بین الاقوامی قانون کا درجہ حاصل ہوسکے۔ اور خادم الحرمین الشریفین عبداللہ بن عبدالعزیز حفظہ اللہ وتولاہ نے اس تعلق سے جو تجویز پیش کی ہے کانفرنس اس کی تائید کرتی ہے۔

۴- حالات حاضرہ کی روشنی میں سیرت نبوی اور تعلیمات نبویہ کو دنیا کی ہر زندہ زبان میں شائع کیا جائے اور منصوبہ بندی کے ساتھ ان کی ترویج واشاعت کی جائے۔ اور اس مشن کو انجام دینے والے اسلامی چینلز اور ویب سائٹوں کی ہر ممکن طریقے سے مدد کی جائے۔ اور ان میں خاطر خواہ اضافہ کیا جائے۔ نیز ضرورت وامکانات کو دیکھتے ہوئے مختلف دیگر چینلز کو ہائر بھی کیا جائے۔

۵- اسلام کے خلاف نٹ اور دیگر جدید ذرائع سے جو کچھ شائع کیا جاتا ہے، سنجیدہ اور مثبت طریقے سے ان کا تشفی بخش جواب دیا جائے۔

۶- اسلام، مسلمان اور دینی مدارس کے بارے میں دہشت گردی کے بے بنیاد الزامات کی تردید اور بے قصور مسلم نوجوانوں کی رہائی کی مختلف سطح سے کوشش کی جائے اور اس کے لیے تمام بڑی دینی تنظیموں کی حمایت اور ان سے تعاون حاصل کیا جائے۔

۷- قیام امن کی راہ میں رکاوٹ بننے والی تمام چیزوں کی غیر جانب دارانہ طور پر نشان دہی کی جائے اور دنیا کو ان کے خطرات سے آگاہ کیا جائے۔

۸- غیر مسلم اقوام کے ساتھ قیام امن کے لیے اللہ کے رسول ﷺ کے جو معاہدے تھے، ان کے بنود کو جمع کرکے ان کی موجودہ حالات کے تناظر میں شرح وتوضیح کی جائے، تاکہ دنیا ان کے آفاق وابعاد کو سمجھے اور اس کی روشنی میں دوسری

اقوام سے تعامل کی نوعیت طے کرے۔

۹- قیام امن کی کوششوں کو فروغ دینے کے لیے مختلف مذاہب کے رہنما، اور ماہرین حضرات کے ساتھ رابطہ رکھا جائے۔ اور وقتاً فوقتاً مذاکرہ ہوتا رہے۔ اور تمام ذرائع ابلاغ کے ذریعے ان کی خبریں عوام تک پہنچائی جائیں، تاکہ اس کے بہترین نتائج سامنے آئیں۔

۱۰- مسلم حکومتوں کو یہ باور کرایا جائے امن وامان کا قیام ہی ان کی اولین ذمہ داری اور ملک کی سالمیت اور ترقی کی بنیاد ہے۔ اس لیے وہ اپنے اپنے ملک میں خانہ جنگی وفرقہ وارانہ فساد کو ختم کرنے کے لیے مؤثر اقدام کریں۔ اور امن و امان کو بحال کرکے دوسرے ممالک کے لیے بہترین نمونہ اور اچھی مثال بنیں۔

۱۱- دنیا میں حقیقی امن اسی وقت قائم ہوسکتا ہے جب نوع انسانی خاتم الانبیاء والرسل نبینا محمد ﷺ کی انسانیت نواز تعلیمات کو انشراح صدر اور غیر جانب داری سے پڑھے، اور نوع بہ نوع تعصّبات کے حجابات کو دور کرے۔

۱۲- پوری ملت اسلامیہ کا ایمانی فریضہ ہے کہ وہ نبی ﷺ کی سیرت کا چلتا پھرتا نمونہ ہو، اور غیر مسلموں کے ساتھ تعامل میں نبی اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر کاربند ہو۔ اس لیے یہ کانفرنس اپیل کرتی ہے کہ مسلمانان عالم کردار سازی پر زیادہ سے زیادہ توجہ دیں۔ جدید نسل کو اسلامی کردار اپنانے کی ترغیب اور تربیت دیں۔ اور امن وسلامتی کے لیے نقصان دہ ثقافت میں تحلیل ہونے سے بچائیں۔

۱۳- اخلاقی جرائم اور بدعنوانیوں کے انسداد کے لیے اسلام نے جو رہنما اصول بنائے ہیں، ان کی اہمیت اور افادیت کو مختلف گوشوں سے عام کیا جائے۔ تاکہ عصمت وعفت کا تحفظ ہو اور انسانی معاشرہ پاکیزگی کی راہ پر قائم رہے۔

۱۴- خادم الحرمین الشریفین -حفظہ اللہ وتولاہ- نے حرمین شریفین -زادھما اللہ عزاً وشرفاً- کی توسیع اور حجاج کرام کی خدمت وسہولت کے لیے جو عظیم الشان کارنامے انجام دیئے ہیں، کانفرنس اس کی قدر کرتی ہے۔ اور اللہ تعالی سے دعا کرتی ہے کہ اللہ تعالی خادم الحرمین الشریفین کو صحت وسلامتی کے ساتھ رکھے اور بلاد توحید کو استقرار واستحکام عطا کرے۔

۱۵- قرآن وحدیث اور سیرت نبوی ﷺ کے تعلق سے سعودی حکومت، سعودی جامعات، سعودی عرب کے دعوتی مراکز اور علماء کرام کی عظیم خدمات کو بھی یہ کانفرنس عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ اور یہ اپیل کرتی ہے کہ ان خدمات سے پورے عالم بالخصوص مسلمانوں کو متعارف کرایا جائے تاکہ بلاد توحید اور منہج سلف سے متعلق پھیلی ہوئی غلط فہمیاں دور ہوں۔

۴/ جمادی الأولی ۱۴۳۴ھ
۱۷/ مارچ/ ۲۰۱۳ء
بعد نماز عشاء

ترتیب کردہ: **تجاویز کمیٹی، عالمی کانفرنس بعنوان: ''سنت نبوی اور امن عالم''**

دوروزہ سیمینار بعنوان: ''سنت نبوی اور امن عالم''

سیمینار کے شرکاء

۱-	مولانا محمد اعظمی	مئوناتھ بھنجن، یوپی
۲-	ڈاکٹر فضل الرحمٰن مدنی	جامعہ محمدیہ، مالیگاؤں
۳-	مولانا صلاح الدین مقبول	کویت
۴-	ڈاکٹر بدرالزماں محمد شفیع	کپل وستو، نیپال
۵-	مولانا عبدالوہاب حجازی	جامعہ سلفیہ، بنارس
۶-	مولانا احمد مجتبیٰ مدنی	جامعہ ابی ھریرۃ لال گوپال گنج، الہ آباد
۷-	مولانا ابوالعاص وحیدی	جامعہ قاسم العلوم، بلرامپور
۸-	مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی	جامعہ رحمانیہ، بنارس
۹-	مولانا نورالعین سلفی	مدرسہ فاطمۃ الزھراء، مئو
۱۰-	مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم مدنی	مئوناتھ بھنجن، یوپی
۱۱-	مولانا عبداللہ عبدالتواب مدنی	جھنڈانگر، نیپال
۱۲-	مولانا عبدالواحد مدنی	صفا شریعہ کالج، سدھارتھ نگر
۱۳-	مولانا رضاء اللہ عبدالکریم	مدرسہ سید نذیر حسین، دہلی
۱۴-	ڈاکٹر محمد علی ھزاع الغامدی	جدہ، سعودی عرب
۱۵-	مولانا فضل اللہ انصاری سلفی	مدھوبنی، بہار
۱۶-	مولانا سلیمان نسیم ندوی	ندوۃ العلماء لکھنؤ
۱۷-	ڈاکٹر ارشد فہیم الدین مدنی	جامعہ ابن تیمیہ، بہار
۱۸-	ڈاکٹر جنید حارث	جامعہ ملیہ، دہلی
۱۹-	ڈاکٹر محمد عقیل	شعبۂ فارسی، بنارس ہندو یونیورسٹی
۲۰-	مولانا محمد جعفر ہندی	جامعہ اسلامیہ، دریاباد
۲۱-	شیخ ابوزید ضمیر	پونا، مہاراشٹر
۲۲-	ڈاکٹر انیس الرحمٰن خرم	مرکز التوحید
۲۳-	مولانا عبدالسمیع محمد ہارون سلفی	مدھوبنی، بہار
۲۴-	مولانا ابوحمدان اشرف فیضی	جامعہ محمدیہ عربیہ، رائیدرگ

مقالات وبحوث

۱-	انکارحدیث کا جائزہ	مولانا محمد اعظمی
۲-	ایمان بالرسل: ایک جائزہ	ڈاکٹر فضل الرحمٰن
۳-	سنت نبوی کی تدوین اوراس کا ارتقاء	احمد مجتبیٰ سلفی
۴-	میثاق مدینہ اورامن عالم	ڈاکٹر بدرالزماں محمد شفیع نیپالی
۵-	جامعہ سلفیہ اوراشاعت سنت نبویہ	مولانا عبدالوہاب حجازی
۶-	خطبۂ حجۃ الوداع: حقوق انسانی کا اسلامی منشور	مولانا فضل اللہ انصاری سلفی
۷-	مالی بدعنوانیوں کا انسداد اوراسلام	مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی
۸-	صلح حدیبیہ: حقائق ونتائج	مولانا رفیق احمد رئیس سلفی
۹-	غیرمسلموں کے حقوق احادیث نبویہ کی روشنی میں	مولانا عین الباری عالیاوی
۱۰-	اسلام اورامن عالم	شیخ ابوزید ضمیر
۱۱-	رحمۃ للعالمین	شیخ ابوزید ضمیر
۱۲-	انسانی حقوق اورسنت نبویہ	ڈاکٹر ارشد فہیم مدنی
۱۳-	نظام احتساب: سنت نبوی کی روشنی میں	عبدالمبین ندوی
۱۴-	سنت کا مفہوم اوراس کی حجیت	مولانا محمد جعفر انوارالحق الہندی
۱۵-	آپ ﷺ کے خلاف سازشیں اورآپ کا طرز عمل (واقعات اورحادثات کی روشنی میں)	مولانا اسلم مبارکپوری
۱۶-	اسلامی عدل کی ہمہ گیری	مولانا عبدالسمیع محمد ہارون انصاری سلفی
۱۷-	امن عالم کے قیام میں سنت نبوی کا کردار	مولانا سلمان ندوی
۱۸-	عصر حاضر میں سیرت نبوی کا تعارف اورہماری ذمہ داری	ڈاکٹر محمد عقیل
۱۹-	دینی مدارس کے بنیادی مقاصد اورامن عالم	مولانا نورالعین سلفی

نوٹ: واضح رہے کہ متعدد مقالہ نگاران نے سیمینار میں اپنا مقالہ پڑھا اور یہ وعدہ کیا کہ ہم مقالہ گھر جا کر بھیج دیں گے۔ادارہ محدث ان کے مقالوں کا ہنوز منتظر ہے اورموصول ہونے کی صورت میں محدث کے آئندہ شماروں میں شائع کیا جائے گا۔

انکارحدیث کا جائزہ

مولانا محمد اعظمی

انکارحدیث کا اگر تاریخی جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ عہد نبوی ہی میں اس کی تخم ریزی ہو چکی تھی، اور انفرادی مسئلہ کی شکل میں اس کی رونمائی ہوئی تھی، جیسا کہ حدیث صحیح میں مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کچھ سونا بھیجا، آپ ﷺ نے مہاجرین وانصار کو چھوڑ کر چار جدید اسلام نجدیوں میں ان کی تالیف قلب کے لباس سونے کو تقسیم فرمادیا، بنوتمیم کے ذوالخویصرہ نامی شخص نے کہا ''یا محمد'' وفی روایۃ ''یا رسول الله'' ''إعدل'' وفی روایۃ ''اتق الله'' اے محمد! اللہ سے ڈریں، مال تقسیم کرنے میں انصاف کریں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ نامراد، اگر میں انصاف نہیں کررہا ہوں تو پھر کون انصاف کرنے والا ہے؟ جب وہ جانے لگا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی نسل سے ایسے لوگ آئیں گے جو کتاب اللہ کو خوب مزین انداز میں زبان کو توڑ مروڑ کر پڑھیں گے، لیکن قرآن ان کی حلق سے نیچے نہیں اترے گا، یہ لوگ دین سے اس طرح خارج ہوجائیں گے جیسے تیر شکار کو چھید کر باہر نکل جاتا ہے، الحدیث۔

اس حدیث کے بعض طرق میں یہ بھی مروی ہے کہ مذکورہ صفات والے فرقہ کا ظہور وخروج اس وقت ہوگا جب مسلمان دوگروہوں میں منقسم ہوں گے، اور جوگروہ حق سے زیادہ قریب ہوگا وہ ان خوارج سے مسلح قتال کرکے ان کا قلع قمع کردے گا، چنانچہ جب حضرت علی اور حضرت معاویہ کے دور خلافت میں ان کا خروج ہوا تو حضرت علی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ انھوں نے فوج کشی کرکے ان کا خاتمہ کردیا، اور بے دینی کا فتنہ فرو ہوگیا۔

اس اسلام مخالف یا منکر سنت فرقہ کو تین ناموں سے یاد کیا جاتا ہے (۱) خوارج (۲) مارقہ (۳) حرورریہ یہ تینوں نام حدیثوں میں مذکور ہیں، اول الذکر دونوں نام ہم معنی ہیں، رہا حرورریہ تو یہ نام اس لیے دیا گیا کہ کوفہ کے قریب ''حروراء'' نام کا ایک قریہ ہے، اس فرقہ والوں کا پہلا اجتماعی مقام اوراڈہ یہی تھا، حرورریہ اسی کی طرف منسوب ہے۔

اس فرقہ کا نعرہ ''لا حكم إلا الله'' تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں کہا ''كلمة حق أريد به الباطل'' (یہ کلمۂ حق تو ہے مگر اسے باطل مقصد کے لیے استعمال کیا جارہا ہے) اس کی آڑ میں قرآن کریم کی تحریف معنوی اور سنت نبوی کی بیخ کنی مقصود ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ان کے عقائد واعمال سرتاپا دین مخالف اور سنت مطہرہ سے انکار کی ترجمانی کررہے تھے، انکارحدیث بعنوان ''لا حكم إلا الله'' کا یہ اولین فتنہ تھا جو اہل حق کی

تحریک جہاد سے دم توڑ گیا اور پہلی صدی ہجری اس فتنہ سے محفوظ ہوگئی۔

دوسری صدی ہجری کے آغاز میں فتنۂ انکار حدیث نے نئے رنگ و روغن میں ظاہر ہونا شروع کیا، ہشام بن عبدالملک کے زمانۂ حکومت میں ایک شخص جہم بن صفوان نمودار ہوا جو یونانی فلسفہ سے متاثر فکر رکھتا تھا، اللہ تعالیٰ کو مکمل طور پر منزّہ و پاک گردانتا اور اس کی ان تمام صفات کا انکار کرتا تھا جو قرآن وحدیث میں مذکور ہیں، اس معاملے میں اس قدر غلو سے کام لیتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے جہت وسمت مقرر کرنے کو شرک اور ید، قدم، وجہ، عین، ساق، نفس کی نسبت کو اس کی طرف کرنے کو ناجائز کہتا تھا۔

جہم بن صفوان نے اپنے اس نظریہ یا عقیدہ کو عقلی دلائل سے اس طرح پھیلانا شروع کیا کہ کچھ لوگ اس کے ہم خیال ہوتے گئے، اور اس کے نام کی نسبت سے ''جهمية'' کہلائے، اسی کے ساتھ مسئلہ تقدیر میں انسان کے مجبور محض ہونے کے قائل تھے، اس لیے ''جبريه'' سے بھی موسوم ہوئے۔

اسی زمانے میں ایک اور شخص ''واصل بن عطاء'' کا ظہور ہوا، یہ بھی عقلیات وفلسفیات کا پیرو تھا، شروع میں حضرت حسن بصری کی شاگردی میں رہا ایک مرتبہ مجلس درس میں کبائر کے مرتکب شخص کے مومن یا کافر ہونے کا مسئلہ کھڑا ہوا، مرجئہ کے نزدیک ایسا شخص مومن ہے، اس کے برعکس خوارج اس کو کافر اور مخلد فی النار ہونے کے قائل ہیں، حسن بصری کا خیال یہ تھا کہ مرتکب نہ مومن ہے نہ کافر، وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر ان کے حلقۂ درس سے الگ ایک گوشے میں جا بیٹھا، تو حسن بصری نے کہا ''اعتزل عنا'' وہ ہم سے الگ ہوگیا، پھر شدہ شدہ اس کے معتقدین کی ٹولی ''معتزله'' کے نام سے مشہور ہوگئی۔

اس فرقہ کے عقائد بالخصوص اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی نفی کرنے میں جہمیہ کے موافق ہیں، یہ لوگ اپنے کو اهل العدل والتوحيد کہتے تھے، اہل عدل اس لیے کہ عقیدۂ قدر کے مطابق ان کے نزدیک اللہ پر واجب ہے کہ فرماں بردار بندے کو ثواب دے، اور نافرمان کو اگر بے توبہ کئے مرگیا تو عذاب کرے، اسی طرح ان کے نزدیک انسان اپنے اعمال واقوال میں خود مختار ہے، اللہ تعالیٰ کا ان میں کوئی عمل دخل نہیں ہے، اگر انسانی اعمال اللہ تعالیٰ کے ارادہ و مشیت کے تابع ہوں تو انسانوں کو سزا دینا ظلم ہوگا، جس سے وہ ذات پاک ہے۔

''اہل توحید'' کا لفظ اپنے لیے اس معنی میں استعمال کرتے تھے کہ اللہ ایک ہے، اور ہر قسم کی صفات سے منزہ ہے، اگر اللہ کو اسماء وصفات کے ساتھ موسوم وموصوف مانا جائے تو شرک لازم آئے گا، توحید خالص باقی نہیں رہے گی،

اس لیے ان کے نزدیک اللہ کی صفات اس کی عین ذات ہیں۔

معتزلہ کے عقائد فاسدہ کی پُرشور لہر اس حد تک پہنچی کہ اس نے مسئلہ خلق قرآن کا سنگین فتنہ برپا کیا، عباسی دور کا فرماں روا مامون رشید، قرآن مخلوق ہونے کے عقیدہ میں اتنا متشدد تھا کہ قرآن کو غیر مخلوق کہنے والوں کو مشرک سمجھتا تھا، ان کو تہ تیغ کرتا، کوڑوں اور جیلوں میں قید و بند کی اذیت ناک سزاؤں سے دوچار کرتا، اس سلسلے میں امام احمد رحمہ اللہ کا دور ابتلا تاریخ اسلام کا سیاہ باب ہے۔

مختصر بات یہ کہ عباسی دور حکومت میں معتزلہ کے عقائد کی خوب نشر واشاعت ہوئی، اور جبری طور پر لوگوں کو ان کے عقائد فاسدہ کا قائل کیا جاتا اور ان کے منکر اہل حق کو قتل یا ظالمانہ سزاؤں کا تختۂ مشق بنایا جاتا تھا، لیکن مشہور مقولہ ہے۔ ع درد کا حد سے گذرنا ہے دوا ہو جانا

مسئلہ خلق قرآن میں عباسی خلیفہ واثق باللہ کی شدت پسندی کمزور ہوگئی، اور اس کے بعد اس کا بھائی خلیفہ متوکل علی اللہ تخت نشین ہوا تو معتزلہ اور اس کے عقائد بدعیہ سے کنارہ کشی اختیار کرلی، اس طرح فرقہ معتزلہ سوا سو سال زندگی گذار کر موت کی آغوش میں چلا گیا، پھر بھی جہمیہ اور معتزلہ میں اتنے فرقے پیدا ہوئے جو شمار سے بالا ہیں، اور مختلف ناموں اور متضاد نظریوں کے حامل ہونے کے ساتھ ایسے رنگ وروپ میں اپنا مشن چلاتے کہ مسلمانوں سے ان کی بدعقیدگی مستور رہے، انھیں میں سے ایک فرقہ نے اپنا نام ''صوفیہ'' رکھ کر انکار حدیث کے لیے یہ راہ نکالی کہ محدثین کو اصحاب الظواہر کے لقب سے تعبیر کرتے، اور لوگوں کو یہ تاثر دیتے کہ دین وشریعت کی حقیقت اور اس کی اصل روح تک ان کی رسائی نہیں ہے، یہ محدثین صرف ظاہری اعمال کو دین سمجھتے ہیں، اور ان کے اسرار ورموز سے ناآشنا ہوتے ہیں۔

الغرض جہمیہ ومعتزلہ اور ان سے متفرع سب فرقوں کے معتقدات اور نئے نئے نظریات عقل کے آفریدہ اور ذہن وماغ کے تراشیدہ کتاب وسنت سے ماورا ہوتے ہیں، ان فاسد نظریات کی پہلی ضرب احادیث وآثار پر پڑتی ہے، کیونکہ احادیث عقلی نظریات کو اسلامی عقائد میں داخل کرنے سے مانع ہوتی ہیں، اس لیے احادیث میں پہلے ذہنی شکوک وشبہات پیدا کرکے آحاد کو ظنی اور ناقابل اعتماد ہونے کا ہوّا کھڑا کیا جاتا ہے، اور عقلی دلائل سے انکار کرنے میں کوشش کی جاتی ہے، اب قرآن پر ہاتھ صاف کرنا ناگزیر ہوجاتا ہے، آیات کی ایسی پیچیدہ اور باطل تاویلیں کی جاتی ہیں جو عقلی نظریات سے ہم آہنگ ہوں۔

انکارحدیث کا پہلا دور دوسری صدی ہجری تک زندہ رہا، پھر کبھی کبھار جہمیہ ومعتزلہ کے نوزائیدہ فرق ضالہ اپنی بقا کی کچھ جھلکیاں دکھاتے رہے ہیں، لیکن اہل حق کے حملوں سے شکست خوردہ رہتے رہے، ایک طویل مدت کے بعد تیرہویں صدی ہجری میں انکارحدیث کے مسئلہ نے نئی کروٹ لی، اس کی نشأۃ ثانیہ کے لیے نیا دروازہ کھلا، پہلے دور میں غیر اسلامی نظریات یونانی فلسفہ سے مستعار تھے، اب حالات کافی بدل چکے تھے، مغربی افکار اور یورپ سے درآمد عقلی علوم وفنون، مسلم دانشوروں کی فکر ونظر پر اس طرح اثر انداز ہوئے کہ اسلامی علوم ترقی کی راہ میں رکاوٹ محسوس ہونے لگے، اس لیے زمانے کے بدلتے حالات کے ساتھ چلنے کے لیے ضروری سمجھا گیا کہ اسلام کے دوسرے اساسی منبع حدیث سے دامن چھڑالیا جائے، اس کو ظنی قرار دے کر اس کی حجیت سے انکار کی راہ ہموار کی جائے، پھر حالات کے مطابق قرآن کی ایسی توجیہ وتاویل کی جائے جو زمانے کے مناسب حال ہو، اور جدید عقلی نظریات کی مؤید ہو۔

اس جدید ترقی پسند دور کے قائد سرسید احمد خاں (۱۸۱۷-۱۸۹۸ء) تھے، مغرب کے تعلیم یافتہ اور مغربی افکار و نظریات سے سخت متاثر تھے، وہ چاہتے تھے کہ مغرب کے ایجاد کردہ علوم وفنون سے آراستہ ہوکر مسلمان ترقی کریں، اور اسلامی فکر وعمل کو عقل وتجربہ کی کسوٹی پر پرکھ کر رد وقبول کریں، اس مقصد کے لیے انھوں نے نیچرل سائنس کا نظریہ پیش کیا، اور مغربی افکار ونظریات کے تناظر میں قرآن کی ایسی تفسیر لکھی جس نے اسلام کے مسلمہ عقائد واعمال کو تار تار کرکے نیچرل بنادیا، اور اس پر خوارج کے قول ''لا حکم إلا الله'' کی طرح حضرت عمر کے قول ''حسبنا کتاب الله'' کو دلیل بنا کر انکارحدیث اور اثبات نیچرل سائنس کی مہر لگادی، ان کی تفسیر القرآن'' کے چند نمایاں نمونے یہ ہیں۔

۱-انبیاء علیہم السلام کے معجزات سے انکار۔

۲-خرق عادت امور سے انکار۔

۳-جنت وجہنم کے خارجی وجود سے انکار۔

۴-ملائکہ کے وجود خارجی سے انکار۔

۵-شیطان وجن کے خارجی وجود سے انکار۔

سرسید کے بعد ان کے ہمنوا مولوی چراغ علی نے ان کے افکار ومعتقدات کی کھیتی کو کھاد پانی دے کر زندہ رکھنے کی کوشش کی، پھر مزید کچھ حضرات نے تحریک انکارحدیث کو غذا پہنچانے کے لیے قلم آزمائی کی، ان میں مولوی عبداللہ

چکڑالوی، نیاز فتح پوری اور ڈاکٹر غلام جیلانی جیسے لوگ قابل ذکر ہیں، ان سب نے احادیث کا کلی طور پر انکار کر کے ''حسبنا کتاب الله'' کے قول وعمل میں اپنے ایمان واسلام کو محصور کر دیا، لیکن مشکل یہ پیش آئی کہ کتاب اللہ اسلام کی جزئیات اور طریقۂ عمل کے بیان سے خاموش تھا، احادیث حجت نہیں تھیں، ناچار اپنے عقلی غور وفکر کا سہارا لینا پڑا، لیکن کوئی مسئلہ حل نہیں ہوسکا، آپس میں شدید اختلاف، جنگ وجدل تک پہنچ گیا، نتیجہ میں ان کے بھی کئی فرقے بن گئے، صرف نماز کے مسئلہ میں اتنے اختلافات ہوئے کہ بعض فرقے صرف دو نمازیں پڑھتے تھے، بعض کہتے کہ قرآن میں تین نمازیوں کا ثبوت ملتا ہے، لہذا وہ تین ہی نمازیں پڑھتے، کچھ لوگ ہر رکعت میں دو سجدے کرتے اور کچھ ایک ہی سجدے پر اکتفا کرتے، یہ لوگ نماز کے قیام، رکوع، سجدہ اور جلسہ میں صرف قرآنی آیات ہی پڑھتے تھے، یہ اختلافات صرف نماز میں ہوئے، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ باقی ارکان واحکام میں رنگ برنگ اختلافات کس قدر ہوسکتے ہیں۔ (آئینہ پرویزیت، ص:۱۱۸)

مشہور منکرین حدیث میں عبداللہ چکڑالوی کا نام سرفہرست ہے، یہ پہلے اہلحدیث اور متبع سنت ہوا کرتے تھے، بعد میں حدیث سے انکار اس حد تک کیا کہ اسے شرک فی الکتاب قرار دینے لگے، اور ایک فرقہ الگ فرقہ ''اھل القرآن'' کے نام سے بنالیا۔ (ایضا، ص:۱۱۹)

مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ''چودھویں صدی میں مولوی عبداللہ چکڑالوی پہلے شخص ہیں جنہوں نے علوم سنت کی کھلی مخالفت کی، انھیں رسولوں کی اطاعت کا ذکر کھٹکتا رہا، انھوں نے رسول کے معنی قرآن کر کے اس اطاعت سے مخلصی چاہی''۔ (حجیت حدیث، ص:۲۲)

مشہور ادیب وصحافی ''نیاز فتح پوری'' (۱۸۷۷-۱۹۶۶ء) کئی کتابوں کے مصنف ومترجم تھے، اور ''نگار'' کے نام سے اپنا ایک رسالہ بھی جاری کئے ہوئے تھے، ان پر فلسفہ اور عقلیت کا رنگ اس حد تک غالب تھا کہ وہ صرف منکر حدیث ہی نہیں بلکہ منکر اسلام وقرآن بھی ہوگئے تھے، تمام منکرین حدیث میں ان کی امتیازی پوزیشن یہ ہے کہ وہ قرآن کو نہ اللہ کا کلام سمجھتے تھے اور نہ منزّل من اللہ مانتے تھے، ان کے نزدیک قرآن ایک انسان کا کلام ہے، اپنے اس نظریہ کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

''کلام مجید کو نہ میں کلام خداوندی سمجھتا ہوں اور نہ الہام ربانی، بلکہ ایک انسان کا کلام جانتا ہوں، اور اس مسئلہ پر میں اس سے قبل کئی بار مفصل گفتگو کر چکا ہوں''۔ (آئینہ پرویزیت، ص:۱۲۱)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے بارے میں ان کی فکر ونظر نے کفر والحاد کے ایسے گل کھلائے کہ علمائے وقت نے ان پر کفر والحاد کا فتوی صادر کر دیا تھا۔

انکار حدیث کے اس دوسرے دور کا اختتام ایک معروف شخصیت حافظ اسلم جیراجپوری سے وابستہ ہے، ان کا مختصر تعارف یہ ہے کہ ان کے والد مولانا سلامت اللہ، جیراج پور، اعظم گڑھ یوپی، ایک جید عالم اہلحدیث تھے، حضرت میاں نذیر حسین محدث دہلوی اور شیخ حسین بن محسن عرب یمنی رحمہما اللہ کے تلمیذ رشید تھے، ان دونوں نابغۂ روزگار محدثین سے حدیث کی کتابیں پڑھیں اور اجازہ خاصہ وعامہ سے سرفراز ہوئے۔

حافظ اسلم اپنے والد مولانا سلامت اللہ کے اکلوتے لڑکے تھے، تعلیم سے فراغت کے بعد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں کچھ عرصہ تک لکچرار رہے، پھر جامعہ ملیہ دہلی میں تاریخ اسلام کے استاذ مقرر ہوئے، چند کتابوں کے مصنف بھی تھے، اوائل عمر میں سلسلۂ اہلحدیث سے منسلک رہے، بعد میں یہ سلسلہ ختم ہوگیا، اور منکرین حدیث میں شامل ہوگئے، ان میں ان کا مقام بلند رہا، لیکن انکار حدیث کے اظہار وتعبیر میں شائستگی اور نرمی ملحوظ رکھتے تھے۔

ان کا نظریہ تھا کہ انسان کی ہدایت کے لیے قرآن کافی ہے، حدیث کی ضرورت نہیں، کیونکہ احادیث کا تعلق دین وشریعت سے نہیں ہے، بلکہ وہ دین کی تاریخ ہیں، اس پر استدلال آیت ﴿الیوم أکملت لکم دینکم﴾ بایں الفاظ کیا ہے۔

''اس تکمیل کے بعد اب دین میں کیا کمی رہ گئی جو روایتوں سے پوری کی جائے؟ اس لیے روایتوں کی جگہ اپنی تاریخ کی الماری ہے، ان سے تاریخی اور علمی فائدے حاصل کیے جاسکتے ہیں، اور فقہ اسلامی یعنی قوانین وضوابط کے استنباط میں کام لیا جاسکتا ہے، حدیثوں میں آں حضرت ﷺ کے اقوال، اعمال اور احوال بیان کئے گئے ہیں، اسی کا نام تاریخ ہے۔ (آئینہ پرویزیت، ص:۱۲۶، منقول از طلوع اسلام ستمبر، ۱۹۵۵ء)

دین وشریعت کے معاملے میں احادیث کی حجیت سے انکار کے باوجود طرہ یہ تھا کہ اپنے آپ کو منکر حدیث نہیں کہلاتے تھے، چنانچہ مولانا محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

''میرے ہفت روزہ ''الاعتصام'' کے زمانۂ ادارت میں ان (حافظ اسلم) کا ایک طویل خط مجھے آیا تھا، میں نے کئی مضمون میں انھیں منکر حدیث لکھا تھا، یہ خط میرے اسی قسم کے الفاظ کا جواب تھا، انھوں نے اس سے انکار کیا تھا کہ ان کا تعلق منکرین حدیث سے ہے، لیکن انکار سے کیا ہوتا ہے، معاملہ وہی تھا جو بیان کر دیا گیا''۔ (گلستان

حدیث،ص:۱۰۸)

چودھویں صدی ہجری کے متاخرین منکرین حدیث میں غلام احمد پرویز کی شان قائداعظم جیسی تھی، حافظ اسلم جیراج پوری کے شیدائی اور فیض یافتہ تھے، علامہ اقبال کی وفات کے بعد ان کی یادگار میں سید نذیر نیازی نے ایک ماہنامہ بنام ''طلوع اسلام'' جاری کیا، تھوڑے عرصہ کے بعد پرویز صاحب نے اس کی سرپرستی سنبھال لی، اور اقبالیات کے علاوہ بتدریج اس پرچہ کو اپنے افکار ونظریات کی نشرواشاعت کا ذریعہ بنالیا، ۱۹۴۷ء میں پاکستان بنا تو دھلی سے کراچی منتقل ہوگئے، اور اس پرچہ کو صرف اپنے افکار مخترعہ کی اشاعت کے لیے خاص کرلیا، اس طرح یہ پرچہ پرویز صاحب، ان کے ہمنواؤں اور دوسرے منکرین حدیث کا آرگن بن کر منظر عام پر آنے لگا، اور ایک ادارہ کی شکل اختیار کرلی، پرویز صاحب اپنے پیش رو منکرین حدیث کے افکار وعقائد سے سوائے چند فروعی مسائل پوری طرح متفق تھے، بلکہ اپنے اسلاف بالخصوص معتزلہ سے غایت درجہ عقیدت رکھتے تھے، فرماتے ہیں:

''اگر مسلک اعتزال باقی رہتا، تو یہ جمود وتعطل جو آج مسلمانوں میں نظر آرہا ہے، وجود میں نہ آتا، اور علم وفکر کی دنیا میں آج ایسے مقام پر کھڑے ہوتے جہاں ان کا کوئی مقابل نہ ہوتا''۔ (آئینہ پرویزیت،ص:۱۲۸، منقول از طلوع اسلام،ص:۳۰، جولائی ۱۹۵۵ء)

ادارہ طلوع اسلام، سرسید احمد کے کارناموں سے اس قدر متاثر تھا کہ ان کی مدح وتحسین میں ''پاکستان کے معمار اول'' کے نام سے کتاب بھی شائع کی تھی، اسی کتاب کے مؤلف ص:۷۷ پر یوں رقم طراز ہیں:

''سرسید نے صدیوں کے جمود کی سلوں کو توڑا، اور آنے والوں کے لیے فکر وتدبر کا راستہ صاف کیا، یہ کارنامہ اتنا بڑا ہے کہ اس کے بعد آنے والے قرآنی فکر میں کتنا ہی کیوں نہ آگے بڑھ جائیں، اس سابق اول کے احسان سے سبکدوش نہیں ہوسکتے''۔ (ایضا)

پرویز صاحب نے حافظ اسلم سمیت اپنے اکابر منکرین حدیث کی شان میں جا بجا مدح وتحسین کی ہے، لیکن خود انھوں نے صرف انکار حدیث اور تاویلات قرآن کے فن میں ہنر آزمائی کرنے پر اکتفا نہیں کیا ہے، بلکہ اپنے اسلاف کے معتقدات ونظریات میں کئی نئے اضافے کئے ہیں، اس کے چند نمونے یہ ہیں۔

روسی کمیونزم ان کا پسندیدہ نظریہ رہا، اللہ کا انکار تو نہیں کرتے تھے، لیکن کمیونزم کے معاشی نظام کی تائید میں

''قرآنی نظام ربوبیت'' کے نام سے کتاب لکھ کر قرآنی کمیونزم کا نظریہ پیش کیا، اس میں قرآن سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جس طرح روسی کمیونزم جائداد منقولہ وغیر منقولہ کے انفرادی حق ملکیت کا منکر ہے، اسی طرح اسلام کا نطقۂ نظر بھی ہے۔

نظریہ مرکز ملت:

اس کا پس منظر یہ ہے کہ منکرین حدیث نے جب حدیث کا انکار کر دیا تو قرآن کے احکام پر عمل کے طور طریقے کا مسئلہ ان کے لیے سوہان روح بنا ہوا تھا، انکار سنت تک تو ان سب کی راہ ایک تھی، مگر آگے چل کر کئی راہیں پیدا ہوگئیں، اور یہ لوگ کسی ایک مسئلہ میں متحد نہ ہو سکے، انتشار کا شکار ہو گئے، بالآخر حافظ اسلم جیرج پوری نے اپنی امت کے سامنے ''مرکز ملت'' کا تصور پیش کیا، حافظ صاحب اس تصور کے موجد تو ہو گئے، لیکن اس کو عملی جامہ پہنانے کی کوئی صورت ممکن نہ ہو سکی، اس نظریہ کی وضاحت اس طرح کی ہے۔

''امام وقت کے ذریعہ امت کا انتظام، اس کو قرآن کے مطابق چلانا، اس کی شیرازہ بندی، ان کے باہمی قضایا کے فیصلے، تدبیر مہمات اور جنگ وصلح جیسے اجتماعی امور میں ان کی قیادت اور قائم مقامی.....''

مرکز ملت کی تشکیل کے بارے میں لکھتے ہیں:

''دین کی ضروریات، قرآن کی اتباع اور امام وقت کی اطاعت سے پوری ہوتی ہیں، امام کے ساتھ منتخب افراد ہوں گے، جن کی مشاورت سے وہ اس کو حسب اقتضائے زمانہ قرآن کے مطابق چلائے گا، اور اس میں وحدت مرکزی قائم رکھے گا، اور متفرق نہ ہونے دے گا'' (اقتباس از آئینہ پرویزت، ص: ۲۴۰، ۲۴۱)

ایجاد کردہ یا مزعومہ مرکز ملت کو خارجی وجود میں لانے کے لیے غلام احمد پرویز نے ماہنامہ طلوع اسلام کو بطور ہتھیار استعمال کیا، خوب پبلسٹی کی، کچھ ریٹائرڈ کلرکوں کی ملی بھگت سے شریعت سازی کا یہ کارخانہ مرکز ملت کے نام سے کراچی میں قائم ہوا، لیکن ملت کی مشکلات حل نہیں کر سکا، اور باہمی اختلاف وانتشار کا شکار ہو کر رہ گیا۔

عجمی سازش کی تہمت:

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ حافظ اسلم احادیث کو اسلامی تاریخ سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے، اس لیے ان کے نزدیک احادیث نا قابل حجت ہیں، پھر بقول مولانا محمد اسماعیل سلفی ''ادارہ طلوع اسلام اور حافظ اسلم نے یہ انکشاف کیا

کہ ذخیرۂ احادیث عجمی بالخصوص ایرانی علماء کی سازش کا نتیجہ ہے، اس نظریہ کو غلام احمد پرویز نے پروان چڑھایا''۔

اس سازش کا آغاز یوں بیان کیا جاتا ہے کہ اہل ایران جب سیاسی میدان میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے مات کھا گئے، تو انھوں نے مسلمانوں سے انتقام لینے کی ٹھانی، کھلے میدان میں تو وہ مسلمانوں سے مقابلہ کی تاب نہیں رکھتے تھے، لہذا زیرزمیں سازشوں کا سلسلہ شروع ہوا، اب ان سازشوں کے یہاں اس بات کے سوا کوئی چارۂ کار نہ رہا کہ مسلمانوں کے بنیادی عقائد میں رخنہ اندازی کرکے ان کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا جائے، سازشی یہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کی قوت وطاقت کا اصل منبع قرآن ہے، لہذ مسلمانوں کو قرآن سے دور رکھنے کے لیے انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے اقوال یا احادیث کی اہمیت وحجیت اور ضرورت پر زور دینا شروع کیا کہ احادیث بھی دین کا حصہ ہیں، اور جب مسلمانوں میں یہ بات پختہ ہوگئی تو دوسرا اقدام انھوں نے یہ کیا کہ بہت سی موضوعات کو صحیح احادیث مشہور کرکے اس حصہ کو دین میں شامل کر دیا، جب یہ دونوں کام سرانجام پا گئے تو اسلام ''دین'' نہ رہا، بلکہ مذہب میں تبدیل ہوگیا، اور سازشی اپنے پروگرام میں کامیاب ہوگئے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ صحاح ستہ کے تمام محدثین ایرانی ہیں، اس طرح تمام دنیائے اسلام میں یہی حدیثی اسلام یا عجمی اسلام رائج ہوگیا، اب ہر سال سے ملت اسلامیہ اسی حدیثی اسلام کو جو تیسری صدی میں معرض وجود میں آیا تھا، سینے سے لگائے پھرتی ہے، اور یہی حدیثی یا عجمی اسلام امت کے زوال کا سب سے بڑا اور حقیقی سبب ہے''۔ (آئینہ پرویزیت، ص:۱۵۶، منقول از اسباب زوال امت ومقام حدیث)

یہ ہے پرویز صاحب یا ان کے ادارہ طلوع اسلام کے مکروفریب، تاریخ سازی اور جھوٹ سے بھری ہوئی سب سے بڑی عقلی دلیل جو عجمی سازش کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہے، محدثین پر اس تہمت کو پرویز صاحب نے اپنی مطبوعات میں خوب اچھالا ہے۔

مولانا محمد اسماعیل سلفی نے ''حجیت حدیث'' میں اور مولانا عبدالرحمٰن کیلانی نے آئینہ پرویزیت میں صحیح واقعات کے حوالے سے ان کا تفصیلی مدلل منہ توڑ جواب دیا ہے، جزاهما الله خيرا الجزاء۔

☆☆☆

ایمان بالرسل: ایک جائزہ

ڈاکٹر فضل الرحمٰن/ مالیگاؤں

الحمدلله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين محمدو على آله وصحبه و أجمعين ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، وبعد:

محترم صدر اجلاس! معزز سامعین کرام! آج کے اس سیمینار میں میرے مقالہ کا عنوان ہے ''ایمان بالرسل: ایک جائزہ''

معزز حاضرین! تمام انس وجن کی تخلیق اللہ نے اصلاً اپنی عبادت کے لیے کی ہے، ارشاد باری ہے: ﴿وما خلقت الجن و الانس إلا ليعبدون﴾ (الذاریات:۵۶) میں نے تمام انس وجن کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

ہر بچہ اگر چہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے مگر کفر وشرک کی نجاستوں سے آلودہ ماحول وسماج اور پھر شیطان کے بہکاوے میں آکر عموماوہ توحید خالص، تقوی وپرہیز گاری اور اطاعت الٰہی کی راہ سے بھٹک جاتا ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ہے: ''كل مولود يولد على الفطرة فابواه يهودانه أو ينصرانه أو يمجسانه'' اس واسطے اللہ رب العالمین نے اپنے فضل وکرم سے ان کی ہدایت ورہنمائی کے لیے اپنے رسولوں کو مبعوث فرمایا تا کہ ان پر اللہ کی طرف سے حجت قائم ہوجائے اور روز قیامت کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہمارے پاس کوئی ڈرانے والے اور رہنمائی کرنے والا نہیں آیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ رسلا مبشرين و منذرين لئلا يكون للناس على الله حجة بعد الرسل﴾ (النساء:۱۶۴) یعنی ایمان واطاعت پر خوشخبری دینے والے اور شرک وکفر اور معصیت پر عذاب جہنم سے ڈرنے والے رسول بھیجے تا کہ لوگوں کے لیے ان رسولوں کے بعد اللہ پر کوئی حجت نہ رہ جائے۔

نیز انسان کتنا ہی عقلمند کیوں نہ ہو اور سائنس وٹکنالوجی میں وہ کتنی ہی ترقی کیوں نہ کرے اس کے لیے یہ ممکن نہیں کہ صرف اپنی عقل ودانش سے اللہ تعالیٰ کے تمام حقوق واجبہ، اس کے اسماء حسنی اور صفات کاملہ کا ادراک کر سکے، اور اس کی عبادات کی تفصیلات اور اطاعت کے طریقوں، اسی طرح تمام مباحات ومحرمات وغیرہ کی تفصیلات کو جان سکے۔

اس واسطے اللہ جل شانہ نے اپنے فضل وکرم سے رسولوں کو مبعوث فرمایا جنہوں نے اللہ کی ذات اس کے اسماء وصفات، عظمت وقدرت پر مفصل روشنی ڈالی، اس کے حقوق اور احکام بتلائے، عبادات وعقائد کے مسائل پر تفصیلی

روشنی ڈالی، اخلاق حسنہ کی تعلیم دی اور اسلامی زندگی گذارنے کا طریقہ بتایا۔

''سنت نبوی اور امن عالم'' کے موضوع پر اس عالمی کانفرنس میں میرے مقالہ کا عنوان ''ایمان بالرسل: ایک جائزہ'' رکھا گیا، غالباً دونوں میں مناسبت یہ ہے کہ تمام انبیاء ورسل علیہم السلام کی بعثت دراصل بندوں کا اللہ تعالیٰ سے تعلق توحید وعبادت کے ذریعہ جوڑنے اور پھر تمام انسانوں کو اخوت ومحبت کی سنہری لڑی میں پروکر پوری دنیا سے ظلم و تعدی کو ختم کرنے اور انھیں دنیا وآخرت میں امن عطا کرنے کے لیے ہوتی تھی۔ چنانچہ انبیاء کرام کی تعلیمات کا اگر آپ جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ انھوں نے اپنی قوم کو ایمان وعمل صالح، محبت واخوت، عدل وانصاف اور امن وشانتی کی دعوت دی ہے، اور دنیا کی تمام قوموں کو مل جل کر رہنے اور ایک دوسرے کو کم ازکم اپنا انسانی بھائی سمجھنے کی تعلیم دی ہے، اور عقیدہ وایمان کے معاملہ میں بھی رواداری سے کام لینے اور اکراہ وزبردستی سے اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور ﴿لا إكراه فى الدين قد تبين الرشد من الغى﴾ (البقرۃ:۲۵۶) کی تعلیم دی ہے۔

خاص طور سے دین اسلام نے تو ایمان بالرسل کے سلسلہ میں ایسا موقف اختیار کیا ہے کہ اگر تمام ادیان کے ماننے والے اس موقف کو تسلیم کرلیں تو دنیا سے بہت سارے اختلافات ونزاعات اور فتنہ وفساد ویسے ہی ختم ہوجائیں گے۔ کیونکہ دین اسلام نے تمام ہی رسولوں پر ایمان لانے اور ان کے احترام ومحبت کو واجب اور ارکان ایمان میں سے ایک اہم رکن قرار دیا ہے، اور اسلامی نقطۂ نظر سے اس کے بغیر کوئی سچا پکا مومن ہو ہی نہیں سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إن الذين يكفرون بالله و رسله و يريدون أن يفرقوا بين الله و رسله و يقولون نومن ببعض و نكفر ببعض، و يريدون أن يتخذوا بين ذلك سبيلا۔ اولئك هم الكافرون حقا۔ واعتدنا للكافرين عذاب مهينا۔ والذين آمنوا بالله ورسله ولم يفرقوا بين أحد منهم اولئك سوف يؤتيهم الله أجورهم﴾ (النساء:۱۵۰)

جولوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے مابین فرق کریں اور کہتے ہیں کہ بعض پر ہم ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ ان کے درمیان ایک راستہ نکالیں یہ لوگ حقیقت میں کافر ہیں، اور کافروں کے لیے ہم نے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور ان میں کسی کے مابین تفریق نہیں کی ان کو عنقریب اللہ ان کا اجر عطا فرمائے گا۔

ان آیات میں رسولوں میں تفریق کرنے والوں اور ان میں سے بعض پر ایمان لانے اور بعض کا انکار کرنے

والوں کو اللہ تعالیٰ نے کافر قرار دیا اور ان کے لیے رسوا کن عذاب کی وعید سنائی ہے۔ اس کے برخلاف جو لوگ اللہ اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لائے اور ان میں سے کسی کے مابین تفریق نہیں کی انھیں اجر وثواب دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔

چنانچہ اسی عقیدہ کی بنا پر مسلمان تمام رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں، ان سے محبت اور ان کی عزت اور احترام کرتے ہیں اور میرے علم کے مطابق آج تک انھوں نے کسی بھی نبی برحق کی شان میں گستاخی نہیں کی ہے، نہ کسی کو دہشت گرد وغیرہ کہا ہے اور نہ ان کے آل واز واج پر الزام تراشی کی ہے۔ اور اگر کسی نے جذبات میں آکر جواباً کچھ کہا ہو تو اسلامی نقطۂ نظر سے وہ بھی غلط ہے۔

اگر آج دنیا کی تمام قومیں اور مختلف ادیان و مذاہب کے ماننے والے اس عقیدہ کو تسلیم کرلیں اور اس کو اپنے ایمان کا جزو بنالیں تو جو آج مختلف ممالک میں خاتم الانبیاء والرسل حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جو رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث کئے گئے تھے اور بعض دیگر انبیاء کی شان میں گستاخیاں کی جارہی ہیں ان کے کارٹون بنائے جارہے ہیں ان پر دہشت گردی وغیرہ کے جھوٹے الزامات لگائے جارہے ہیں۔ اور پھر اس کی وجہ سے ہنگامے اور فسادات ہوتے اور بین المذاہب عداوت و کدورت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں ان کا خاتمہ ہوجائے اور دنیا کو ان فسادات و آفات سے نجات اور امن امان مل جائے۔

اسی طرح حدیث جبرئیل میں بھی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جو انسانی شکل میں آئے تھے جب رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: ''ما الإیمان'' ایمان کیا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' أن تؤمن بالله و ملائکته و کتبه و رسله والیوم الآخر والقدر خیره و شره''۔ ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، یوم آخرت پر اور تقدیر پر ایمان رکھو۔

اس میں رسول اللہ ﷺ نے ایمان بالرسل کو ارکان ایمان میں سے ایک اہم رکن قرار دیا ہے۔

رسل سے مراد:

رسل جمع ہے رسول کی، جو مرسل کے معنی میں ہے، اور رسول کے معنی ہیں قاصد، پیغامبر، فرستادہ۔

اور اصطلاح شرع میں ان سے مراد وہ معزز شخصیات ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی اور انھیں اپنا پیغام اور دین وشریعت دے کر بندوں تک پہونچانے کا حکم دیا اور مکلّف کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں کوئی نہ کوئی رسول یا نبی ضرور مبعوث فرمایا ہے، ارشاد الٰہی ہے: ﴿ولقد بعثنا فی کل امة رسولا أن اعبدوا الله واجتنبوا

الطاغوت﴾ (النحل: ۳۷) ہم نے ہر قوم میں ایک رسول یہ حکم دے کر بھیجا کہ اللہ کی ہی عبادت کرو، اور طاغوت سے اجتناب کرو۔ ایک دوسری جگہ فرمایا: ﴿و إن من أمة إلا خلا فيها نذير﴾ ہر امت میں ایک ڈرانے والا ضرور گذرا ہے۔ نیز فرمایا: ﴿إنا أنزلنا التوراة فيها هدى و نور يحكم بها النبيون الذين اسلموا للذين هادوا﴾ (المائدۃ: ۴۴) ہم نے تورات نازل فرمایا، جس میں ہدایت کی باتیں اور روشنی ہے، اس کے ذریعہ وہ انبیاء جو اسلام لائے یہودیوں کے فیصلے کرتے ہیں۔ اس میں انبیاء بنی اسرائیل کا تذکرہ ہے جن کو مستقل شریعت نہیں دی گئی تھی بلکہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی شریعت کی تجدید اور تورات کے ذریعہ ان کے درمیان فیصلے کرتے تھے۔

سب سے پہلے رسول:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آدم اور نوح علیہما السلام کے درمیان دس صدیاں ہیں جن میں تمام لوگ دین حق پر قائم تھے، پھر ان میں اختلاف اور تفرقہ پیدا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو بشیر و نذیر بنا کر مبعوث فرمایا۔ (جامع البیان: ۲/۳۳۴، الدر المنثور: ۱/۵۸۲)

اس اختلاف کے بعد سب سے پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام ہیں، اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: ﴿إنا أوحينا إليك كما أوحينا إلى نوح والنبين بعده﴾ [النساء: ٦٣] ہم نے آپ کے پاس وحی بھیجی جیسا کہ نوحؑ اور ان کے بعد کے نبیوں کے پاس وحی بھیجی تھی۔ اس میں حضرت نوح اور ان کے بعد کے نبیوں کا تذکرہ کیا۔ پہلے کسی نبی کا نہیں، جس سے معلوم ہوا کہ وہ پہلے رسول ہیں۔

اور صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث شفاعت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس یہ درخواست لے کر جائیں گے کہ آپ ان کے لیے سفارش کریں تو وہ ان سے معذرت کرتے ہوئے فرمائیں گے: ''ائتوا نوحا أول رسول بعثه الله'' نوح کے پاس جاؤ جو اللہ کے مبعوث کردہ سب سے پہلے رسول ہیں۔

ان سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔

سب سے آخری نبی:

سب سے آخری نبی ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ ما كان محمد أبا أحد من رجالكم و لكن رسول الله و خاتم النبين﴾ [الاحزاب: ٤٠] محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، ہاں وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبین ہیں۔

اس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے خاتم النبین ہونے کی صراحت کی ہے۔اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:'' انه سيكون بعدى كذابون ثلاثون كلهم يدعى أنه نبي، و أنا خاتم النبين ولا نبي بعدي ''(رواہ احمد وابوداؤد والترمذی وقال: حدیث حسن صحیح)

عنقریب میرے بعد تیس جھوٹے نبی ہوں گے، ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے، حالانکہ میں خاتم النبین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

اور ایک حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:''ألا ترضى أن تكون منى بمنزلة هارون من موسى إلا أنه لا نبي بعدي ''متفق علیہ۔

کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ مجھ سے تمہارا درجہ وہی ہے جو ہارون (علیہ السلام) کا موسیٰ (علیہ السلام) سے تھا۔سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

اسی طرح دجال والی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''و أنا خاتم النبين، لا نبى بعدى ''(رواہ احمد والترمزی وقال: ھذا احدیث حسن صحیح) میں خاتم النبین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

ان تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ خاتم النبین ہیں اور آپ کے بعد جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ جھوٹا ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ کے خاتم النبین ہونے کے عقیدہ سے آپ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والے تمام لوگوں کا جھوٹ اور ان کے دعویٔ نبوت ورسالت کا بطلان واضح ہوجاتا ہے اور اس سے ایک اصول مل جاتا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے، خواہ غلام احمد قادیانی ہو یا کوئی اور۔

رسولوں پر ایمان لانے کا مطلب:

رسولوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ:

۱- یہ ایمان اور عقیدہ رکھا جائے کہ ان کا اللہ کی جانب سے رسول ہونا برحق ہے اور جو شخص ان میں سے ایک رسول کی بھی رسالت کا انکار کرے گا وہ کافر اور سارے رسولوں کا منکر مانا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿كذبت قوم نوح المرسلين﴾ (الشعراء: ۱۰۵) قوم نوح نے رسولوں کی تکذیب کی۔اس میں اللہ تعالیٰ نے انھیں رسولوں کا جھٹلانے والا قرار دیا ہے، حالانکہ جس وقت انھوں نے نوح علیہ السلام کی تکذیب کی ان کے سوا کوئی اور رسول تھا ہی نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ نصاری وغیرہ جو محمد ﷺ کی رسالت کی تکذیب اور انکار کرتے ہیں وہ حضرت عیسی علیہ السلام وغیرہ رسولوں کی بھی تکذیب کرتے ہیں۔ خاص طور سے جب کہ ان انبیاء علیہم السلام نے آپ کی آمد کی بشارت دی ہے کیونکہ ان کے آپ کی آمد کی بشارت دینے کا مطلب ہے کہ آپ نبی برحق ہوں گے، اور لوگوں کو ضلالت سے نکال کر ہدایت اور صراط مستقیم کی طرف لے جائیں گے، اور تم لوگ ان پر ایمان لانا اور ان کی اتباع کرنا۔

۲-ان کے اوپر ایمان لانے میں یہ بھی داخل ہے کہ جن کے نام، تعارف اور کچھ کارنامے قرآن کریم اور احادیث نبویہ صحیحہ میں وارد ہیں جیسے حضرت محمد ﷺ، حضرت موسیٰ، حضرت نوحؑ، اور ابراہیمؑ وغیرہم ان کے نام کی تفصیل کے ساتھ ان پر ایمان رکھا جائے، اور جن کے اسماء گرامی معلوم نہیں ہیں ان پر اجمالی طور پر ایمان رکھا جائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ولقد أرسلنا رسلاً من قبلك، منهم من قصصنا عليك و منهم من لم نقصص عليك﴾ ہم نے آپ سے قبل بہت سے رسول بھیجے ہیں، ان میں سے بعض کے واقعات ہم نے آپ سے بیان کئے ہیں اور بعض کے واقعات بیان نہیں کئے ہیں۔

۳-ان پر ایمان میں یہ بھی داخل ہے کہ ان کے جو احوال واخبار کتاب وسنت سے ثابت ہیں ان کی تصدیق کی جائے۔

۴-ان میں سے جن کی بعثت ہم لوگوں کی طرف ہوئی ہے یعنی خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ ان کی شریعت پر عمل کیا جائے، ان کے اقوال، افعال اور سیرت کو اپنے لیے اسوہ بنایا جائے۔ ﴿لقد كان لكم فى رسول الله اسوة حسنة﴾ [الاحزاب: ۲۱] عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاقیات وغیرہ میں آپ کی اتباع کی جائے ﴿وما اتاكم الرسول فخذوه و ما نهكم عنه فانتهوا﴾ [الحشر: ۷] ﴿قل إن كنتم تحبون الله فاتبعونى يحببكم الله و يغفرلكم ذنوبكم﴾ [آل عمران: ۳۱] ان کی مخالفت سے احتراز کیا جائے کیونکہ یہ عذاب الٰہی کا موجب ہے ﴿فليحذر الذين يخالفون عن أمره أن تصيبهم فتنة أو يصيبهم عذاب أليم﴾ [التوبة: ٦٣]

نزاع اور اختلاف کی صورت میں آپ کے فیصلہ کو قطعی مانا جائے اور اس کے سامنے فوراً سر تسلیم خم کر دیا جائے۔ ﴿فإن تنازعتم فى شئ فردوه إلى الله والرسول﴾ [النساء: ٩٥]

کیونکہ اس کے بغیر حقیقی مومن نہیں ہو سکتے۔ ﴿فلا و ربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا فى أنفسهم حرجا مما قضيت و يسلموا تسليما﴾ [النساء: ٦٥]

اس کے بغیر کسی کو جنت میں داخلہ نہیں ملے گا۔''كل أمتي يدخلون الجنة إلا من أبى، قيل: ومن أبى يا رسول الله! قال من أطاعني دخل الجنة و من عصاني فقد أبى۔'' رواه البخاري۔

آپ کی محبت کو ساری محبتوں پر ترجیح دی جائے ﴿لا يؤمن أحدكم حتى أكون أحب إليه من والده و ولده والناس أجمعين﴾

تمام انبیاء کی دعوت توحید اور اصل عبادت میں ایک تھی:

اس کی مجمل و مفصل دونوں طرح کی بہت سی دلیلیں ہیں۔ مثلاً مجمل دلیلوں میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ﴿ولقد بعثنا في كل أمة رسول أن اعبدوا الله واجتنبوا الطاغوت﴾ [النحل: ٣٦] اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول کو یہ حکم دے کر بھیجا ہے کہ تم لوگ اللہ ہی کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچتے رہو۔ نیز فرمایا: ﴿و ما أرسلنا من قبلك من رسول إلا نوحي إليه أنه لا إله إلا أنا فاعبدون﴾ [الانبياء: ٢٥] ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسولوں کو بھیجا یہی حکم دے کر بھیجا کہ میرے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں، اس لیے میری ہی عبادت کرو۔

اور مفصل دلیلوں میں سے فرمان الٰہی ﴿ولقد أرسلنا نوحا إلى قومه فقال يا قوم اعبدوا الله مالكم من إله غيره﴾ [المومنون: ٢٣] ہم نے نوح کو ان کی قوم کے پاس بھیجا تو انھوں نے کہا: اے میری قوم! تم صرف اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود برحق نہیں۔ نیز فرمایا: ﴿و إلى ثمود أخاهم صالحًا قال: يا قوم اعبدوا الله مالكم من إله غيره﴾ [هود: ٦١] ہم نے قوم ثمود کے پاس ان کے بھائی صالح کو بھیجا، انھوں نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود برحق نہیں۔ اسی طرح حضرت ہود، شعیب، ابراہیم اور موسیٰ علیہم السلام کے بارے میں قرآن میں ہے کہ انھوں نے اپنی قوموں سے فرمایا کہ تمہارا معبود حقیقی صرف اللہ ہے، اس واسطے تم اسی کی عبادت کرو اور کسی اور کی عبادت نہ کرو۔

ہر نبی کی شریعت یعنی حلال وحرام میں کچھ فرق ہے:

اگر چہ توحید کے سلسلے میں سب کی دعوت ایک تھی لیکن ان کی شریعتوں میں حلال وحرام اور امر و نہی میں کچھ فرق اور اختلاف تھا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ ولكل جعلنا منكم شرعة و منهاجا، و لوشاء الله لجعلكم أمة واحدة ولكن ليبلوكم فيما أتاكم فاستبقوا الخيرات﴾ [المائده: ٤٨] تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے الگ الگ شریعت اور طریقے بنائے، اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا لیکن وہ تمہارا امتحان

لینا چاہتا ہے اس میں جو اس نے تم کو دیا ہے، اس واسطے خیر کے کاموں میں سبقت کرو۔

ترجمان القرآن حضرت ابن عباسؓ نے ''شرعة و منهاجا'' کی تفسیر ''طریقہ اور راستہ'' سے کیا ہے اور یہی تفسیر مجاہد، عکرمہ حسن بصری، قتادہ، ضحاک، سدی اور ابو اسحاق سبیعی سے بھی منقول ہے۔ (انظر تفسیر الطبری: ۶/۲۷۱، الدر المنثور: ۳/۹۶)

اور صحیح بخاری میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''الانبياء إخوة لعلات، أمهاتهم و دينهم واحد'' تمام انبیاء علاتی بھائی ہیں، انکی مائیں اور دین ایک ہے، یعنی توحید کے سلسلہ میں ان کی دعوت ایک ہے اور ان کی شریعتیں حلال وحرام اور مرونھی کے سلسلہ میں کچھ مختلف ہیں۔

اولوالعزم رسل:

یوں تو قرآن کریم میں، حضرت آدم، نوح، ادریس، صالح، ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یوسف، لوط، یونس، موسیٰ، ہارون، الیاس، زکریا، یحیی، الیسع، ذوالکفل، داؤد، سلیمان، ایوب، عیسی، ھود، شعیب اور محمد صلی اللہ علیہم اجمعین اور اسباط (حضرت اسحاق و یعقوب علیہما السلام کی اولاد میں سے جو منصب نبوت پر فائز ہوئے) کا تذکرہ وارد ہے، مگر ان میں اولوالعزم انبیاء پانچ ہیں۔ نوح، ابراہیم، موسی، عیسی اور حضرت محمد ﷺ، جن کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دو جگہ فرمایا ہے، ایک سورۃ احزاب کی آیت: ﴿ وما وصينا به ابراهيم وموسى وعيسى أن اقيموا الدين ولا تتفرقوا فيه﴾ (الشوری:۱۳)

انبیاء ورسل بھی بشر تھے:

سارے رسول بشر اور مخلوق تھے، ان کے اندر الوہیت و ربوبیت کی خصوصیات نہیں تھیں، وہ سب اللہ کے بندے اور رسول تھے، سید الرسل اور خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿قل لا أملك لنفسي نفعاً ولا ضرًا، إلا ماشاء الله، و لو كنت اعلم الغيب لاستكثرت من الخير، و ما مسني السوء إن أنا إلا نذير و بشير لقوم يومنون﴾ (الأعراف:۱۸۸) کہہ دیجئے کہ میں اپنے نفس کے لیے بھی نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں سائے اس کے جو اللہ چاہئے اور اگر میں غیب جانتا تو بکثرت خیر و بھلائی حاصل کر لیتا، میں تو ایمان لانے والوں کو ڈرانے والا اور خوش خبری دینے والا ہوں۔

یک دوسری جگہ فرمایا: ﴿قل إني لا أملك لكم ضراً ولا رشداً، قل إني لن يجيرني من الله أحد، ولن أجد من دونه ملتحدا﴾ (الجن:۲۱-۲۲) کہہ دیجئے میں تمہارے لیے نقصان اور نفع کا مالک نہیں

ہوں، کہہ دیجئے کہ کوئی مجھے اللہ سے پناہ نہیں دے سکتا۔ اور میں اس کے سوا کسی سے پناہ نہیں پا سکتا۔

انھیں تمام خصائص بشریت جیسے بیماری، موت، کھانے پینے کی حاجت وغیرہ لاحق ہوتی تھیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿والذی هو یطعمنی و یسقین، و إذا مرضت فهو یشفین، والذی یمیتنی ثم یحیین﴾ (الشعراء:۷۹-۸۱) وہی ہے جو ہم کو کھلاتا اور پلاتا ہے، اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے، اور وہی مجھے موت دے گا اور پھر دوبارہ زندہ کرے گا۔

اور خود ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا: ''إنما أنا بشرمثلكم أنسى كما تنسون۔ فإذا نسيت فذكرونى'' میں بھی تمہاری طرح ایک بشر ہوں، جیسے تم بھولتے ہو میں بھی بھول جاتا ہوں، اس واسطے جب کبھی مجھ سے بھول ہو جائے تو مجھے یاد دلا دیا کرو۔

یہ سب اللہ کے بندے تھے، اللہ نے ان کی عبودیت کا تذکرہ کئی اعلیٰ مقامات پر ان کی مدح سرائی کرتے ہوئے کیا ہے۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿انه كا عبداً شكورا﴾ (بنی اسرائیل:۳) وہ اللہ کے بڑے شکر گذار بندے تھے اور ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کے بارے میں فرمایا: ﴿تبارك الذی نزل الفرقان علی عبده لیكون للعالمین نذیراً﴾ (الفرقان:۱) بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل فرمایا تاکہ وہ دنیا والوں کے لیے ڈرانے والا ہو۔ اور فرمایا: ﴿سبحان الذی أسریٰ بعبده لیلا من المسجد الحرام إلی المسجد الأقصی﴾ (بنی اسرائیل:۱) ہر عیب سے پاک ہے وہ جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔

حضرت ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿واذكر عبادنا ابراهیم و اسحاق و یعقوب اولی الأیدی والأبصار﴾ ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کو یاد کیجئے جو ہاتھوں اور آنکھوں والے تھے۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿ان هو إلا عبد أنعمنا علیه وجعلناه مثلا لبنی اسرائیل﴾ (الزخرف:۵۹) وہ نہیں تھے مگر ایک بندے جس پر ہم نے اپنا انعام کیا اور جسے بنی اسرائیل کے لیے مثال بنایا۔

دوسرے انبیاء کے مقابلہ میں ہمارے نبی ﷺ کی چند خصوصیات:

یوں تو ہمارے نبی ﷺ کی بہت ساری خصوصیات ہیں اور اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں، مگر ہم یہاں آپ کی صرف چند خصوصیات ذکر کر رہے ہیں۔

۱- آپ خاتم النبیین ہیں جیسا کہ متعدد دلائل سے ہم اس سے پہلے ثابت کر چکے ہیں۔

۲- آپ تمام اولاد آدم کے سردار ہیں، جیسا کہ حدیث نبوی ہے: ''انا سید ولد آدم ولا فخر'' میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور کوئی فخر نہیں۔

۳- دوسرے انبیاء کرام خاص خاص قوموں کی طرف مبعوث کئے گئے، جب کہ ہمارے نبی ﷺ کی بعثت تمام انس وجن کے لیے ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ﴿قل یایھاالناس إنی رسول الله إلیکم جمیعا﴾ [الاعراف: ۱۵۸] آپ کہہ دیجئے: اے لوگو! میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اور نبی ﷺ نے فرمایا: '' أعطیت خمسا لم یعطھن أحد قبلی: نصرت بالرعب مسیرة شھر، و جعلت لی إلی الأرض مسجداً و طھوراً، فأیما رجل من أمتی أدرکته الصلاة فلیصلھا، وأحلت لی الغنائم، ولم تحل لأحد قبلی، و اعطیت الشفاعة، وکان النبی یبعث إلی قومه خاصة و بعثت إلی الناس عامة'' (متفق علیہ)

مجھے پانچ امور خاص طور سے ایسے دئے گئے ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دئے گئے، ایک مہینے کی مسافت تک کے رعب سے میری مدد کی گئی، میرے لیے تمام زمین مسجد اور طہارت کا ذریعہ بنادی گئی، اس لیے میری امت کے جس آدمی کو جہاں نماز پالے وہ وہیں اسے ادا کرلے، اور مال غنیمت صرف میرے لیے حلال کیا گیا۔ مجھ سے قبل کسی نبی کے لیے حلال نہیں کیا گیا۔ اور مجھے شفاعت کبری دی گئی، اور ہر نبی خاص اپنی قوم کے لیے مبعوث ہوتا تھا۔ اور مجھے تمام لوگوں کے لیے مبعوث کیا گیا۔

اور سورہ جن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی بعثت انسانوں کی طرح جنوں کیلئے بھی ہوئی تھی، اس واسطے وہ قرآن سن کر آپ پر ایمان لائے۔

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' والذی نفسی بیدہ لا یسمع بی أحد من ھذہ الامة یھودی ولا نصراني ثم یموت ولا یؤمن باالذی ارسلت به إلا کان من أصحاب النار''۔ (رواہ أحمد و مسلم)

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس امت میں سے کوئی شخص میرے بارے میں سنے خواہ وہ یہودی ہو یا نصرانی ہو پھر وہ مرجائے اور میری لائی ہوئی شریعت پر ایمان نہ لائے تو وہ جہنمی ہوگا۔

آپ کو دیا گیا دین اسلام ہر اعتبار سے مکمل ہے ﴿الیوم أکملت لکم دینکم و أتممت علیکم نعمتی

ورضیت لکم الإسلام دینا﴾ (المائدۃ:۳) اوراب اس کے علاوہ کوئی بھی دین عنداللہ مقبول نہیں۔ ﴿و من یبتغ غیرالإسلام دینا فلن یقبل منه وهو فی الآخرة من الخاسرین﴾ (آل عمران:۸۵)

خلاصہ یہ رسولوں کی بعثت انسانوں کے لیے اللہ کی ایک عظیم نعمت ہے، اگر ان کی بعثت نہ ہوتی تو انسان اپنے رب کو نہ پہچان سکتا، نہ اسے اللہ کی عبادت اور زندگی گذارنے کا صحیح طریقہ معلوم ہوتا اور ساری انسانیت ضلالت و گمراہی کی تاریکیوں میں بھٹکتی رہتی۔

تمام انبیاء برحق ہیں، ان پر ایمان لانا ہر انسان پر فرض ہے، جو کسی بھی رسول کی رسالت کا انکار کرے گا وہ گمراہ اور تمام رسولوں کا منکر مانا جائے گا۔

سب سے پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام اور خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ ہیں، اور آپ سیدالانبیاء اور سید ولد آدم ہیں۔ آپ کی بعثت تمام انس وجن کے لیے ہوئی ہے۔

ایمان بالرسل کے سلسلے میں جو اسلام کا نقطۂ نظر ہے اگر سارے لوگ اسے تسلیم کرلیں تو دنیا سے اکثر و بیشتر اختلافات ونزاعات ختم ہوجائیں۔

اسلام کا عقیدہ ایمان بالرسل اس کی رواداری اور وسیع النظری کا بین ثبوت ہے، کیونکہ آج بہت سے انبیاء کرام کی اتباع کے دعویدار ہمارے نبی محمد ﷺ پر ایمان نہیں رکھتے جب کہ مسلمان تمام انبیاء برحق پر ایمان رکھتے ہیں۔

کئی ادیان کے ماننے والے ہمارے نبی صاحب کی شان میں گستاخی کرتے ہیں مگر مسلمان کسی بھ نبی کی شا میں گستاخی کو جائز نہیں سمجھتے، بلکہ ہم سب کا احترام کرتے ہیں، سب کے لیے علیہ السلام کی دعا کرتے ہیں، سب سے محبت کرتے ہیں اور اس کو اپنے ایمان کا جزء سمجھتے ہیں۔

اخیر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو عقیدہ ایمان بالرسل کو اچھی طرح سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمیں دنیا میں انبیاء ورسل سے عقیدت ومحبت اور آخرت میں ان کی رفاقت عطا فرمائے، آمین۔ وآخر الدعوانا ان الحمدللہ رب العالمین۔

☆☆☆

سنت نبوی کی تدوین اوراس کا ارتقاء

مولانا احمد مجتبیٰ سلفی
استاذ حدیث جامعہ ابی ھریرۃ، لال گوپال گنج، الہ آباد

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على أشرف المرسلين، وعلى آله وأصحابه أجمعين، وعلى من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، وبعد: فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم. بسم الله الرحمن الرحيم. ﴿إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون﴾ [الحجر:٩] وقال تعالىٰ: ﴿ لا تحرك به لسانك لتعجل به إن علينا جمعه وقرآنه. فإذا قرأنٰه فاتبع قرآنه. ثم إن علينا بيانه﴾ [القيامة: ١٦-١٩] وقال النبى ﷺ : يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله.

امت اسلامیہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ بنی نوع انساں کی ہدایت کے لیے آخری دینِ سماوی (دینِ اسلام) کے بنیادی مصادر دو ہیں: ایک کتاب الٰہی اور دوسرا کتاب الٰہی کی تبیین حدیثِ رسول ﷺ (خواہ قولی، ہو، یا فعلی، یا تقریری) محققین علماءِ سلف کے نزدیک حدیث رسول ﷺ کو تشریع (قانون سازی) میں وہی درجہ حاصل ہے جو خود کتاب الٰہی کو حاصل ہے۔ اس لیے کہ حدیث کلام الٰہی کی تبیین ہے، ارشاد باری ہے: ﴿وأنزلنا إليك الذكر لتبين للناس ما نزل إليهم﴾ [النحل: ٤٤] اوراس لیے کہ خود منزل قرآن کا فرمان ہے: ﴿أطيعوا الله وأطيعوا الرسول﴾ [نساء: ٥٩] اوراس لیے کہ مبینِ قرآن کا فرمان ہے: '' ألا إنى أُوتيت القرآن ومثله معه '' (سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، باب ٦/ وصححہ الألبانی) اس فرمان نبوی کا مستقاد اس کے سوا کچھ نہیں کہ تشریع میں دونوں ہم مثل ہیں۔ ''لأنهما من مصدر واحد'' -و- لأن النبى ﷺ ﴿وما ينطق عن الهوى، إن هو إلا وحى يوحى﴾ [النجم: ٣-٤] اوراس سے زیادہ واضح یہ فرمان نبوی ہے۔'' ألا و إن ما حرم رسول الله مثل ما حرم الله '' (سنن ابن ماجه، المقدمة، باب ٢، وصححه الألبانى)

حدیث چوں کہ قرآن کا بیان ہے اس لیے اس کا لازمی تقاضہ ہے کہ متن کی حفاظت کے ساتھ ساتھ بیان کی بھی حفاظت ضرور ہو، ورنہ بیان کی حفاظت کے بغیر متن کی حفاظت قانونِ حیات کے اعتبار سے بے معنی ہے۔ تلاوت

سے اجر وثواب چاہے جتنا حاصل ہوجائے۔ بنابریں محققین علمائے تفسیر واصول کے نزدیک ﴿إنا نحن نزلنا الذكر و إنا له لحافظون﴾ کے وعدۂ الٰہی کے اندر قرآن وسنت دونوں شامل ہیں، تفصیل کے لیے دیکھئے: الحدیث حجۃ بنفسہ للألبانی، کا مقدمہ از عبید العباسی رحمہما اللہ)

اللہ کی طرف سے حدیث کی حفاظت کا واضح اشارہ سورۃ القیامۃ کی اس آیت کے اندر بھی ملتا ہے: ﴿لا تحرك به لسانك لتعجل به۔ إن علينا جمعه و قرآنه۔ فإذا قرأناه فاتبع قرآنه۔ ثم إن علينا بيانه﴾ [سورة القيامة: ١٦—١٩]

قرآن وسنت کی روشنی میں سنت کی ضرورت اور حفاظت واضح ہوجانے کے بعد اب ہم اس حفاظت کے طریقے، تاریخ، ارتقاء اور مراحل پر حتی الوسع روشنی ڈالنے کی کوشش کررہے ہیں۔ وما توفیقی إلا باللہ۔

اصل موضوع کی تفصیل میں جانے سے پہلے تدوینِ سنت کے سلسلے میں وارد ایک اعتراض کا دفعیہ ضروری ہے جو منکرینِ سنت کی جانب سے اٹھایا جاتا ہے: وہ یہ کہ نبی کریم ﷺ نے خود ہی حدیث کی کتابت سے منع فرمادیا تھا جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا تھا ''لا تكتبوا عني، من كتب عني غير القرآن فليمحه'' (صحیح مسلم کتاب الزھد، باب ۱۸)

نیز اجلہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جیسے: ابوبکر، عمر، ابن مسعود، ابن عباس اور ابوموسی اشعری وغیرھم کے متعلق صحیح روایات میں مذکور ہے کہ یہ حضرات کتابتِ حدیث سے منع کیا کرتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ، جامعہ بیان العلم، تقیید العلم)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ حدیث کی تدوین صاحبِ حدیث اور اولین اکابر امت کی مرضی نہیں تھی، تو پھر تدوین حدیث نہ تو عہد نبوی میں کی گئی اور نہ عہد صحابہ میں، اور نہ ان دونوں قرون مشهود لها بالخير کی موافقت میں، عہد تابعین میں، تو پھر اتنے سارے دواوینِ سنت کہاں سے وجود پذیر ہوگئے؟ اگر ہو ہی گئے تو بعد کے ادوار کی پیداوار ہوں گے جن میں نسیان وخطا کا یقینی امکان ہے۔

اس بظاہر وقیع اعتراض کے جواب میں متقدمین ومتأخرین قائلینِ حجیتِ سنت نے جو فرمایا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت تو منسوخ ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص -رضی اللہ عنہما- کو اپنی ہر طرح کی بات لکھ لینے کی کھلی اجازت دی تھی۔ (ان کا واقعہ بہت ہی مشہور ہے) بات

دراصل یہ ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو کتابت حدیث سے ممانعت کی بات مذکور ہے وہ ابتداء میں تھی جب قرآن کے ساتھ حدیث کے مختلط ہوجانے کا خطرہ تھا، اور جب قرآن پوری طرح مدون اور ممتاز ہوگیا تب اجازت دیدی گئی، نیز منعِ کتابت کی ایک تشریح یہ ہے کہ قرآن وسنت دونوں ایک ہی صحیفہ میں ساتھ ساتھ لکھنے سے منع کیا گیا تھا، کہ ایسا نہ ہو کہ بعد میں آنے والی نسلیں دونوں کو قرآن سمجھ لیں، یا جاہل آدمی دونوں میں تمیز نہ کر سکے، ہاں دونوں کو ایک دوسرے سے الگ اور ممتاز طور پر لکھنے کی اجازت تھی جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو- رضی اللہ عنہما- کے واقعہ سے پتہ چلتا ہے۔ نیز آپ ﷺ کے شاہان عالم کے نام خط وکتابت، والیان ریاست کے نام آپ کے اور آپ کے خلفائے راشدین کے فرامین، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صحیفہ کی تحریر (بابت فدیہ اور دیت) نیز حضرت ابوھریرۃ- رضی اللہ عنہ- کے پاس ڈھیر ساری کتابوں کی موجودگی سے پتہ چلتا ہے۔ تقریبا ۵۲ صحابۂ کرام اور ۲۵۲ تابعین عظام کی بابت تاریخ علم حدیث میں مذکور ہے کہ یا تو ان کے پاس نوشتۂ حدیث موجود تھا، یا ان کے تلامذہ نے ان سے حدیثیں لکھیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے کیمبرج یونیورسٹی میں پی-ایچ-ڈی کے لیے پیش کردہ مقالہ، اسٹڈی اِن ارلی حدیث لٹریچر از مصطفیٰ اعظمی مئوی مقیم ریاض)۔

مذکورہ بالا نصوص وواقعات کے علاوہ بھی کچھ احادیث وآثار قطعیت کے ساتھ مروی ہیں جو کتابتِ حدیث کی اجازت اور واقعہ پر مبنی ہیں، جن کی تفصیل مذکورہ کتاب، نیز ''السنة قبل التدوين'' از دکتور عجاج خطیب پروفیسر دمشق یونیورسٹی میں دیکھی جاسکتی ہے، لیکن یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ حجت اور دلیل بننے کے لیے تحریر ہی کی شرط کہاں سے ضروری ہوگئی؟ کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ شرط بتائی ہے؟ کیا اللہ کے رسول ﷺ اپنے دعاۃ اور مبلغین کو اپنی تحریر کے ساتھ ہی کہیں بھیجا کرتے تھے؟ قرآن ہی کی تحریر اگر غیر ثقہ لوگوں کے ہاتھوں کسی کے پاس پہنچتی تو وہ اس کے لیے حجت ہوتی؟ اصل حجت ناقل (راوی) کی ثقاہت (یعنی عدالت اور قوی قوت حافظہ) ہے، منقول تحریر ہو یا تقریر۔ ہم تو دیکھتے ہیں کہ قرآن کے بعض ناقلین علمائے حدیث کے میزانِ جرح وتعدیل میں صحیح حدیث کے ناقلین سے کم تر درجہ کے ہیں، جیسے قرآن کے ایک مشہور راوی حضرت عاصم (بن بعدلہ ابوالنجود) علمائے حدیث کے نزدیک ''صدوق یهم'' (یعنی: مراتبِ تعدیل کے پانچویں درجہ کے ہیں) جن کی احادیث بدونِ متابعت درجۂ حسن سے بھی کم تر ہوتی ہیں۔ پھر بھی ان کی روایت (قراءت) سات معتبر روایات میں سے ہے۔

اور ہم جو حدیث کو حجت مانتے ہیں تو کم سے کم درجۂ حسن تک پہنچی ہوئی حدیث ہی کو مانتے ہیں۔

ہاں جب یہ ثابت ہوگیا کہ حدیث کی تدوین عہدِ نبوی، عہدِ صحابہ اور عہدِ تابعین میں قطعیت سے ثابت ہے تو

اب آیئے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہ تدوین مرحلہ بہ مرحلہ کیسے انجام پذیر ہوئی۔

پہلا مرحلہ:

سنتِ نبوی (حدیث) کی سب سے اولین تدوین حضرات صحابہ کرام کے صحائف کو قرار دیا جاسکتا ہے۔ خاص طور پر حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص-رضی اللہ عنہما- کا صحیفہ جو ''صحیفۂ صادقہ'' کے نام سے مشہور ہے، جس کو ڈاکٹر حمید اللہ (پیرس یونیورسٹی) نے تحقیق کر کے شائع کیا ہے۔ اس کے اندر (۴۳۶) احادیث ہیں، جو مسند امام احمد اور سنن اربعہ کے اندر پھیلی ہوئی ہیں، اس کا زیادہ تر حصہ مسند امام احمد کے اندر آ گیا ہے۔ (اس مسند میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص-رضی اللہ عنہما- کی مسند جلد دوم کے صفحہ (۱۵۸) سے صفحہ ۲۲۶) ممتد ہے) اور یکجا طور پر یہ صحیفہ حضرت امام احمد بن اسماعیل کی کتاب ''السرد و الفرد'' کے اندر ایک سند سے مروی ہے۔

اس صحیفہ کی خاص اہمیت اس حیثیت سے ہے کہ یہ تمام صحابۂ کرام کے صحائف کے مقابلے میں زیادہ احادیث پر مشتمل ہے، اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو نبی کریم ﷺ نے اپنی ہر بات لکھنے کی کھل کر اجازت دیدی تھی۔

دوسرا صحیفہ حضرت ابو ہریرہ-رضی اللہ عنہ- کا ہے جو حضرت ہمام بن منبہ کی روایت کے سبب ''صحیفه همام بن منبه کے نام سے مشہور ہے اس کو بھی ڈاکٹر حمید اللہ موصوف نے ایڈٹ کر کے شائع کیا ہے، یہ صحیفہ بھی مسند امام احمد کے اندر شامل ہے۔ اس صحیفہ سے لی گئی روایت اس طرح شروع ہوتی ہے:

''هذا ما أخبرنا به أبوهريرة'' (دیکھئے مسند احمد جلد دوم)

دیگر صحابہ کرام کے صحائف کا تذکرہ بھی علوم الحدیث کی کتابوں میں ملتا ہے، جیسے ''صحیفہ جابر بن عبداللہ'' ''صحیفہ انس بن مالک'' یہ دونوں بھی امام احمد بن اسماعیل کی کتاب ''السرد والفرد'' میں ایک سند سے مروی ہے۔

اوپر ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی کی کتاب کے حوالہ سے یہ گزر چکا ہے کہ ۵۲ کے قریب صحابۂ کرام ایسے تھے جن کے پاس تو اپنا نوشتہ حدیث موجود تھا، یا ان سے ان کے تلامذہ (تابعین) نے حدیثیں نوٹ کی تھیں۔

دوسرا مرحلہ:

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد میں تدوین کا معاملہ محدود ہی رہا۔ کتابت کا عام رواج ہو جانے کے سبب تابعین کی اکثریت نے اپنے اساتذہ صحابۂ کرام سے حدیث کی سماعت کے ساتھ ساتھ عام طور پر لکھنا شروع کر دیا تھا، حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس تو اتنی کتابیں ہوگئی تھیں کہ ان کی نگہ داشت کا خاص انتظام کرنا پڑتا تھا اور عامر الشعبی فرماتے ہیں کہ میں نے کاغذ پر جو بھی لکھا یاد ہو گیا اور جب ضرورت پڑی ہو بہو دہرا دیا۔

کبار وصغار تابعین میں سے متعدد حضرات کا یہی حال تھا۔ ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی نے ۲۵۲ تابعین کے پاس حدیث کے مجامیع موجود ہونے اوران سے لکھنے والے تلامذہ کا تذکرہ مستند حوالوں کے ساتھ کیا ہے۔

لیکن یہ سب شخصی کوششیں تھیں، باضابطہ سرکاری پیمانے پر تدوین سنت کا کام کچھ تو حضرت عمر بن عبدالعزیز کے والد عبدالعزیز بن مروان کے فرمان سے مدینہ طیبہ کے کچھ افراد نے انجام دیا، جب موصوف وہاں کے گورنر تھے تو مدینہ کے بعض حضرات کے پاس اس سلسلے میں خطوط لکھے تھے اور کام حضرت عمر بن عبدالعزیز کے فرمان سے ہوا۔ جب وہ خلیفہ ہوئے تو حضرت امام زہری اور ابوبکر بن حزم کے نام فرمان جاری کیا: ''انظروا حدیث رسول الله ﷺ فاکتبوہ، فإنی خفت دروس العلم و ذهابه'' (فتح الباری ج۱، ص:۲۰۴۔ مقدمہ سنن الدارمی ۱/۱۲۶)

آں موصوف نے علمائے مدینہ میں سے چند خاص حضرات کا نام بھی لکھا تھا کہ ان سے خاص طور سے حدیثیں نوٹ کی جائیں جیسے: عمرہ بنت عبدالرحمٰن اور قاسم بن محمد بن ابی بکر وغیرھم (مصدر سابق)

نیز آپ نے دیگر شہروں کے والیوں کے نام بھی اسی طرح کا فرمان جاری کیا تھا (السنۃ قبل التدوین بحوالہ: المحدث الفاصل)

تیسرا مرحلہ:

تیسرا مرحلہ: پہلی صدی ہجری کے اختتام تک تدوین سنت کا انداز کچھ شخصی کچھ حکومتی مگر متفرق اوراق وصحائف میں کیف ما اتفق شکل میں رہا، دوسری صدی کے اوائل میں اکثر ائمہ حدیث کے پاس زیادہ مقدار میں احادیث مدون ہوگئی تھیں، ان حضرات نے ایک طرح سے تالیفی انداز اختیار کرلیا تھا، اس بابت مطلق طور سے یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ سب سے اول کس نے تالیفی انداز اختیار کیا، ہاں مختلف اسلامی علمی مراکز کے اعتبار سے مندرجہ ذیل حضرات کے نام لیے جاسکتے ہیں۔

۱-	عامر شعبی	متوفی ۱۰۳ھ	شام میں
۲-	عبدالملک بن جریج	متوفی ۱۵۰ھ	مکہ میں
۳-	محمد بن اسحاق	متوفی ۱۵۱ھ	مدینہ میں
۴-	معمر بن راشد	متوفی ۱۵۶ھ	یمن میں

۵-	سعید بن ابی عروبہ	متوفی ۱۵۶ھ	بصرہ میں
۶-	امام اوزاعی	متوفی ۱۵۷ھ	شام میں
۷-	ربیع بن صبیح	متوفی ۱۶۰ھ	بصرہ میں
۸-	سفیان ثوری	متوفی ۱۶۱ھ	کوفہ میں
۹-	امام مالک	متوفی ۱۷۹ھ	مدینہ میں
۱۰-	عبداللہ بن المبارک	متوفی ۱۸۱ھ	خراسان میں
۱۱-	ہشیم بن بشیر	متوفی ۱۸۳ھ	واسط میں
۱۲-	جریر بن عبدالحمید	متوفی ۱۸۸ھ	ری میں
۱۳-	عبداللہ بن وھب	متوفی ۱۹۷ھ	مصر میں

مذکورہ بالا حضرات کی تاریخ وفات کے مطابق امام شعبی ان سب میں اول مؤلف مانے جا سکتے ہیں، آپ کی تالیف کا ایک عنوان بھی یوں مذکور ہے ''هذا باب من الصلاة جسيم'' (تدريب الراوى السنة قبل التدوين)

ان تمام حضرات کا انداز یہ تھا کہ پہلے موضوع سے متعلق جملہ احادیث ایک جگہ اکٹھا کر لیتے تھے، پھر ان کو ابواب فقہ پر ترتیب دیتے تھے جو تیسری صدی کے بیشتر مؤلفین کا انداز ہے، مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ دوسری صدی کے مذکورہ مؤلفین یا ان کے علاوہ دیگر مؤلفین ہر باب میں احادیث کے ساتھ ساتھ صحابۂ کرام نیز علمائے معاصرین کے اقوال وفتاوے بھی لکھتے جاتے تھے، اس کا سب سے بہترین نمونہ امام اما لک کی مؤطا ہے جو اس دور کی تالیفات میں باقی رہ جانے والی اہم تالیف ہے، مؤطا کے علاوہ اس طرز کی چند اور کتب بھی تالیف ہوئی تھیں جو دستِ بردِ زمانہ کے سبب ہم تک نہیں پہنچ سکیں، جیسے ''جامع معمر بن راشد'' ''جامع سفيان ثورى'' اور ''جامع عبدالله بن وهب'' البتہ تیسری صدی میں اس طرز پر تالیف کردہ دو کتابیں متداول ہیں: مصنف عبدالرزاق (م ۲۱۱ھ) اور مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ (م ۲۳۵ھ)

چوتھا مرحلہ:

دوسری صدی کے اختتام تک لگ بھگ یہی انداز چلا۔ تیسری صدی کے اوائل میں مختلف علمائے حدیث کے

ذہنوں میں احادیثِ رسول ﷺ کو اقوال صحابہ سے بالکل الگ اور ممتاز کر کے جمع و تالیف کا خیال آیا، اس سلسلے میں سب سے پہلے جو انداز سامنے آیا وہ مسانید کا ہے۔ یعنی ہر صحابی کی مرویات ایک جگہ جمع کر دی گئیں۔ چنانچہ مندرجہ ذیل مسانید معرض وجود میں آئیں:

۱-	مسند الطیالسی	از	امام ابوداؤد سلیمان بن الجارود الطیالسی	(م۲۰۴ھ)
۲-	مسند اسد بن موسی	از	اسد بن موسی الاموی	(م۲۱۲ھ)
۳-	مسند العیسی	از	عبداللہ بن موسیٰ العیسی	(م۲۱۳ھ)
۴-	مسند الحمیدی:	از	عبداللہ بن زبیر الحمیدی	(م۲۱۹ھ)
۵-	مسند مسدد بن مسرھد	از	مسدد بن مسرھد البصری	(م۲۲۸ھ)
۶-	مسند نعیم بن حماد	از	نعیم بن حماد المصری	(م۲۲۸ھ)
۷-	مسند ابن ابی شیبہ	از	ابوبکر بن ابی شیبہ	(م۲۳۵ھ)
۸-	مسند اسحاق بن راھویہ	از	اسحاق بن راہویہ	(م۲۳۸ھ)
۹-	مسند الامام احمد	از	امام احمد بن حنبل	(م۲۴۱۹ھ)
۱۰-	مسند عبد بن حمید	از	عبد بن حمید الکشی	(م۲۴۹ھ)

مسانید کے طرز پر جمع و تالیف کا کام اس صدی کے اواخر تک پھیلا ہوا ہے، اس درمیان مسند بقی بن مخلد اندلسی (م۲۷۶ھ) مسند البزار (م۲۹۲ھ) اور مسند ابی یعلی موصلی (م۳۰۷ھ) جیسی عظیم ترین دواوینِ سنت کی تالیف ہوئی۔

لیکن مسانید میں چونکہ صحت احادیث کا التزام نہیں کیا جا رہا تھا۔ نیز عام لوگوں کے لیے اس بحر ناپیدا کنار سے استفادہ ناممکن تھا اس لیے اس مرحلہ میں دو طرح کے خیالات بعض علمائے حدیث کے دلوں میں پیدا ہوئے۔ ایک یہ کہ اس عظیم ترین حدیثی ذخیرہ میں سے صحیح احادیث کو الگ کر لیا جائے کہ دراصل وہی تو ہمارے لیے دلیل راہ ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان منتشر احادیث کو ابواب فقہ پر مرتب کر دیا جائے تا کہ عوام الناس کے لیے ان سے استفادہ آسان ہو جائے۔

اس سلسلے میں امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری، پھر ان کے شاگرد امام مسلم -رحمہما اللہ- کی جوامع عالمِ وجود

میں آئیں، جن کی صحت پر امت کا اجماع ہے، اور جن کو تلقی بالقبول حاصل ہوا۔ اور جن کی مرویات کے ثبوت کی قطعیت کا انکار کرنے والا باجماع امت بدعتی ٹھہرا، بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿و یتبع غیر سبیل المومنین نوله ما تولی﴾ [نساء: ۱۱۵] کا مصداق ٹھہرے گا، اجماع امت اور تلقی بالقبول کا یہی مستفاد ہے۔

مذکورہ بالا دونوں کتابیں ''جامع'' کہی جاتی ہیں، ''جامع'' احادیث کے اس مجموعے کو کہا جاتا ہے جس کے اندر آٹھ ابواب کی احادیث کو جمع کیا جاتا ہے، جیسے: عقائد، احکام، زہد ورقائق، آداب، تفسیر، تاریخ وسیر، فتن، مناقب و مثالب اور صرف فقہی ابواب (احکام) پر ترتیب کے سلسلے میں مندرجہ ذیل کتب تالیف پذیر ہوئیں:

۱-	سنن الدارمی	از عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی	(م۲۵۵ھ)
۲-	سنن ابن ماجہ	از محمد بن یزید بن ماجہ	(م۲۷۳ھ)
۳-	سنن ابی داؤد	از سلیمان بن اشعث السجستانی	(م۲۷۵ھ)
۴-	سنن الترمذی	از محمد بن عیسی الترمذی	(م۲۷۹ھ)
۵-	سنن النسائی	از احمد بن شعیب النسائی	(م۳۰۱ھ)

مؤخرالذکر چاروں کتابیں امت کے درمیان ''سنن أربعة'' کے نام سے موسوم ہوئیں، اور ان کو دیگر بہت سی کتابوں کے بالمقابل زیادہ قبول عام حاصل ہوا۔ ان کے اور صحیحین کے مجموعے کو ''کتب ستة'' کا مشہور نام حاصل ہوا، یہاں تک کہ بہت سے لوگ ''صحاح ستة'' کہنے لگے۔ ''للأکثر حکم الکل'' کے اعتبار سے یہ اصطلاح درست تو ہے مگر احتیاط کا تقاضہ ہے کہ انہیں صرف ''کتب ستة'' ہی کہا جائے، کیونکہ صحیحین کے سوا دیگر چاروں کتابوں کے اندر کچھ ضعیف احادیث بھی آ گئی ہیں۔

تیسری صدی کے اندر مذکورہ مسانید، جوامع اور سنن کے علاوہ مختلف حدیثی موضوعات پر مندرجہ ذیل دواوینِ سنت منصۂ شہود پر آئے:

۱-عقائد

۱-	کتاب الإیمان	از ابوعبید القاسم بن سلام الہروی	(م۲۲۴ھ)
۲-	کتاب الإیمان	از ابوبکر بن ابی شیبہ صاحب المصنف	(م۲۳۵ھ)

۳-	کتاب الإیمان	از امام احمد بن حنبل	(م۲۴۱ھ)
۴-	کتاب خلق أفعال العباد	از امام بخاری	(م۲۵۶ھ)
۵-	کتاب السنۃ	از ابن أبی عاصم	(م۲۸۷ھ)
۶-	کتاب السنۃ	از ابن امام احمد بن حنبل	(م۲۹۰ھ)
۷-	کتاب السنۃ	از امام محمد بن نصر المروزی	(م۲۹۴ھ)

۲-تفسیر

۱-	تفسیر عبدالرزاق بن ھمام	از عبدالرزاق بن ھمام	(م۲۱۱ھ)
۲-	تفسیر عبد بن حمید الکشی	از عبد بن حمید الکشی	(م۲۴۹ھ)
۳-	تفسیر ابن ماجہ	از امام ابن ماجہ	(م۲۷۳ھ)
۴-	تفسیر النسائی	از امام نسائی	(م۳۰۱ھ)

۳-متفرق موضوعات

۱-	کتاب الأموال	از ابوعبید القاسم بن سلام الھروی	(م۲۲۴ھ)
۲-	کتاب العلم	از ابوخیثمۃ زہیر بن حرب	(م۲۳۴ھ)
۳-	کتاب الادب	از ابوبکر بن ابی شیبۃ	(م۲۳۵ھ)
۴-	کتاب الزھد	از امام احمد بن حنبل	(م۲۴۱ھ)
۵-	کتاب الزھد	از ہناد بن السری	(م۲۴۳ھ)
۶-	کتاب الأدب المفرد	از امام بخاری	(م۲۵۶ھ)
۷-	جزء رفع الیدین	از امام بخاری	(م۲۵۶ھ)
۸-	جزء القراءۃ خلف الإمام	از امام بخاری	(م۲۵۶ھ)
۹-	کتاب قدر الصلاۃ	از امام محمد بن نصر المروزی	(م۲۹۴ھ)

۱۰- کتاب قیام اللیل از // // // (// //)
۱۱- عمل الیوم واللیلۃ از امام نسائی (م۳۰۱ھ)

تدوین سنت کے اعتبار سے تیسری صدی ہجری کو ''عہد زرین'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، بلکہ تیسری صدی ہجری کو ''عہد الروایۃ'' کے خاتمہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اگر چہ جمع وتالیف کا کام پانچوی صدی تک پھیلا ہوا ہے۔ چوتھی صدی ہجری میں مختلف موضوعات پر حدیث کی مندرجہ ذیل کتب عالم وجود میں آئیں:

۱- مسند أبی یعلی از احمد بن علی الموصلی (م۳۰۷ھ)
۲- تھذیب الآثار وتفسیر القرآن از ابوجعفر، ابن جریر الطبری (م۳۱۱ھ)
۳- تفسیر ابن المنذر از محمد بن المنذر (م۳۱۸ھ)
۴- شرح معانی الآثار و شرح مشکل الآثار از امام طحاوی (م۳۲۱ھ)
۵- تفسیر ابن أبی حاتم از عبدالرحمٰن بن أبی حاتم الرازی (م۳۲۱ھ)
۶- معاجم ثلاثۃ از إمام طبرانی (م۳۶۰ھ)
۷- سنن الدار قطنی از امام أبوالحسن علی بن عمر (م۳۸۵ھ)

روایۃ جمع وتالیف کا کام چوتھی صدی کے بعد بھی جاری رہا، مگر اس عہد کے دواوین سنت میں سابقہ دواوین ہی کی روایات ان مؤلفین کی اسانید سے دوبارہ سہ بارہ آگئی ہیں، اس لیے تدوین سنت کے سلسلے میں چوتھی صدی ہجری تک کے دواوین ہی کا ایک خاکہ ترتیب دیا گیا ہے۔

اس مقالے کی تیاری میں مندرجہ ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا ہے:

۱- دراسات فی الحدیث النبوی (عربی ترجمہ از: اسٹڈی اِن اَرلی حدیث لٹریچر، ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی، حال مقیم ریاض)
۲- السنۃ قبل التدوین (از: ڈاکٹر عجاج الخطیب، پروفیسر حدیث وعلوم حدیث دمشق یونیورسٹی)
۳- السنۃ ومکانتھا فی التشریع الإسلامی (از: مصطفیٰ السباعی)

☆☆☆

میثاق مدینہ اور امن عالم

ڈاکٹر بدرالزماں محمد شفیع نیپالی

''میثاق'' وثق یثق ثقۃ سے تیار شدہ کلمہ ہے جس کے اندر اعتماد، بھروسہ اور سکون واطمینان کا وجود ہوتا ہے۔ ''میثاق'' اس مفہوم کا اشتراک ہے خواہ یہ دو افراد کے درمیان عقد مؤکد کے ذریعہ طے پائے یا جماعتوں کے درمیان، یا کسی فرد جماعت کے درمیان۔

جبکہ ''امن'' کا مفہوم ومدلول اطمینان قلب اور زوال خوف ہے۔

گویا میثاق میں دو فرد یا جماعت کے درمیان بعض متفق علیہ امور پر ہم آہنگی کا تاکیدی عہد ہوتا ہے کہ ہر ایک دوسرے کو ہر طرح کے خوف سے محفوظ رکھے گا یہ خوف حسی ہو یا معنوی، دینی ہو یا دنیوی، جسمانی ہو یا روحانی، عقلی ہو یا علمی، موجود حضرات کی ذاتیات واخلاقیات سے متعلق ہو یا غیر موجود آباء واجداد اور اولاد واحفاد سے متعلق، حسب و نسب کی بابت ہو یا عہدہ ومنصب کی بابت، نیز داخلی ہو یا خارجی۔

اس طرح (۱) جان (۲) مال (۳) دین (۴) عزت وآبرو (۵) عقل (۶) علم وتعلیم وتربیت (۷) اور نسل کی حفاظت کی ذمہ داری فریقین اپنے دور اپنے مقابل گروہ کے لیے یکساں انداز پر اٹھانے کا پختہ عہد کرتے ہیں تاکہ ہر گروہ دوسرے کی طرف سے ممکنہ خوف دل سے نکال دے اور پورے اطمینان وسکون کے ساتھ اپنے ان اہداف کو بروئے کار لائے جن پر کاربند رہنے کا پہلو معاہدہ کے دفعات سے متبادر ہے اور ہر ایسے سبری کردار سے دور رہے جس سے ''علانیہ معاہدہ'' کی خلاف ورزی ہو یا متفق علیہ دفعات کی متبادر تشریح سے میل نہ کھاتا ہو۔

دوسری طرف اپنے ضابطۂ حیات کے مطابق سوچنے، بولنے اور کرنے کی ایک قید کے ساتھ پوری آزادی ہوگی کہ اس سے دوسرے فریق کی دل آزاری یا اس کے حدود میں دخل اندازی نہ ہوتی ہو۔

اس اکیسویں صدی عیسوی میں چند عرب ممالک کو چھوڑ کر باقی دنیا کے تمام ملکوں کا ماحول مدینہ کے ماحول سے کافی مشابہت رکھتا ہے۔ آج ہمارے ماحول کی طرح وہاں بھی جو گھرانے مسلمان ہوئے تھے انھیں کے بعض افراد، بعض رشتہ دار، دوست احباب، ملاقاتی اور شناسا کافر یا منافق (زبانی مسلمان جب کہ دل کفر پر مطمئن) تھے۔ ساتھ ہی مدینہ میں اقتصاد پر قبضہ یہود کا تھا۔ بازار پر تسلط ان کا تھا۔ وہ مدینہ کی سیاست میں رول ادا کرنے کی پوزیشن میں تھے جس کی وجہ سے اوس اور خزرج کے قبائل اپنی مناسب قوت وطاقت کے باوجود کئی اعتبار سے ان کے محتاج تھے۔

اس وقت پوری دنیا مدینہ جیسی بستی سے کچھ مختلف نہیں۔ جدید وسائل نے کرۂ ارضی کو ایک سپر مارکٹ کے مانند کر دیا ہے۔ کل یہودی لابی مدینہ میں جس طرح شطرنجی چالیں چلی تھی اسی طرح آج بھی سیاست، تعلیم، تہذیب، دین، اقتصاد اور مال کے ہر شعبہ میں اپنی شناخت کے ساتھ دخیل ہے۔ اہل دین، اہل عقل، اہل علم، اہل سیاست اقتصادیات و مالیات کے ماہرین، زندگی کے مختلف شعبہ جات کے فنکاران کی دراندازی کو جاننے اور سمجھنے کے باوجود خود کو اپنے طرز فکر و نظر کے دائرہ میں لانے اور اپنے نظام حیات کے مطابق اپنے ماحول کو منظّم کرنے سے بے بس پاتے ہیں۔

اس میں دو رائے نہیں کہ تمام اہل خرد اپنی تفکیر و تہذیب کو حرز جان بنائے رکھنے کے ساتھ جینا اور مرنا چاہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ انھیں ایسا ماحول میسر آسکے جس میں سکون و اطمینان ہوتا کہ زندگی کا جو ہدف ان کے نقطۂ نظر سے ہے وہ اسے بروئے کار لاسکیں۔ انھیں نہ اپنی جان کا خطرہ ہو نہ مال و اولاد و ازواج کا، نہ آبرو کی طرف سے خدشہ ہو، نہ دین اور تہذیب و تفکیر پر نقب زنی کا اندیشہ۔

ان حالات میں لازم ہوتا ہے کہ عالمی دینی و تہذیبی قیادتیں سر جوڑ کر بیٹھیں، مذاکرات کریں، غلط فہمیاں دور کریں اور ''میثاق مدینہ'' کے انداز پر ایسا متفقہ اعلامیہ جاری کریں جس میں ہر مذہب و تہذیب والا دوسرے کو اس کے طرز و انداز پر جینے اور کام کرنے کی آزادی فراہم کرے اور ضمانت دے کہ ظاہر میں ہم جس رواداری کے ساتھ دوسرے کے حقوق کی پائمالی کو زبانی و تحریری معاہدے اور عوامی تقریروں میں غلط بتاتے ہیں اسی طرح باطن میں بھی اپنے آپ کو اور اپنے متعلقین کو اس رواداری اور پاسداری کا پابند بنائیں گے اور دہرے معیار سے اجتناب اپنا دستور حیات بنالیں گے۔

ایسا ماحول بن جانے پر فریق کو دوسرے کے بارے میں غلط فہمی کا اندیشہ ختم ہو جائے گا۔ اس سلسلے کا اہم قدم چند سالوں سے خادم الحرمین الشریفین حفظہ اللہ و تولاہ کی طرف سے ''حوار بین المذاھب'' کے سایہ میں اٹھایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ مذہب اسلام کی جو بھیانک اور قبیح تصویر لوگوں کے آئینوں پر ثبت کر دی گئی ہے اس کے ذریعہ مٹے گی اور اسلام کی پروقار اور غمگسار تصویر کا صحیح عکس ان کے دلوں میں وحشت کی جگہ رحمت اور نفرت کی جگہ اخوت کا قندیل روشن کر دے گا۔ گو بعض جنونیوں کی طرف اسے سبوتاژ کرنے کی جدوجہد جاری رہے گی پھر بھی توقع ہے کہ نتیجہ ان شاء اللہ اور بہتر ہوگا۔

اس اقدام کے ساتھ ''میثاق مدینہ'' کے دفعات اور اس کے مقاصد و اہداف سامنے رکھنا ضروری ہے۔ لہذا ہم

پہلے ''میثاق مدینہ'' کا پس منظر اور پھر اس کے دفعات کا مطالعہ کریں۔

رسول اللہ ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ پہونچ گئے، وہاں اپنی مسجد اور اس سے ملحق اپنی ازواج کے لیے رہائشی کمرے بنا کر فارغ ہوگئے تو مہاجرین و انصار کے درمیان مواٰخات (بھائی چارہ) کرایا تا کہ باہر سے آنے والے، دار ہجرت کے مخلصین کے ساتھ اخلاقی طور پر عمومی اخوت اسلامیہ سے ایک قدم آگے بڑھ کر خصوصی اخوت اسلامیہ کے ذریعہ مہاجرین کی دلبستگی کی جائے اور مدینہ کے باشندوں کے ساتھ مہاجرین کے ایسے روابط قائم کیے جائیں جس سے مدینہ کا معاشرہ مثالی معاشرہ بن کر، خیالی معاشرہ کی مجسم، حقیقی اور واقعی تصویر پیش کر سکے۔ چنانچہ مدینہ والوں کی طرف سے مہاجرین کے لیے تاریخ نے ایسا مثالی کردار نوٹ کیا جو اخوت اسلامیہ کا اعلیٰ ترین نمونہ تھا۔

اس باہمی تعاون اور ربط کے پیدا ہوجانے کے بعد ضرورت محسوس ہوئی کہ ایک ایسا دستاویزی معاہدہ مسلمانوں اور مدینہ اور اس کے مضافات کے یہود کے درمیان طے پائے جس کے ذریعہ داخلی و خارجی اختلافات، خصومات، مسلح جنگجوئی، دینی وفکری وتہذیبی آزادی اور باہم حقوق کے احترام نیز کسی بھی پہلو سے کسی بھی فریق یا فرد کی طرف سے مخالفت یا بغاوت پر اسے کچلنے کے لیے باہمی تعاون پر اتفاق کر لیا جائے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے یہ معاہدہ کرایا جو ذیل میں استاذ گرامی شیخ صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ کے اختصار کے ساتھ انھیں کی زبان میں اصل سے مقابلہ کے بعد معمولی ترمیم واضافہ کر کے پیش کیا جارہا ہے۔[1]

---

[1] یاد رہے کہ شیخ صفی الرحمٰن مبارکپوری نے ''مسلمانوں کے درمیان باہمی تعاون کا عہد و پیمان'' اخوت اسلامیہ قائم کرانے کے بعد مانا ہے اور یہود کے ساتھ معاہدہ اس کے بعد- یہود کے ساتھ معاہدہ کے ذیل میں لکھتے ہیں: یہ معاہدہ اسی معاہدے کے ضمن میں ہوا تھا جو خود مسلمانوں کے درمیان باہم طے پایا تھا اور جس کا ذکر قریب ہی گذر چکا ہے۔'' (الرحیق المختوم، ۳۱۸، لاہور)

لیکن درست یہ ہے کہ اخوت اسلامیہ قائم کرنے بعد ہی آپ نے یہود سے معاہدہ کیا تھا اور غزوۂ بدر کے بعد جب بعض مصالح کے پیش نظر مسلمانوں کے درمیان باہمی تعاون کا عہد و پیمان تحریر ہوا تو امکان ہے کہ اس وقت یہود کے ساتھ ہوئے معاہدہ کی تجدید و توثیق ہوئی ہو جیسا کہ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے۔ ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری نے علامہ بلاذری (أنساب الأشراف ۱/ ۳۰۸ تحقیق د/محمد حمید اللہ ط دار المعارف مصر اور علامہ طبری (تاریخ الطبری ۲/ ۴۷۹ ط دار سویدارن بیروت) کی واضح تحریروں سے ثابت کیا ہے کہ یہود کے ساتھ معاہدہ مدینہ پہونچنے کے ساتھ ہوا تھا۔ جبکہ مہاجرین و انصار کے درمیان ہوا عہد و پیمان سن دو ہجری میں غزوہ بدر کے بعد ہوا۔ (دیکھئے المجتمع المدنی، ص: ۱۱۲-۱۱۷ ط الجامعۃ الاسلامیہ بالمدینۃ المنورۃ، ۱۴۰۳ھ)

دوسری توجہ طلب چیز یہ ہے کہ بعض حضرات نے ''میثاق'' کو موضوع اور من گڑھت قرار دیا ہے لیکن ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری نے اس کی مدلل تردید کی ہے اور بتایا ہے کہ اس میثاق کو موضوع قرار دینا افضل ہے کیونکہ اس میں وارد بہت سے نصوص بخاری و مسلم وغیرہ کتب حدیث میں صحیح اسانید سے ثابت ہیں اور بیہقی کی روایت متابعت کے بعد قابل اعتبار ہوگئی ہے۔ خصوصا سیرت و تاریخ نویس میں صحت کی وہ شرطیں نہیں لازم قرار دی جاتیں جنہیں احکام کے باب میں لازم مانا جاتا ہے۔ (دیکھئے المجتمع المدنی، ص: ۱۱۰-۱۱۱)

مسلمانوں کا یہود کے ساتھ معاہدہ:

۱- بنوعوف کے یہود مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک ہی امت ہوں گے۔ یہود اپنے دین پر عمل کریں گے اور مسلمان اپنے دین پر۔ خود ان کا بھی یہی حق ہوگا اور ان کے غلاموں اور متعلقین کا بھی اور بنوعوف کے علاوہ دوسرے یہود کے بھی یہی حقوق ہوں گے۔

۲- یہود اپنے اخراجات کے ذمہ دار ہوں گے اور مسلمان اپنے اخراجات کے۔

۳- اور جو طاقت اس معاہدے کے کسی فریق سے جنگ کرے گی، سب اس کے خلاف آپس میں تعاون کریں گے۔

۴- اس معاہدے کے شرکاء کے باہمی تعلقات خیر خواہی، خیر اندیشی اور فائدہ رسانی کی بنیاد پر ہوں گے، گناہ پر نہیں۔

۵- کوئی آدمی اپنے حلیف کی وجہ سے مجرم نہ ٹھہرے گا۔

۶- مظلوم کی مدد کی جائے گی۔

۷- جب تک جنگ برپا رہے گی یہود بھی مسلمانوں کے ساتھ خرچ برداشت کریں گے۔

۸- اس معاہدے کے سارے شرکاء پر مدینہ میں ہنگامہ آرائی اور کشت وخون حرام ہوگا۔

۹- پناہ لے لینے والا اصل کی طرح ہوگا نہ اسے ایذا رسانی ہوگی اور نہ اس سے بدعہدی ہوگی۔

۱۰- کوئی عہد و پیمان ذمہ داروں کے چاہے بغیر نہیں توڑا جائے گا۔

۱۱- اس معاہدے کے فریقوں میں کوئی نئی بات یا جھگڑا پیدا ہو جائے جس میں فساد کا اندیشہ ہو تو اس کا فیصلہ اللہ عزوجل اور محمد رسول اللہ ﷺ فرمائیں گے۔

۱۲- قریش اور اس کے مددگاروں کو پناہ نہیں دی جائے گی۔

۱۳- جو کوئی یثرب پر دھاوا بول دے اس سے لڑنے کے لیے سب باہم تعاون کریں گے اور ہر فریق اپنے اپنے اطراف کا دفاع کرے گا۔

۱۴- یہ معاہدہ کسی ظالم یا مجرم کے لیے آڑ نہ بنے گا۔ (الرحیق المختوم، ص: ۳۱۸-۳۱۹)

اس کے کچھ عرصہ بعد غزوۂ بدر پیش آیا اور رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں مہاجرین اور انصار کے درمیان باہمی تعاون کا عہد و پیمان لیا جس میں دونوں گروہوں کے خلفاء اور موالی و متعلقین اپنے اصل کی طرح تمام حقوق و ذمہ داریوں میں برابر شریک تسلیم کیے گئے۔

ممکن ہے یہ عہد و پیمان اس بنیاد پر لیا گیا ہو کہ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی فتح اور کفار مکہ کی شکست کے بعد یہود بھی کفار مکہ کی طرح تلملائے ہوئے اور افسردہ خاطر تھے کیونکہ یہود کی ہمدردیاں دراصل کفار مکہ کے ساتھ تھیں اپنے معاہدین کے ساتھ نہیں تھیں لہذا ان میں سے بعض نے اشارہ اور کنایہ کی زبان میں کچھ کہنے کے بجائے صراحت کے ساتھ یہ کہنا شروع کر دیا کہ محمد! تمہیں نا تجربہ کاروں پر برتری حاصل ہوگئی ہے تو کیا، اگر ہم سے پانسا پڑ گیا تو تمہیں دکھا دیں گے کہ ہم مرد ہیں۔

ان حالات میں یہود پر معاہدہ کے باوجود کسی طرح اعتماد کرنا ممکن نہیں تھا۔ مکہ والوں سے ان کے روابط گہرے اور تیز ہوتے جا رہے تھے کھلے بندوں مسلمانوں اور رسول اللہ ﷺ کی ذات کو نشانہ بنایا جانے لگا تھا جس کے نتیجہ میں کعب بن اشرف جیسے سرمایہ دار سیاسی یہودی لیڈر کا قتل یہود کی خود اعتمادی پر ضرب کاری ثابت ہوا ہوگا اور انھوں نے دوبارہ ظاہر میں نرم رہنے میں ہی اپنی عافیت سمجھی ہوگی۔ لہذا آپ ﷺ نے اپنے متبعین ہی کو باہم متعاون ہو کر جنگ کرنے، جنگ سے پیدا شدہ مسائل و مشکلات کو حل کرنے کی طرف توجہ دلائی، عہد و پیمان کا اسلوب بھی اس کی غمازی کرتا ہے۔ چنانچہ اس کے تمام دفعات جنگی حالات سے متعلق ہیں۔

اندازہ ہوتا ہے کہ جب یہود کی طرف سے نقض عہد کے اشارے بلکہ صراحتیں سامنے آئی ہوں گی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کو منظم کرنے کے ساتھ یہودیوں سے سابقہ معاہدہ کی تجدید طلب کی ہوگی۔ تاکہ یہ امر یقینی ہو جائے کہ یہود اپنے معاہدہ پر قائم ہیں یا اس سے مکر گئے لہذا انہوں نے مصلحۃً معاہدہ کی تجدید کر دی ہوگی۔ جس کی وجہ سے ناقلین معاہدہ نے مسلمانوں کے درمیان ہوئے عہد و پیمان کے ضمن میں یہود سے ہوئے معاہدہ کو ذکر کیا ہے۔

مسلمانوں کے درمیان باہمی تعاون کا عہد و پیمان:

''یہ تحریر ہے محمد نبی ﷺ کی جانب سے قریش، یثرب اور ان کے تابع ہو کر ان کے ساتھ لاحق ہونے والا جہاد کرنے والے مومنین اور مسلمانوں کے درمیان کہ:

۱- یہ سب اپنے ماسوا انسانوں سے الگ ایک امت ہیں۔

۲- مہاجرین قریش اپنی سابقہ حالت کے مطابق باہم دیت کی ادائیگی کریں گے اور مومنین کے درمیان انصاف کے ساتھ اپنے قیدی کا فدیہ دیں گے۔

۳- اور انصار کے تمام قبیلے اپنی سابقہ حالت کے مطابق باہم دیت کی ادائیگی کریں گے اور ان کا ہر گروہ معروف طریقے پر اور اہل ایمان کے درمیان انصاف کے ساتھ اپنے قیدی کا فدیہ ادا کرے گا۔

۴- اہل ایمان اپنے درمیان کسی بے کس کو فدیہ یا دیت کے معاملے میں معروف طریقے کے مطابق عطاء و نوازش سے محروم نہ رکھیں گے۔

۵- کوئی مومن دوسرے مومن کو چھوڑ کر اس کے غلام سے عہد و پیمان نہیں کرے گا۔

۶- سارے راست باز مومنین اس شخص کے خلاف ہوں گے جو ان پر زیادتی کرے گا یا اہل ایمان کے درمیان ظلم اور گناہ اور زیادتی اور فساد کی راہ کا جو یا ہوگا۔ ان سب کے ہاتھ اس شخص کے خلاف ہوں گے خواہ وہ ان میں سے کسی کا لڑکا ہی کیوں نہ ہو۔

۷- کوئی مومن کسی مومن کو کافر کے بدلے قتل نہیں کرے گا۔

۸- نہ کسی مومن کے خلاف کسی کافر کی مدد کرے گا۔

۹- اللہ کا ذمہ (عہد) ایک ہوگا۔ ایک معمولی آدمی کا دیا ہوا ذمہ بھی سارے مسلمانوں پر لاگو ہوگا۔

۱۰- مومن ایک دوسرے کے مددگار ہوں گے غیروں کے نہیں۔

۱۱- جو یہود ہمارے پیروکار ہو جائیں ان کی مدد کی جائے گی اور وہ دوسرے مسلمانوں کے مثل ہوں گے۔ نہ ان پر ظلم کیا جائے گا اور نہ ان کے خلاف تعاون کیا جائے گا۔

۱۲- مسلمانوں کی صلح ایک ہوگی۔ کوئی مسلمان کسی مسلمان کو چھوڑ کر قتال فی سبیل اللہ کے سلسلے میں مصالحت نہیں کرے گا بلکہ سب کے سب برابری اور عدل کی بنیاد پر عہد و پیمان کریں گے۔

۱۳- ہمارے ساتھ غزوہ کرنے والے ہر گروہ کی باری ہوگی۔

۱۴- مسلمان اس خون میں ایک دوسرے کے مساوی ہوں گے جسے کوئی فی سبیل اللہ بہائے گا۔

۱۵- کوئی مشرک قریش کی کسی جان یا مال کو پناہ نہیں دے سکتا اور نہ کسی مومن کے آگے اس کی حفاظت کے لیے رکاوٹ بن سکتا ہے۔

۱۶- جو شخص کسی مومن کو قتل کرے گا اور ثبوت موجود ہوگا اس سے قصاص لیا جائے گا سوائے اس صورت میں کہ مقتول کا ولی راضی ہو جائے۔

۱۷- یہ کہ سارے مومنین اس کے خلاف ہوں گے۔ ان کے لیے اس کے سوا کچھ حلال نہ ہوگا کہ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔

۱۸- کسی مومن کے لیے حلال نہ ہوگا کہ کسی ہنگامہ برپا کرنے والے (یا بدعتی) کی مدد کرے اور اسے پناہ

دے۔اور جو اس کی مدد کرے گا یا اسے پناہ دے گا اس پر قیامت کے دن اللہ کی لعنت اور اس کا غضب ہوگا اور اس کا فرض ونفل کچھ بھی قبول نہ کیا جائے گا۔

۱۹-تمہارے درمیان جو بھی اختلاف رونما ہوگا اسے اللہ عزوجل اور محمد ﷺ کی طرف پلٹایا جائے گا۔

(الرحیق المختوم،ص:۳۱۱-۳۱۳ مع ترمیم واضافہ)

گذشتہ سطور سے معلوم ہوا کہ اس میثاق کے دو حصے ہیں:

۱-مسلمانوں کا یہود سے معاہدہ

۲-مسلمانوں کا باہم عہد و پیمان

دونوں کے دفعات پر اگر گہری نظر ڈالیں تو اندازہ ہوگا کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے جن مسائل و مشکلات کا سامنا اخوت اسلامیہ کی پاسداری کے بعد ہوتا ہے وہ اس سے بہت ہلکا ہوتا ہے جو کسی مسلمان فرد یا جماعت کو غیر مسلم فرد یا جماعت سے درپیش ہوتا ہے لہذا دونوں معاہدوں کے اسلوب میں بھی فرق ہے۔

لیکن چونکہ اس زمانہ میں کتاب وسنت کی بالا دستی مسلمانوں کے عقائد وافکار، اعمال واخلاق ور معاملات پر کماحقہ باقی نہیں رہی ہے اور جہالت ولاعلمی کے سبب مسلمانوں کا سراپا صہیونی وصلیبی اور مجوسی ودیو مالائی تصورات سے آلودہ ہو چکا ہے اور اخلاص وللّٰہیت اور تصور آخرت نیز اخوت اسلامیہ کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی ہے لہذا مسلمانوں کو اپنے ذاتی اور جماعتی معاملات میں دونوں معاہدوں سے استفادہ کرنا چاہئے تا کہ باہم پرامن زندگی گذار سکیں، نیز مسلمانوں کا جماعتی مذاکرہ تمام مذاہب اور تہذیبوں کے ساتھ بقائے باہم اور فریقین کے احترام و رواداری پر مبنی ''میثاق مدینہ'' کی روشنی میں ہونا چاہئے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر فریق دوسرے کو اپنی ہی طرح ہر طرح کے خیر سے استفادہ کا مستحق سمجھے اور جس طرح اپنے لیے شر کو ناپسند کرتا ہے اپنے مقابل معاہد کے لیے بھی اسے مناسب نہ سمجھے۔دہرے معیار کی سیاست کسی بھی فریق کے لیے قابل قبول نہیں ہوسکتی۔

☆☆☆

جامعہ سلفیہ اور اشاعت سنت نبویہ

تحریر: مولانا عبدالوہاب حجازی
استاد جامعہ سلفیہ، بنارس

سرزمین ہندوستان پر جس روز اسلام کا آفتاب طلوع ہوا اسی روز سنت نبویہ کی شعائیں بھی یہاں ضیاء پاش ہوئی ہیں، سندھ کی سرزمین چار صدیوں تک صرف ''ما أنا عليه و أصحابی'' کے صراط مستقیم پر گامزن رہی ہے، وقت جیسے جیسے آگے بڑھتا گیا، برصغیر میں اشاعت سنت کے بڑے بڑے مراکز قائم ہوتے گئے۔ سندھ کے علاوہ، گجرات، دکن، امرتسر، وزیر آباد، دلی، بھوپال، عظیم آباد، آرہ اور بنارس علوم حدیث اور اشاعت سنت کے تاریخی عظمت کے حامل مقامات ہیں۔

بنارس میں اشاعت سنت کے چار روشن ادوار ہیں:

۱- امام عبدالحق محدث بنارسی ۱۲۰۶ھ، ۱۲۸۶ھ/ ۱۷۹۱ء ۱۸۷۹ء تلمیذ شاہ عبدالقادر دہلوی متوفی ۱۲۳۰ھ وتلمیذ قاضی محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ، محدث بنارسی تحریک شہیدین سے بھی وابستہ تھے، موصوف کے تلامذہ سید جلال الدین بنارسی متوفی ۱۲۷۹ھ اور ان کے تین صاحب زادے سید سعید الدین احمد جعفری متوفی ۱۲۹۳ھ، سید حمید الدین احمد جعفری متوفی ۱۳۰۸ھ، سید شہید الدین احمد جعفری متوفی ۱۳۳۷ھ ہیں، یہ حضرات اس دور کے اشاعت سنت اور منہج سلف صالحین کے علم بردار اور اساطین ہیں۔

۲- امام سید نذیر حسین محدث دہلوی کے تلامذہ، یعنی امام محمد سعید محدث بنارسی ۱۲۷۰ھ، ۱۳۲۲ھ/ ۱۸۵۳ء، ۱۹۰۴ء، سید نذیر الدین احمد جعفری متوفی ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۴ء، مولانا حیات محمد متوفی ۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۳ء مولانا عبدالمجید عبدالقادر متوفی ۱۳۵۶ھ مولانا محمد منیر خاں ۱۲۹۰ھ، ۱۳۶۴ھ/ ۱۸۷۳ء، ۱۹۴۵ء، مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی ۱۳۰۷ھ، ۱۳۶۹ھ/ ۱۸۹۰ء، ۱۹۶۴ء، ان ائمۂ سنت کی اشاعت سنت کی مساعی آنے والے دور کے لیے مضبوط اساس کی حیثیت رکھتی ہیں۔

۳- شیخ الکل کے تلامذہ کے تلامذہ: قاری احمد سعید بنارسی متوفی ۱۹۶۴ء، مولانا عبدالمتین بنارسی ۱۸۹۸ء ۱۹۶۴ء، مولانا نذیر احمد رحمانی متوفی ۱۳۸۵ھ مولانا عبدالمجید الحریری ۱۸۹۴ء، ۱۹۷۲ء، مولانا عبدالوحید سلفی ۱۹۲۴ء،

۱۹۸۹ء وغیرہم، مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند داعیان جماعت ہند کی سر پرستی میں انھیں شخصیات نے جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم بنارس کی تاسیس کی، ان میں مولانا عبدالوحید سلفی تا حیات جامعہ سلفیہ کے ناظم اعلیٰ کے فرائض بحسن تدبیر انجام دیتے رہے، جس سے اشاعت سنت نبویہ بنارس میں نئے دور میں داخل ہوئی اور جس کے اثرات ملک اور بیرون ملک میں نہایت نمایاں ہیں۔

جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم بنارس کا سنگ بنیاد ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء میں نہایت تزک واحتشام کے ساتھ رکھا گیا، اس وقت کے قائد جماعت علامہ عبدالوہاب آروی کی درخواست کے جواب میں جلالۃ الملک سعود بن عبدالعزیز نے ہندوستان میں سعودی سفیر عزت مآب عبداللہ بن یوسف الفوزان کو حکم فرمایا کہ: الشیخ عبدالوهاب الآروی یدعوك فاجبه، اس طرح پورے ملک کے علماء داعیان جماعت کے ہزاروں کے مجمع میں، ''الله اکبر'''' ربنا تقبل منا'' کی صداؤں کے ساتھ سفیر محترم نے سنگ بنیاد رکھا، اس تاسیس کی تقریب کے موقع پر سفیر محترم نے جلالۃ الملک کے تاثرات اور پیغام پیش فرمائے اور خود اپنا پیغام بھی موسسین اور جماعت کو نہایت برادرانہ جذبات کے ساتھ پیش کیا، محترم سفیر نے فرمایا کہ: جلالۃ الملک اس جامعہ کی تأسیس پر دلی مبارکباد دیتے ہیں، بہت خوش ہیں کہ یہاں ایک جامعہ کھل رہا ہے جو ایک چراغ ہوگا توحید کا، اس کی روشنی فقط اس شہر ہی میں نہیں بلکہ اس ملک اور اس ملک کے پڑوس کے ملکوں میں پھیلے گی، میرا دل اور دعائیں ہمیشہ آپ کے ساتھ ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق دے کہ سلف صالحین کی سنت کو ہمیشہ قائم اور توحید کا علم بلند رکھیں۔

اس کے بعد سفیر محترم نے ایک خاص بات یہ فرمائی کہ میں یہاں سے جانے کے بعد آپ کے تقدم اور ترقی کی طرف ہمیشہ دیکھتا رہوں گا، میں تو سنگ بنیاد کے موقع پر آیا ہوں، لیکن امید کرتا ہوں کہ دوبارہ جب میں آؤں گا تو اس جگہ اساتذہ، طلباء، لائبریریاں اور کئی چیزیں ہوں گی، اور یہ جگہ بالکل تنگ ہو جائے گی، آس پاس کے لوگ کہیں گے کہ صاحب ذرا آگے بڑھیے، یہ بھی آپ کے لیے ہے، وہ بھی آپ کے لیے ہے۔ (ترجمان دہلی تاسیس نمبر)

علامہ عبدالمجید الحریری نے اس موقع کی مناسبت سے کہا: میں سب سے زیادہ زور معاملہ کے جس پہلو پر دوں گا، وہ یہ ہے کہ آپ صورت کی تزیین وآرائش سے کہیں زیادہ روح ومعنی کی زندگی اور بقا کو دیں، اور مولانا عبدالمتین بنارسی نے تاسیسی خطاب میں فرمایا: جس کے چند حصوں کا اختصار انھیں کے الفاظ میں یہ ہے: آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس نے تجویز پاس کی کہ ملک میں ایک مرکزی تعلیمی ادارہ قائم کیا جائے، یہ منصوبہ تھا کوئی ایسی درسگاہ ہو جہاں قرآن وحدیث کی اعلیٰ ترین تعلیم کے ساتھ زبان عربی اور ادب عربی کی بھی اعلیٰ ترین تعلیم ہو، جہاں تصنیف وتالیف کا

بھی ایک شعبہ ہو، جہاں سے حدیثوں کی کتابوں کی نشر واشاعت اور اس کی طبع کا بھی انتظام ہو، اور جس سے ملک کے مختلف مدارس اور مکاتب ایک رشتے میں جڑے ہوئے ہوں، ایک نقطۂ اجتماع ہو جہاں ملک کے دوسرے مدارس کے مہتممین جمع ہوکر، تعلیم، نصاب تعلیم اور تعلیم کے نصب العین سے متعلق مشورہ کریں، اور ایک نصاب عمل بنائیں، جس کے ماتحت تمام مدارس میں تعلیم کی یکسانیت پیدا ہو، ہم نے شہر بنارس کی اس زمین کو موزوں ترین تصور کیا، اور اہلحدیث کانفرنس کو لکھا کہ زمین حاضر ہے، اگر آپ مرکزی دارالعلوم بنوانا چاہیں تو قدم اٹھائیے، انتظار کے بعد جب کوئی عملی قدم اٹھتا نظر نہیں آیا، تو ہمارے نوجوانوں نے کہا کہ: کانفرنس ہمیں اجازت دے ہم خود جدوجہد کریں، اہلحدیث کانفرنس ہمیں اپنے نام کی سرپرستی عطا کرے تاکہ یہ معلوم ہو کہ یہ ادارہ اہلحدیث کانفرنس کی اسی تجویز کی تعمیل میں قائم ہورہا ہے.....ہمارے اس دارالعلوم میں جو تعلیم ہوگی اس کا اصول یہی ہوگا کہ کتاب اللہ اور سنت رسول کی تعلیم مقدم ہوگی۔ (ترجمان دہلی تاسیس نمبر)

جامعہ سلفیہ کا تعلیمی افتتاح ۱۳۸۵/ ۱۹۶۶ء کو ہوا، جلالۃ الملک فیصل کے حکم سے سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کی نیابت کرتے ہوئے فضیلۃ الشیخ عبدالقادر شیبۃ الحمد پروفیسر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ نے تعلیم کا افتتاح فرمایا، سماحۃ الشیخ علامہ ابن باز وائس چانسلر مدینہ یونیورسٹی نے یہ مسرت انگیز خبر بھی دی کہ جلالۃ الملک نے جامعہ سلفیہ کے لیے دو استاد دینا بھی منظور کیا ہے، پروفیسر شیخ عبدالقادر شیبۃ الحمد نے طلباء کو صحیح بخاری کی پہلی حدیث "إنما الأعمال بالنيات" الخ کا بہترین علمی، دینی وتربیتی درس دے کر جامعہ سلفیہ کا تعلیمی افتتاح فرمایا۔ (ترجمان دہلی افتتاح نمبر)

جامعہ سلفیہ کی انتظامیہ نے علوم حدیث کی تدریس اور اشاعت سنت کے اپنے تاسیسی مقصد کے حصول کے لیے اس کے اعمال کو مختلف شعبہ جات میں تقسیم کرکے مسلسل جدوجہد کی ہے، تدریس کے اصل شعبہ کے علاوہ ''ادارۃ البحوث الإسلامیہ والدعوۃ والإفتاء'' کا مہتم بالشان ادارہ قائم کرکے اس کے ذیل میں شعبۂ تحقیق، ترجمہ وتصنیف و تالیف، اور شعبۂ دعوت وتبلیغ اور شعبۂ افتاء جیسے اہم شعبہ جات الگ الگ قائم کئے، صحافت کا شعبہ بھی مستقل طور پر قائم ہے، ان تمام شعبہ جات کے لیے موزوں اور باصلاحیت افراد کی تعیین ہمیشہ کی جاتی رہی ہے، اور یہ کوشش رہی ہے کہ تصنیف وترجمہ وتالیف وتحقیق، دعوت وتبلیغ اور افتاء کے اعمال کی عالمانہ وسلفیانہ شان اور ثقاہت قائم رہے اور سارے اعمال نہایت تیز رفتاری سے رواں دواں ہوں۔

۱-شعبۂ تدریس

یہ شعبہ جامعہ سلفیہ کے قیام کی اصل ہے، تدریس حدیث واشاعت سنت کے اساسی مقصد کے حصول کے لیے رئیس الجامعۃ شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ رحمانی مبارکپوری کی نگرانی میں وقت کے ماہرین علوم وفنون علماء کے مشورہ سے جامع نصاب تعلیم مدون کیا گیا جس میں بلوغ المرام اور مشکوۃ المصابیح سے لے کر صحاح ستہ مع موطأ امام مالک مختلف مراحل تعلیم میں آغاز سے لے کر آج تک شامل نصاب رکھی گئی ہیں اور مقصد اصلی کے طور پر ان کی تدریس کے لیے باذوق اساتذہ کرام کو مامور کیا گیا ہے، چونکہ جامعہ سلفیہ میں عموماً منتخب طلباء کو داخل کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے، اس لیے علوم الحدیث کا ذوق وشوق ان کے یہاں سب سے زیادہ نمایاں بلکہ فائق ہوتا ہے، نصاب تعلیم میں اصلاحات کی بنیاد پر اب عالم عرب کے طرز پر علوم الحدیث کی مفصل کتابیں اور تخریج حدیث کے جدید مادے بھی تدریس حدیث کے نصاب میں شامل کئے گئے ہیں جو طلباء کے لیے بڑے مفید ثابت ہو رہے ہیں، حدیث کی کتابیں رواجی طریقہ تدریس کے مطابق پوری ختم کرائی جاتی ہیں جس سے زیادہ محنتی طلباء بھرپور نفع اٹھاتے ہیں، اور مرور کا طریقہ تدریس ان کے لیے موسم بہار کی بارش کی طرح پھل دے جاتا ہے، سعودیہ عربیہ کے جامعات کی طرح تدریس حدیث کا انتہائی نفع بخش طریقہ ابھی تک جاری نہیں کیا جاسکا ہے، منتظمین جامعہ نے کوشش کی تھی کہ امام العصر فی الحدیث وعلومہ امام ناصر الدین البانی کو حدیث اور اس کے علوم کی سعودیہ عربیہ کے جدید طریقۂ تدریس کے مطابق تعلیم وتدریس کے لیے جامعہ سلفیہ بنارس میں لایا جائے لیکن مختلف اسباب واعذار کی بنا پر اس میں کامیابی نہیں ہوسکی، شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ رحمانی اور علامہ نذیر احمد رحمانی شیخ الحدیث جامعہ رحمانیہ بنارس سے بھی گذارش کی گئی تھی لیکن ان حضرات کے بھی اپنے اعذار تھے جو اس سے مانع رہے، لیکن الحمدللہ سعودیہ عربیہ کے مفتی اعظم علامہ ابن باز کے خصوصی لگاؤ اور جدوجہد سے جلالۃ الملک کے حکم سے آدھے درجن سے زائد فاضل عرب اساتذہ وقتاً فوقتاً جامعہ سلفیہ میں تدریس کے لیے تشریف لاتے رہے ہیں جن میں فضیلۃ الشیخ صالح العراقی، فضیلۃ الدکتور ربیع ہادی المدخلی، فضیلۃ الشیخ مقبل بن ہادی الیمانی، فضیلۃ الشیخ عبداللہ غنیمان، فضیلۃ الشیخ علی مشرف اور فضیلۃ الشیخ عبداللہ المحسن شامل ہیں، ان کے علاوہ ملک کے علم حدیث میں فائق اور ممتاز اساتذہ کو جامعہ میں درس حدیث کے لیے مقرر کرنے کا رجحان منتظمین جامعہ کے یہاں غالب تھا، ذیل میں خاصۃ صحیحین کا درس آغاز سے اب تک جن فائق اساتذہ نے دیا ہے ان کے اسماء گرامی کا ذکر کیا جاتا ہے:

۱-حضرت مولانا احمداللہ رحمانی مرشدآباد بنگال

۲-حضرت مولانا شمس الحق سلفی ۱۳۳۳ھ، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۱۵ء، ۱۹۸۶ء، تلمیذ مولانا احمد اللہ پرتاب گڈھی تلمیذ سید نذیر حسین محدث دہلوی۔

۳-حضرت مولانا عظیم اللہ مئوی ۱۳۳۱ھ، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء، تلمیذ مولانا احمد مئوی، تلمیذ سید نذیر حسین محدث دہلوی۔

۴-شیخ صالح العراقی (عرب استاد)

۵-شیخ عبداللہ غنیمان (// //)

۶-مولانا عابد حسن رحمانی (۱۹۲۴ء، ۲۰۰۹ء) تلمیذ مولانا نذیر احمد املوی

۷-مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی (۱۹۱۶ء، ۱۹۷۸) تلمیذ شیخ عبید اللہ رحمانی

۸-مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری ۱۹۴۲ء، ۲۰۰۶ء صاحب الرحیق المختوم تلمیذ مولانا شمس الحق سلفی

۹-مولانا محمد رئیس ندوی ۱۹۳۸ء، ۲۰۰۹ء، صاحب اللمحات، تلمیذ مولانا ابوالحسن علی ندوی

۱۰-مولانا انیس الرحمٰن اعظمی مدنی ولادت ۱۹۴۱ء

۱۱-مولانا عبدالسلام مدنی ولادت ۱۹۴۴ء تلمیذ مولانا نذیر احمد رحمانی

۱۲-مولانا عبدالوہاب حجازی ولادت ۱۹۴۶ء، تلمیذ مولانا شمس الحق سلفی، مولانا عظیم اللہ مئوی، شیخ صالح العراقی

۱۳-مولانا عزیز الرحمٰن سلفی ولادت ۱۹۴۹ء، تلمیذ مولانا شمس الحق سلفی، مولانا عظیم اللہ مئوی، شیخ صالح العراقی

۱۴-ڈاکٹر رضاء اللہ مبارکپوری (۱۹۵۳ء، ۲۰۰۳ء) تلمیذ مولانا شمس الحق سلفی

۱۵-مولانا محمد حنیف فیضی مدنی ۱۳۵۸ھ، ۱۴۳۳ھ/ ۱۹۵۱ء، ۲۰۱۲ء، تلمیذ مولانا مفتی حبیب الرحمٰن مئوی

۱۶-مولانا علی حسین سلفی ولادت ۱۹۵۵ء، تلمیذ مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری

۱۷-مولانا عبید اللہ طیب مکی ولادت ۱۹۵۳ء، تلمیذ مولانا شمس الحق سلفی

۱۸-مولانا نعیم الدین مدنی ولادت ۱۹۵۴ء تلمیذ مولانا شمس الحق سلفی

جامعہ سلفیہ میں حدیث وعلوم حدیث کا فیض حاصل کرنے والے طلباء کی تعداد ہزاروں میں ہے، اور ان میں سے تقریبا ڈیڑھ سو اعلیٰ تعلیم کے لیے سعودیہ عربیہ کے جامعات میں داخل ہوئے جن میں سے درجنوں نے ایم، اے اور ڈاکٹریٹ تک کی ڈگریاں حاصل کیں اور ان میں سے زیادہ تر کے اختصاصی موضوعات حدیث علوم حدیث اور عقیدہ وفقہ ہیں، کئی ایک سعودی جامعات اور دیگر بلاد عرب میں پروفیسر مقرر ہوئے، بہت سوں نے بحث وتحقیق اور دعوت وتبلیغ کا میدان عمل اختیار کیا، جامعہ سلفیہ کے فارغین اور فضلاء ملک کے اندر بھی ممتاز مانے جاتے ہیں۔ امامت،

خطابت، بحث وتحقیق، تدریس ہر شعبہ میں ان کا ایک مقام ہے، اور معاشرہ میں ان کو عزت ووقار کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

۲-شعبۂ تحقیق وتصنیف وتالیف

بحث وتحقیق اور صحافت کا شعبہ جامعہ سلفیہ میں عرصہ سے قائم ہے، اس شعبہ کو فعال بنانے کے لیے سلفیہ پریس لیتھو وبرقی کا انتظام کیا گیا، اس شعبہ کی طرف سے اب تک تین سو سے زیادہ مطبوعات شائع ہوکر مقبول عام ہوچکی ہیں جو اردو، عربی، انگریزی اور ہندی متعدد زبانوں میں ہیں، یہ مطبوعات عقیدہ، تفسیر وعلوم تفسیر، حدیث وشروح حدیث اور علوم حدیث، سنت وسلفیت کے دفاع، سیرت نبوی، ہندوستان میں سلفی فکر کی تاریخ، اسلامی تربیت وثقافت، فرق ومذاہب، ادب عربی، قواعد وبلاغت عربی، اردو ادب، عروض اور منطق وفلسفہ جیسے موضوعات پر مشتمل ہیں، اس شعبہ کے روح رواں ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری تھے جو خود بڑے صاحب قلم وادیب، جامعہ سلفیہ کے ماہر استاد وکیل الجامعہ اور پھر رئیس الجامعہ تھے۔ یہ شعبہ تدریس کی طرح اصلا اشاعت سنت ہی کے لیے قائم ہوا ہے اس لیے حدیث وتفسیر کے ساتھ دیگر معاون علوم وفنون کی کتابیں بھی سلفیہ پریس اور ادارۃ البحوث سے شائع ہوئیں، ہم یہاں حدیث وشروح حدیث اور علوم حدیث کے موضوع پر طبع شدہ کتابوں کا نہایت اجمالی تذکرہ کررہے ہیں، جس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جامعہ سلفیہ نے تصنیف وتالیف کے ذریعہ بھی اپنے مقصد اصلی اشاعت سنت کو زندہ رکھا اور پروان چڑھایا ہے۔

۱- مرعاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح للشيخ العلامة عبيدالله الرحمانى المباركفورى، یہ شرح ۹/ جلدوں میں طبع ہوئی ہے، اور مشکوۃ کی بے نظیر شرح ہے۔

۲-كتاب الاباطيل والمناكير والصحاح والمشاهير للجوزقانى: تحقیق ڈاکٹر عبدالرحمٰن فریوائی، دوجلدوں میں۔

۳-بين الامامين مسلم والدارقطنى: تصنیف ڈاکٹر ربیع ہادی مدخلی

۴-اتحاف الكرام بشرح بلوغ المرام: تالیف علامہ صفی الرحمٰن مبارکپوری

۵-انعام المنعم البارى بشرح ثلاثيات البخارى: تالیف مولانا عبدالصبور بن عبدالتواب ملتانی

۶-زهد الثمانية من التابعين رواية ابن أبى حاتم الرازى: تحقیق ڈاکٹر عبدالرحمٰن فریوائی

۷- التعليقات السلفية على سنن النسائى: تالیف العلامہ محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی

۸-جائزة الأحوذی فی التعلیقات علی سنن الترمذی: تالیف الشیخ ثناء اللہ خان المدنی، بتصحیح الشیخ عبدالوھاب الحجازی والشیخ علی حسین السّلفی

ان کے علاوہ علوم حدیث، دفاع سنت وسلفیت، سیرت نبوی، فقہ الحدیث وفتاویٰ اور سیر وتراجم پر متعدد زبانوں میں سو سے زیادہ کتابیں طبع ہوکر اہل علم کے یہاں مقبول ہو چکی ہیں، خدمت سنت واشاعت حدیث کے موضوع پر یہ جامعہ سلفیہ کی مطبوعات ہیں۔ان کے علاوہ جامعہ سلفیہ کے جن فضلاء کو بلاد عرب کے تعلیمی وتحقیقی مراکز علمیہ میں تصنیف وتحقیق کے مواقع حاصل ہوئے، ان کی تصنیفات وتحقیقات سیکڑوں میں ہیں، اور اپنے معیاری علمی اعمال کی وجہ سے عالم اسلام میں معروف ومقبول ہیں، ساری کتابوں کا تذکرہ اس مختصر مقالے میں امر دشوار ہے، البتہ چند کا ذکر بطور مثال کیا جاتا ہے۔

۱-الضعفاء والمتروکون ومروياتهم فی سنن النسائی: تالیف وتحقیق ڈاکٹر وصی اللہ محمد عباس فاضل جامعہ سلفیہ، پروفیسر ام القری یونیورسٹی مکہ مکرمہ۔

۲- الأحاديث الواردة فی المهدی: تالیف وتحقیق ڈاکٹر عبدالعلیم بستوی کارکن رابطہ عالم اسلامی مکہ

۳-مجمع البحرين فی زوائد المعجمين للهيثمی: تحقیق فضیلۃ الشیخ عبدالقدوس محمد نذیر باحث عدالت علیاء ریاض۔

۴-مسند البزار: تحقیق ڈاکٹر محفوظ الرحمٰن بن زین اللہ سلفی داعی متحدہ عرب امارات

۵- مسائل الامام أحمد براوية ابنه صالح: تحقیق ڈاکٹر فضل الرحمٰن دین محمد شیخ الجامعہ جامعہ محمدیہ مالیگاؤں

۶-بعض أجزاء مشكل الآثار للطحاوی: تحقیق ڈاکٹر جاوید اعظم عبدالعظیم بنارسی سابق رئیس جامعہ سلفیہ، بنارس

۷- شيخ الإسلام ابن تيمية وافاداته فی علوم الحديث: تالیف ڈاکٹر عبدالرحمٰن فریوائی، پروفیسر جامعۃ الامام محمد ریاض، موصوف علوم حدیث کی درجنوں کتابوں کے محقق ومولف ہیں۔

۸-كتاب الفتن لأبی عمرو الدانی المقری: تحقیق ڈاکٹر رضاء اللہ مبارکپوری سابق شیخ الجامعہ، جامعہ سلفیہ، بنارس

۹-مرويات أم سلمة من مسند الإمام احمد: تحقیق شیخ عبیداللہ طیب بنارسی استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

۱۰-اللآلی المنثورة فی الأحادیث المشهورة للزرکشی: تحقیق ڈاکٹر عزیر شمس موصوف حدیث اور علوم حدیث کی درجنوں کتابوں کے محقق ہیں۔

۱۱-زوابع فی وجه السنة قدیما وحدیثا: تالیف شیخ صلاح الدین مقبول، داعی کویت

۱۲- الإرشاد إلى علم الحدیث للنووي: تحقیق ڈاکٹر عبدالباری فتح اللہ پروفیسر جامعۃ الامام، محمد ریاض

۱۳-البدر المنیر لابن الملقن: تحقیق مشترک ڈاکٹر محمد اقبال محمد اسحٰق بسکوہری رئیس قسم الحدیث جامعہ محمدیہ مالیگاؤں وبعض اصحابہ

۱۴- غایة المقصود فی شرح سنن أبی داؤد: تحقیق مشترک شیخ ابوالقاسم عبدالعظیم و دکتور محمد عزیر شمس

۱۵- مرویات سمرة بن جندب فی مسند الإمام احمد: تحقیق ڈاکٹر عبدالعزیز بن عبیداللہ رحمانی مبارکپوری

۱۶-الذخیرة فی الأحادیث الضعیفه والموضوعة لابن طاهر المقدسی: تحقیق مشترک شیخ احمد مجتبی نذیر عالم وڈاکٹر عبدالرحمٰن فریوائی (جهود مخلصة فی خدمة السنة المطهرة للفریوائی)

۳-شعبۂ صحافت

جامعہ سلفیہ کی صحافتی خدمات اور ان کے ذریعہ اشاعت سنت وترویج منہج سلف بھی کافی اہمیت کی حامل ہیں، جامعہ نے اردو اور عربی دو زبانوں میں اپنے مجلّات مسلسل تقریبا آغاز ہی سے شائع کئے ہیں، شروع میں اردو سہ ماہی مجلّہ صوت الجامعہ کے نام سے شائع ہوا تھا، جس کے مدیر مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی تھے، یہ ۱۹۷۳ء تا ۱۹۷۶ء شائع ہو کر علمی حلقوں میں مقبول ہوا تھا، پھر ۱۹۸۲ء تا ۱۹۸۸ء ماہنامہ محدث کے نام سے شائع ہونا شروع ہوا جس کے مدیر مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری تھے، موصوف کے مدینہ منورہ بغرض ملازمت چلے جانے کے بعد سے تا حال اسکے مدیر مولانا عبدالوہاب حجازی ہیں، اس مجلّہ نے ہندوستان میں اشاعت سنت اور سلفی منہج کی خدمت میں شاندار کردار ادا کیا ہے، اس کے معروف اہل قلم مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی، مولانا ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری، مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری، مولانا عبدالوہاب حجازی، مولانا محمد رئیس ندوی، صوفی نذیر احمد کاشمیری، مولانا اصغر علی امام مہدی، ڈاکٹر

عبدالرحمٰن فریوائی، مولانا اسعد اعظمی وغیرھم ہیں۔ مجلّہ محدث کے چند مخصوص دستاویزی شمارے ہیں جو وقت کے اہم دعوتی، تعلیمی اور مسلم مسائل اور تراجم پر مشتمل ہیں، ان میں سے بعض کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

۱-شاہ فیصل نمبر صوت الجامعہ	۱۹۷۵ء			
۲-موتمر الدعوۃ والتعلیم نمبر	۱۹۸۱ء	مرتبہ مولانا عبدالوہاب حجازی		
۳-موسم ثقافی نمبر	۱۹۸۱ء	//	//	//
۴-خلیجی بحران نمبر محدث	۱۹۹۱ء	//	//	//
۵-مولانا عبدالوحید سلفی نمبر محدث	۱۹۹۱ء	//	//	//
۶-بابری مسجد نمبر	۱۹۹۳ء	//	//	//
۷-صحافت کانفرنس نمبر	۱۹۹۳ء	//	//	//
۸-شیخ الحدیث نمبر	۱۹۹۷ء	//	//	//
۹-دکتور رضاء اللہ نمبر	۲۰۰۳ء	//	//	//
۱۰-شیخ محمد بن عبدالوہاب نمبر	۲۰۱۰ء	//	//	//

عربی مجلّہ نومبر ۱۹۶۹ء میں صوت الجامعہ کے نام سے شروع ہوا، ۱۹۷۶ء میں مجلۃ الجامعۃ السلفیۃ نام پڑا، ۱۹۸۶ء میں نشرۃ الجامعۃ السلفیۃ کے نام سے شائع ہوا، اور ۱۹۸۸ء سے تاحال صوت الامۃ کے نام سے شائع ہو رہا ہے، اس کے مدیر مسئول تقریبا آغاز سے ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری رہے ہیں، ان کے انتقال کے بعد سے یہ ذمہ داری مولانا حافظ اسعد اعظمی نبھا رہے ہیں، اس مجلّہ نے ہندوستان اور بلاد عرب میں سلفی پہچان بنائی ہے اور اشاعت کتاب وسنت میں اہم رول ادا کیا ہے، اس کے اہم اصحاب قلم یہ حضرات ہیں سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز، ڈاکٹر محمد بن سعد الشویعر، فضیلۃ الدکتور مقتدیٰ حسن ازہری، دکتور تقی الدین ہلالی، فضیلۃ الشیخ ربیع بن ہادی المدخلی، معالی الدکتور صالح بن عبداللہ حمید، مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری، فضیلۃ الشیخ عبدالمحسن العباد، معالی الدکتور صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ، فضیلۃ الدکتور عبدالعلیم عبدالعظیم البستوی اور فضیلۃ الدکتور عزیر شمس وغیرہم۔

اس کے چند خصوصی شمارے درج ذیل ہیں:

۱-	موتمر رسالة المسجد المنعقد بمكة المكرمة	نومبر ۱۹۷۵ء
۲-	الموتمرالعالمی لتوجيه الدعوة و اعداد الدعاة:المنعقد بالجامعة الإسلامية بالمدينة المنورة	اپریل ۱۹۷۷ء
۳-	موتمرالدعوة والتعليم المنعقد بالجامعة السلفية، بنارس	فروری،مئی ۱۹۸۰ء
۴-	الموسم الثقافی فی الجامعة السلفية، بنارس	فروری،مارچ ۱۹۸۱ء
۵-	حفل توزيع الشهادات بالجامعة السلفية، بنارس تحت رئاسة الدكتور عبدالله بن عبدالمحسن التركی	جولائی ۱۹۸۶ء
۶-	الندوة العلمية حول حياة شيخ الإسلام ابن تيميةو اعماله الخالده بالجامعة السلفية، بنارس	اکتوبر،دسمبر ۱۹۸۷ء
۷-	قدسية الحرمين الشريفين و موقف السنةوالشيعة منها	جنوری،فروی ۱۹۸۸ء
۸-	الموتمر العالمی عن السيرة النبوية العطرة المنعقد بالجامعة السلفية، بنارس	جنوری،فروری ۱۹۹۲ء
۹-	الملتقى الاول للدعاة بالهند	نومبر،دسمبر ۱۹۹۸ء
۱۰-	موتمرالمملكة العربية السعودية فی مائة عام	اپریل،مئی ۱۹۹۹ء
۱۱-	فقيدالأمة وامام العصر الشيخ ابن باز رحمه الله	جون،جولائی ۱۹۹۹ء
۱۲-	الندوة العالمية عن جهود خادم الحرمين الشريفين الملك فهد بن عبدالعزيز اٰل سعود فی خدمة الإسلام والمسلمين	مئی ۲۰۰۲ء
۱۳-	الموتمرالإسلامی العالم الرابع: الأمة الإسلامية والعولمة، عقدته رابطة العالم الإسلامی بمكة المكرمة	جون ۲۰۰۲ء
۱۴-	موتمر أهل الحديث العالمی فی باكور جار خند	جون،جولائی ۲۰۰۴ء

۴-شعبۂ افتاء

جامعہ سلفیہ کے تعلیمی افتتاح کے ساتھ ہی شعبۂ افتاء کا قیام عمل میں آیا ہے، اور ہمیشہ مفتی جامعہ کے فتاوے اکناف واطراف ہندوستان میں حسب استفتاء پہونچتے رہے ہیں، یہ سوالات اعتقادات، عبادات جیسے نماز، روزہ، حج اور زکوۃ معاملات نکاح، طلاق، رضاعت، وراثت بیع وشراء وغیرہ مختلف امور سے متعلق ہوا کرتے ہیں، سوالات کے جوابات بروقت دینے کی سعی کی جاتی ہے اور جوابات کتاب وسنت آثار واقوال سلف وائمہ صالحین کے مطابق دینے کی پابندی کی جاتی ہے، سالانہ اس طرح کے سوالات سیکڑوں کی تعداد میں موصول ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جامعہ کے فتاویٰ کی نقول ہزاروں صفحات پر مشتمل چالیس رجسٹروں میں درج ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی طباعت کی راہ آسان فرمائے۔

آغاز سے جن علماء کرام نے فتاوی کے اعمال انجام دیئے ہیں ان میں سے کچھ اہم شخصیات کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

۱-حضرت مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی

۲-حضرت مولانا شمس الحق سلفی

۳-حضرت مولانا ابوالوفاء محمد عظیم اللہ مئوی

۴-مولانا محمد رئیس ندوی

۵-مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری

۶-مولانا محمد حنیف مدنی

۷-مولانا احمد مجتبیٰ سلفی

۸-مولانا نعیم الدین مدنی

۹-مولانا علی حسین سلفی

۱۰-مولوی نور الہدی سلفی

۵-شعبۂ دعوت وتبلیغ

ادارۃ البحوث الإسلامیہ کا یہ ذیلی شعبہ آغاز ہی سے نہایت مستعد رہا ہے، اور دعوت کے فریضہ کا شرعی تقاضا بھی یہی ہے کہ اس میں سستی اور غفلت روا نہ رکھی جائے، جہاں تک شہر اور آس پاس کی مساجد میں خطبات جمعہ کی بات ہے تو منتخب اساتذہ کرام ہمیشہ اس فریضہ کو ادا کرتے رہے ہیں، الحمد للہ علماء سابقین کی طرح بروقت شہری علماء کی بھی ایک مستعد ومنتخب جماعت اس کے لیے تیار رہتی ہے، متعدد سلفی مقامی تنظیموں کی طرف سے اجلاس اور مساجد میں دروس کا اہتمام کیا جاتا ہے جس میں جامعہ کے اساتذہ کی شرکت ضرور ہوتی ہے، یہ خطبات اور تقاریر خالص سلفی منہج کے مطابق کتاب وسنت اور آثار سلف کی روشنی میں ہوا کرتی ہیں مقامی اجلاسوں کے علاوہ ملک کے گوشے گوشے سے بڑی بڑی کانفرنسوں، اجتماعات اور علمی سیمیناروں میں جامعہ کی خصوصی نمائندگی کے لیے عموما دعوت نامے موصول ہوتے ہیں، جن میں شرکت کے لیے منتخب اساتذہ کرام کو جامعہ کے صرفہ پر بھیجا جاتا رہا ہے، اندرون ملک کی ان کانفرنسوں اور سیمیناروں میں دعوت وتبلیغ یا مقالات کی خواندگی کے لیے جن اساتذہ کرام کی خدمات وسیع ہیں اور انھیں شہرت وپذیرائی حاصل رہی ہے ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

۱-حضرت مولانا شمس الحق سلفی

۲-مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری

۳-ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری

۴-مولانا عبدالوہاب حجازی

۵-مولانا عبدالسلام مدنی، ملک کے باہر کی کانفرنسوں میں عموما ڈاکٹر ازہری صاحب اور کبھی مولانا صفی الرحمٰن صاحب نے شرکت کی ہے۔

جامعہ سلفیہ کے تبلیغی نشاطات ومساعی میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ یہاں کے منتظمین نے اجلاس تاسیس اور اجلاس افتتاح تعلیم کے تاریخ ساز اجتماعات کے بعد مختلف مواقع اور تقریب سے متعدد عالمی اور ملکی پیمانہ کی موتمرات اور سیمینار منعقد کئے جو اپنے اثرات اور فوائد کے اعتبار سے نہایت کامیاب ثابت ہوئے، جن سے جامعہ سلفیہ کو کافی قوت حاصل ہوئی اور مسلک اور کتاب وسنت کی اشاعت میں بڑی مدد ملی، ذیل میں کچھ موتمرات، اجتماعات اور سیمیناروں کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱-تقسیم اسناد کا پہلا اجلاس، شعبان ۱۳۸۹ھ/ اکتوبر، نومبر ۱۹۶۹ء

۲-موتمر الدعوۃ والتعلیم العالمی، ربیع الآخر ۱۴۰۰ھ/ فروری ۱۹۸۰ء

۳-موسم ثقافی اول، ۲۰ تا ۲۹ ربیع الآخر ۱۴۰۱ھ/ ۲۶/ فروری تا ۷/ مارچ ۱۹۸۱ء

۴-کانفرنس بعنوان: اسلامی علوم وفنون میں ہندوستانی مسلمانوں کا کردار، رجب ۱۴۰۶ھ/ اپریل ۱۹۸۶ء

۵-اجلاس تقسیم اسناد، رجب ۱۴۰۶ھ/ اپریل ۱۹۸۶ء

۶-الندوۃ العالمیۃ عن حیاۃ شیخ الإسلام ابن تیمیہ واعمالہ الخالدۃ، ۲۹ ربیع الاول، ۱، ۲/ ربیع الآخر ۱۴۰۸ھ/ ۲۲، ۲۴ نومبر ۱۹۸۷ء

۷-موتمر السیرۃ النبویۃ العطرۃ، ۱۸، ۱۹ ربیع الآخر ۱۴۱۲ھ/ ۲۷، ۲۸/ اکتوبر ۱۹۹۱ء

۸-اسلامی صحافت کانفرنس ۶، ۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ/ ۲، ۳ نومبر ۱۹۹۲ء

۹-الندوۃ العالمیۃ عن حیاۃ العلامۃ النواب صدیق حسن خان واعمالہ الخالدۃ ۳۰، ربیع الاول ا ربیع الآخر ۱۴۲۷ھ/ ۲۹، ۳۰ اپریل ۲۰۰۶ء

۱۰-شیخ محمد بن عبدالوہاب پر سیمینار، ۲۰۱۰ء

۱۱-موتمر السنۃ النبویۃ والسلام العالمی (سنت نبوی اور امن عالم) ۳، ۴ جمادی الاولی ۱۴۳۴ھ/ ۱۶، ۱۷ مارچ ۲۰۱۳ء

دعوت وتبلیغ کے تعلق سے یہ بات بھی جامعہ سلفیہ کے خصائص میں سے ہے کہ اس کے بعض منتظمین نیز اس کے متعدد باصلاحیت اساتذہ وفضلا ہندوستانی جماعت اہلحدیث کے سب سے بڑے دعوتی وتبلیغی ادارہ ''مرکزی جمعیۃ اہلحدیث ہند'' کے اہم ترین مناصب پر بھی فائز ہوئے، اور اس عظیم الشان جماعتی سلفی پلیٹ فارم سے دعوت کتاب وسنت کی خدمات وفرائض حسب امکان ادا کئے، ذیل میں ان شخصیتوں کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱-حضرت مولانا عبدالوحید عبدالحق سلفی ناظم اعلیٰ جامعہ سلفیہ، بنارس ۱۹۷۹ء سے ۱۹۸۹ء تا وفات مرکزی جمعیہ اہلحدیث ہند کے امیر رہے، اس عرصہ میں آپ کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ مرکزی جمعیۃ کو ''اہل حدیث منزل'' کے نام سے ایک بلڈنگ عطا کی، جو جامع مسجد دلی کے مخصوص علاقہ میں واقع ہے۔

۲-حضرت مولانا عبدالحمید رحمانی استاد جامعہ سلفیہ بنارس ولادت ۱۹۴۳ء تلمیذ مولانا نذیر احمد رحمانی، آپ

۱۹۷۱ء سے ۱۹۷۴ء تک مرکزی جمعیۃ اہلحدیث کے ناظم اعلیٰ رہے، آپ کے دور میں دعوت وتبلیغ کے عمل پر کافی زور دیا گیا تھا۔

۳-حضرت مولانا انیس الرحمٰن اعظمی مدنی ولادت ۱۹۴۱ء استاد جامعہ سلفیہ، بنارس، مارچ ۱۹۸۲ء سے ۱۹۸۵ء تک مرکزی جمعیۃ اہلحدیث ہند کے ناظم اعلیٰ رہے۔

۴-حضرت مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری جولائی ۱۹۹۸ء سے اگست ۲۰۰۰ء تک مرکزی جمعیۃ اہلحدیث ہند کے امیر رہے۔

۵-حضرت مولانا رضاء اللہ مبارکپوری استاد و شیخ الجامعہ جامعہ سلفیہ، بنارس (۱۹۵۳ء-۲۰۰۳ء) موصوف انتقال کے وقت مرکزی جمعیۃ اہلحدیث ہند کے نائب امیر تھے۔

۶-حضرت مولانا اصغر علی امام مہدی ولادت ۱۹۶۳ء آپ ۲۰۰۱ء سے تا حال مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند کے ناظم اعلیٰ ہیں، آپ کے دور میں مرکزی جمعیت کے اوکھلا مرکز میں ''المعهد العالی للتخصص فی الحدیث'' کا افتتاح ہوا جو مسلسل جاری ہے، نیز اردو ہندی، انگریزی اور عربی میں الگ الگ ناموں سے مختلف جرائد ومجلّات جاری کئے گئے جو مسلسل نکل رہے ہیں، نیز بڑی تعداد میں کئی زبانوں میں مختلف دینی موضوعات پر منہج کتاب وسنت پر مبنی کتابیں طبع ہوکر ملک میں پہونچیں، نیز بڑی بڑی ال انڈیا کانفرنسیں اصحاب رسول ﷺ وغیرہ موضوعات پر نہایت کامیابی کے ساتھ منعقد ہوئیں۔

۷-حضرت مولانا رضاء اللہ بدایونی ولادت ۱۹۵۷ء، پاکوڑ کانفرنس ۲۰۰۴ء کے پس وپیش نائب ناظم مرکزی جمعیۃ رہے۔

اشاعت سنت نبویہ سے متعلق جامعہ سلفیہ کی خدمات کے موضوع پر اس مقالے میں باختصار روشنی ڈالی گئی ہے، تقریبا نصف صدی کے تفصیلی اعمال کے جائزہ کے لیے مفصل کتاب کی ضرورت ہے، اس عرصہ میں جامعہ کے متعدد فضلاء نے بلاد عرب سے لوٹنے کے بعد اپنے اپنے علاقوں میں متعدد جامعات کی تاسیس کی ہے، جن کی تدریسی اور دعوتی خدمات ہیں، ان کے جائزے کا یہ موقع نہیں ہے، البتہ تعلیمی، دعوتی اور اشاعتی خدمات میں جامعہ سلفیہ کو نقطۂ اجتماع کا مقام ابھی حاصل نہیں ہوا ہے، جیسا کہ ہمارے بزرگوں نے اس کا تصور قائم کیا تھا، ممکن ہے آئندہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے بھی کوئی سبیل پیدا فرمادے، ربنا تقبل منا إنك انت السميع العليم۔ ☆☆☆

خطبۂ حجۃ الوداع: حقوق انسانی کا اسلامی منشور

مولانا فضل اللہ انصاری سلفی
مدھوبنی، بہار

فأعوذ بالله من الشيطن الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم. ﴿ولقد كرمنا بنى آدم وحملناهم فى البر والبحر ورزقناهم من الطيبات وفضلناهم على كثير ممن خلقنا تفضيلا﴾ [الاسراء: ٧٠]

یقیناً ہم نے اولاد آدم کو بڑی عزت دی اور ان کو خشکی وتری کی سواریاں دیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں کی روزیاں دیں اور اپنی بہت سی مخلوقوں پر ان کو فضیلت عطا فرمائی۔

پہلے یہ چند باتیں: اسلام ایک ایسا دین ہے جس نے پوری تفصیل ووضاحت کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے جملہ حقوق کے علاوہ، حقوق العباد میں والدین ورشتہ دار، پڑوسی، غرباء ومساکین، بیوہ ویتیم، مسافر وپریشان حال، معذور، جنگ میں قیدی بن کر آئے قیدی اور آزاد کے علاوہ ذمی وکافر اور مشرک جیسے سبھی لوگوں بلکہ جانوروں کے حقوق سے متعلق بھی جس طرح وضاحت کے ساتھ بحث کی ہے اور اپنے ماننے والوں کو اس کی تلقین وتاکید کی ہے، وہ اپنے میں ایک بے مثال منشور ہے۔ آج دنیا میں انسانی حقوق وامن کی دعویدار تنظیموں اور کمیٹیوں کے پاس صرف باتیں ہی باتیں ہیں۔

الحمدللہ.....دین اسلام میں صرف جھوٹے دعوے اور باتیں تو ہے ہی نہیں، بلکہ باضابطہ تلقین وتاکید بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿واعبدوا الله ولا تشركوا به شيئا و بالوالدين إحسانا و بذى القربىٰ واليتامى والمساكين والجارذى القربى والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبيل ومامَلكت أيمانكم، إن الله لايحب من كان مختالا فخورا﴾ [النساء: ٣٦]

اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو اور رشتہ داروں سے، یتیموں سے، مسکینوں، قرابتدار، ہمسایہ واجنبی ہمسایہ اور پہلو کے ساتھی سے نیز راہ کے مسافر سے اور ان سے بھی، جن کے مالک تمہارے ہاتھ (غلام، کنیز) یقیناً اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں اور شیخی خوروں کو پسند نہیں فرماتا۔

اورفرمایا: ﴿من أجل ذلك كتبنا على بنى إسرائيل انه من قتل نفسا بغير نفس أو فساد فى الأرض فكأنما قتل الناس جميعا ومن أحياها فكأنما أحيا الناس جميعا۔ ولقد جاء تهم رسلنا بالبينات، ثم ان كثيرا منهم بعد ذلك فى الأرض لمسرفون﴾ [المائدة: ۳۲]

اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد مچانے والا ہو، قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا اور جو شخص کسی ایک کی جان بچالے، اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ کر دیا۔ اوران کے پاس ہمارے بہت سے رسول واضح دلیلیں لے کر آئے۔

لیکن پھر اس کے بعد بھی ان میں کے اکثر لوگ زمین میں ظلم وزیادتی اور زبردستی کرنے والے ہی رہے۔ اس آیت کے تفسیری بیان میں حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ، اس قتل ناحق کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسانی جان کی قدر و قیمت کو واضح کرنے کے لیے بنواسرائیل پر یہ حکم نازل فرمایا۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ کے ہاں انسانی خون کی کتنی اہمیت اور تکریم ہے اور یہ اصول صرف بنواسرائیل کے لیے ہی نہیں تھا، اسلام کی تعلیمات کے مطابق بھی یہ اصول ہمیشہ کے لیے ہے۔ سلیمان بن ربعی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن بصری سے پوچھا کہ یہ آیت ہمارے لیے بھی ہے، جس طرح بنواسرائیل کے لیے تھی؟ انہوں نے فرمایا ہاں! قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بنواسرائیل کے خون اللہ کے ہاں ہمارے خونوں سے زیادہ قابلِ احترام نہیں تھے۔ (بحوالہ تفسیر ابن کثیر، احسن البیان، ص: ۳۰۰)

زیر بحث مقالے کا عنوان جملہ حقوق پر روشنی ڈالنے کی اجازت نہیں دیتا اس لیے یہاں ان سب سے صرفِ نظر کرتے ہوئے یہ بتانے کی انشاءاللہ کوشش ہوگی کہ خطبہ حجۃ الوداع میں کون سے انسانی حقوق کی طرف اشارہ ہے اور اس تاریخی خطبہ میں انسانی برادری کے لیے امام کائنات ﷺ نے ''انسانی حقوق'' کا کیسا مینی فیسٹیو/منشور لوگوں کے سامنے پیش فرمایا تھا۔

ایک نظر حج پہ:

حج اسلام کا ایک ایسا اہم ترین رکن ہے جو صاحب استطاعت لوگوں پر واجب وفرض ہے، جس کے وجوب و فرضیت پر قرآن وحدیث دونوں جگہ دلائل موجود ہیں۔ ﴿ ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا۔ ومن كفر فإن الله غنى عن العالمين﴾ [آل عمران:۹۷]

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر جو اس کی طرف راہ پا سکتے ہوں، اس گھر کا حج فرض کر دیا اور جو کوئی کفر کرے تو اللہ تعالیٰ تمام دنیا سے بے پرواہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، اس بات کی شہادت کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا اور حج کرنا، جس کو اس کی طاقت ہو (متفق علیہ) آپ سے دریافت کیا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان، عرض کیا گیا اس کے بعد کیا؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے راستے میں جہاد، دریافت کیا گیا اس کے بعد کون سا؟ فرمایا: حج مبرور (متفق علیہ) صحیح مسلم کی ایک روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: کوئی دن ایسا نہیں جس میں اللہ تعالیٰ بندوں کو اتنی بڑی تعداد میں جہنم سے آزاد کرتا ہو جتنی عرفہ کے دن۔ حج کی اسی فرضیت اور اہمیت وفضیلت کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں وہ فریضۂ حج ادا کیا، جس کو حجۃ الوداع کے نام سے جانا جاتا ہے۔

حجۃ الوداع کا پس منظر:

احادیث کے علاوہ تاریخ اسلام اور سیرت پاک سے متعلق کتابوں میں اس موضوع پر بڑی تفصیلی بحث دیکھنے پڑھنے کو ملتی ہے۔ سیرت نگاری کے عالمی مقابلہ میں اول انعام یافتہ کتاب ''الرحیق المختوم'' کے اردو ترجمہ صفحہ ۶۱۴ پر مشہور مصنف ومحقق، نامور عالمِ دین، سابق استاذ جامعہ سلفیہ بنارس اور ماہنامہ محدث کے سابق مدیر مولانا صفی الرحمٰن صاحب مبارکپوریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ: ''دعوت وتبلیغ کا کام پورا ہو گیا اور اللہ کی الوہیت کے اثبات، اس کے ماسوا کی الوہیت کی نفی اور محمد رسول اللہ ﷺ کی بنیاد پر ایک نئے معاشرہ کی تعمیر وتشکیل عمل میں آ گئی، اب گویا غیبی ہاتف آپ کے قلب وشعور کو یہ احساس دلا رہا تھا کہ دنیا میں آپ کے قیام کا زمانہ اختتام کے قریب ہے، چنانچہ آپ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو ۱۰ھ میں یمن کا گورنر بنا کر روانہ فرمایا تو رخصت کرتے وقت منجملہ اور باتوں کے فرمایا: اے معاذ! غالباً تم مجھ سے اس سال کے بعد نہ مل سکو گے، بلکہ غالباً میری اس مسجد اور میری قبر کے پاس سے گذرو گے۔ حضرت معاذ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کی جدائی کے غم سے رونے لگے۔

درحقیقت اللہ چاہتا تھا کہ اپنے پیغمبر ﷺ کو اس دعوت کے ثمرات دکھلا دے، جس کی راہ میں آپ نے بیس برس سے زیادہ عرصہ تک طرح طرح کی مشکلات اور مشقتیں برداشت کی تھیں، اور اس کی صورت یہ ہو کہ آپ حج کے موقع پر اطرافِ مکہ میں قبائل عرب کے افراد ونمائندگان کے ساتھ جمع ہوں، پھر وہ آپ سے دین کے احکام وشرائع

حاصل کریں اور آپ ان سے یہ شہادت لیں کہ آپ نے امانت ادا کردی، پیغام رب کی تبلیغ فرمادی اور امت کی خیر خواہی کا حق ادا فرمادیا۔ اس مشیت ایزدی کے مطابق نبی ﷺ نے تاریخی حج مبرور کے لیے اعلان فرمادیا، تو مسلمانان عرب جوق در جوق پہنچنا شروع ہوگئے، ہر ایک کی آرزو تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے نقش پا کو اپنے لیے نشانِ راہ بنا سکے اور آپ کی اقتدا کرے۔ (بحوالہ صحیح مسلم، باب حجۃ النبی ﷺ ۱/۳۹۴)

حجۃ الوداع اور اس کے وقت کا انتخاب کے تحت سیرت کی ایک مشہور کتاب ''نبی رحمت ﷺ'' کے نامور مصنف ومحقق مشہور عالم دین مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ صفحہ ۱۲۸ پر رقم طراز ہیں کہ: ''جب مشیت الٰہی کی تکمیل ہوگئی، امت کے نفوس بت پرستی کی آلودگیوں سے پاک، ایمان کی روشنی سے منور ہوگئے اور ان کے دل کی سرد انگیٹھیوں میں شوق ومحبت کی چنگاریاں پیدا ہوگئیں۔ بیت اللہ بھی بتوں سے اور بتوں کی گندگی سے پاک وصاف ہوگیا، مسلمانوں کے اندر (جن کو حج بیت اللہ کئے ہوئے بہت عرصہ ہوگیا تھا) حج کا نیا شوق پیدا ہوگیا اور محبت وشوق کا جام نہ صرف لبریز ہوا بلکہ چھلکنے لگا، جدائی کی گھڑی بھی بہت قریب آگئی اور حالات کا تقاضہ ہوا کہ امت کو وداع کہا جائے تو اللہ نے اپنے نبی کو حج کی اجازت فرمائی۔ اسلام میں یہ آپ کا پہلا حج تھا''۔

حجۃ الوداع کی دعوتی وتبلیغی اور تربیتی اہمیت کا کسے انکار ہوسکتا ہے اور ایک لاکھ سے زائد چوبیس تا چوالیس ہزار لوگوں کے جم غفیر میں رسول اللہ ﷺ کا پیش کیا ہوا جامع مانع خطبہ تو نہ صرف قوم مسلم کے لیے بلکہ عالمی سطح پر پوری انسانی برادری کے لیے اہم ترین بنیادی حقوق کا وہ شاندار ومثالی منشور ہے جسے اپنا کر انسانی برادری شور وشرارت کے ماحول سے نکل کر صلاح وفلاح اور امن امان کی فضا میں سانس لیتے ہوئے اپنے لیے ایک نئے معاشرہ کی تعمیر وتشکیل کرسکتی ہے، شرط یہ ہے کہ خطبہ حجۃ الوداع میں پیش کئے گئے حقوق کی تفصیل کو بغور سن پڑھ کر اسے اپنانے کی مخلصانہ کوشش کی جائے۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے دو عظیم الشان خطبے پیش کئے تھے، ایک عرفہ کے روز اور دوسرا ایام تشریق کے درمیان۔ آئندہ سطور میں دونوں خطبے نذر اہل نظر ہیں۔

خطبۂ عرفہ:

إن دماء كم و أموالكم حرام عليكم كحرمة يومكم هذا، فى شهركم هذا، فى بلدكم هذا، ألا! ان كل شئ من أمر الجاهيلة تحت قدمى موضوع، و دماء الجاهلية موضوعة و ان اول دم أضعه من دماء نا دم ابن ربيعة بن الحارث كان مسترضعا فى بنى سعد فقتلته هذيل، و

رباء الجاهلية موضوع، و أول ربا أضع من ربانا ربا العباس بن عبدالمطلب، فإنه موضوع كله فاتقوا الله فى النساء فإنكم أخذتموهن بأمانة الله، و استحللتم فروجهن بكلمة الله، ولكم عليهن أن لا يوطئن فرشكم أحدا تكرهونه، فإن فعلن ذلك فاضربوهن ضربا غير مبرح، ولهن عليكم رزقهن و كسوتهن بالمعروف، و قد تركت فيكم مالم تضلوا بعده ان اعتصمتم به، كتاب الله و أنتم تسئلون عنى، فما ذا أنتم قائلون؟ قالوا: نشهد انك قد بلغت و اديت و نصحت، فقال باصبعه السبابة يرفعها إلى السماء و ينكبها إلى الناس اللهم اشهد ثلاث مرات۔ (مسلم، ابوداؤد بروايت جابر ابن عبدالله)

تمہارا خون اور تمہارا مال اسی طرح حرام ہے جس طرح یہ دن اس مہینے میں اور اس شہر میں حرام ہے، یہ بھی یاد رکھو کہ ہر جاہلی چیز باطل ہے، اور جاہلیت کے تمام خون (یعنی انتقامی خون) باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں (اپنے خاندان کا خون) ابن ربیعہ الحارث کا خون باطل کرتا ہوں، جس نے بنی سعد میں پرورش پائی اور اس کو ہذیل نے قتل کر ڈالا، جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے اپنے خاندان کا سود عباس بن عبدالمطلب کا سود معاف کرتا ہوں، یہ سب کا سب باطل ہے، عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو، تم نے ان کو اللہ کی امانت کے طور پر حاصل کیا ہے، اور ان کی شرمگاہوں کو اللہ بات کے ساتھ حلال سمجھا ہے، اور تمہاری طرف سے ان پر یہ ذمہ داری ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی غیر کو (جس کا آنا تم کو گوارا نہیں ہے) نہ آنے دیں، اگر وہ ایسا کریں تو تم ان کو ایسی مار مارو جو نمودار نہ ہو، اور ان کا حق تمہارے اوپر یہ ہے کہ ان کو معقول طریقے پر ان کی خوراک اور پوشاک کا انتظام کرو۔ میں تم میں ایک چیز چھوڑ جاتا ہوں اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو تم گمراہ نہ ہوگے وہ چیز کیا ہے؟ کتاب اللہ، تم سے خدا کے ہاں میری نسبت پوچھا جائے گا تم کیا جواب دوگے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم کہیں گے کہ آپ نے خدا کا پیغام پہونچا دیا، اور اپنا فرض ادا کر دیا، آپ نے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور تین مرتبہ فرمایا، ''اے خدا تو گواہ رہنا''۔

ایام تشریق کے وسط میں جو خطبہ آپ ﷺ نے دیا تھا اس کا متن یہ ہے:

يأيهاالناس! هل تدرون فى أى شهر أنتم و فى أى يوم أنتم، و فى أى بلد أنتم؟ فقالو: فى يوم حرام، و بلد حرام، قال: فإن دماء كم و أموالكم و أعراضكم عليكم حرام كحرمة يومكم هذا فى شهركم هذا وفى بلدكم هذا، إلى يوم تلقونه ثم قال: إسمعوا منى

تعيشوا، ألا لاتظلموا، ألا لاتظلموا، ألا لا تظلموا أنه لا يحل مال امرئ مسلم ألا بطيب نفس منه، ألا! و ان كل دم و مال و مأثرة كانت فى الجاهلية تحت قدمى هذه، إلى يوم القيامة، و ان اول دم يوضع دم ربيعة بن الحارث بن عبدالمطلب، كان مسترضعا فى بنى ليث فقتلته هذيل، ألا! و ان كل ربا فى الجاهلية موضوع و ان الله عزوجل قضى أن اول ربا يوضع ربا العباس بن عبدالمطلب، لكم رؤوس أموالكم لا تظلمون ولا تظلمون، ألا! و ان الزمان قد استدار كهيئة يوم خلق السموات والأرض، ثم قرأ: ﴿إن عدة الشهور عندالله اثنا عشر شهرا فى كتاب الله يوم خلق السموات والأرض منها أربعة حرم۔ ذلك الدين القيم، فلا تظلموا فيهن أنفسكم﴾ ألا! لا ترجعوا بعدى كفارا يضرب بعضكم رقاب بعض، ألا! ان الشيطان قد أيس أن يعبده المصلون، و لكنه فى التحريش بينكم، والتقوالله فى النساء فانهن عندكم عوان لا يملكن لأنفسهن شيئا، و ان لهن علكيم حقا، ولكم عليهن حقا أن لا يوطئن فرشكم أحدا غيركم، ولا يأذن فى بيوتكم لأحدتكرهونه، فإن خفتم نشوزهن فعظوهن واهجروهن فى المضاجع واضربوهن ضربا غير مبرح ولهن رزقهن و كسوتهن بالمعروف وإنما أخذتموهن بأمانة الله، واستحللتم فروجهن بكلمة الله عزوجل، ألا ومن كانت عنده أمانة فليؤدها إلى من ائتمنه عليها و بسط يديه، ألا! هل بلغت؟ ألا! هل بلغت، ثم قال! ليبلغ الشاهد الغائب، فإنه رب مبلغ أسعد من سامع۔ (رواه الإمام أحمد عن أبى حرة الرقاشى عن عمه)

اے لوگو! کیا تم یہ جانتے ہو کہ تم کس شہر میں ہو اور یہ کون سا مہینہ اور کون دن ہے، لوگوں نے جواب دیا، یہ دن بڑا با حرمت اور یہ مہینہ بڑا قابل احترام ہے اور یہ شہر شہر حرام ہے، تو آپ نے فرمایا تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری عزتیں اسی طرح قیامت تک حرام ہیں جس طرح یہ دن، یہ مہینہ اور یہ شہر حرام ہے، پھر فرمایا: سنو! مجھ سے وہ باتیں سنو جس سے تم صحیح زندگی گذار سکو گے، خبردار ظلم نہ کرنا، خبردار ظلم نہ کرنا، خبردار ظلم نہ کرنا، کسی مسلمان شخص کے مال میں سے کچھ لینا جائز نہیں ہاں اگر وہ راضی ہو (تو کوئی حرج نہیں) ہر خون، ہر مال، جو جاہلیت سے چلا آتا تھا تا قیامت باطل ہے، اور سب سے پہلا خون جو باطل کیا جاتا ہے وہ ربیعہ بن عبدالمطلب کا خون، اس نے بنی لیث میں پرورش پائی تھی، اور ھذیل نے اس کو قتل کر دیا تھا، جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کر دیئے گئے، اور اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرما دیا کہ جو سب

سے پہلا سود باطل کیا جائے، وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے، ابتدا میں خدا نے جب آسمان وزمین کو پیدا کیا تھا، زمانہ پھر پھرا کر آج اسی نقطہ پر آ گیا، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''خدا کے نزدیک مہینے گنتی میں (۱۲ ہیں یعنی) اس روز (سے) کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، کتابِ خدا میں (برس کے) بارہ مہینے (لکھے ہوئے) ہیں، ان میں سے چار مہینے ادب کے ہیں، یہی دن (کا) سیدھا راستہ ہے تو ان (مہینوں) میں (قتالِ ناحق سے) اپنے آپ پر ظلم نہ کرنا'' ہاں! میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ خود ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو، اور ہاں! شیطان بھی اس سے مایوس ہو چکا ہے کہ نماز پڑھنے والے اس کی پرستش کریں، لیکن وہ تمہارے درمیان رخنہ اندازی کرے گا، عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو، اور عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو کیونکہ وہ تمہاری دست نگر ہیں اور ان کا تم پر حق ہے، اور تمہارا ان پر کہ وہ تمہارے علاوہ تمہارے بستر پر کسی کو آنے نہ دیں اور نہ ایسے شخص کو تمہارے گھر آنے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو، اور اگر تم ان کی نافرمانی سے خوف محسوس کرو تو انہیں نصیحت کرو، اور ان کو ان کی خوابگاہوں میں چھوڑ دو اور ہلکی مار مارو اور انھیں کھانے کپڑے کا حق معلوم طریقے پر حاصل ہے، تم انھیں خدا کی امانت کے طور پر حاصل کیا ہے اور ان کے ناموس کو اللہ کے نام سے حلال کیا ہے، آگاہ ہو جاء جس کے پاس کوئی امانت ہو وہ صاحب امانت کو واپس کر دے، اتنا فرمانے کے بعد آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے اور فرمایا کہ کیا میں نے پیغام پہنچا دیا، کیا میں نے پیغام پہنچا دیا؟ پھر فرمایا جو حاضر ہیں وہ غیر حاضر لوگوں تک یہ بات پہنچا دیں کیونکہ بہت سے غیر حاضر سننے والوں سے زیادہ خوش بخت ہوتے ہیں۔ (بحوالہ نبیٔ رحمت ﷺ ص: ۱۳۸ تا ۱۴۱)

ترجمان القرآن والسنۃ مولانا محمد صاحب جونا گڑھیؒ نے خطبات محمدی (مطبوعہ از الدار السّلفیہ، ممبئی) میں صفحہ ۸۱۷ تا ۸۴۵ ''حجۃ الوداع'' کے تحت تقریباً دس ذیلی خطبے شمار کرائے ہیں، جو دراصل بنیادی طور پہ دو ہی خطبات میں شامل ہیں۔ خیر جو بھی ہو، مگر واقعتاً دونوں ہی خطبے بلاغت نبوی کا اعلیٰ نمونہ ہونے کے علاوہ اپنے اندر جو تاثیر رکھتے ہیں وہ بلاشبہ قابل دید و لائق داد ہیں۔ ان خطبوں سے متعلق حضرات شراح اور مبصرین کی تشریحات وتبصرے پیش کرنے کا یہ محل نہیں، ہاں یہ بتانا ضرور مقصود ہے کہ یہ خطبے حقوق البشر کا عالمی وآفاقی منشور ہے۔ بلاشبہ: خطبہ حجۃ الوداع وحدت الٰہی اور وحت آدم کا ایسا آفاقی اعلان نامہ ہے، جسے انسانی تہذیب کے روحانی و دانشورانہ تخلیقی سفر کی منزل مراد کہا جا سکتا ہے۔ یہ خطبہ بلاغت نبوی کا اعلیٰ نمونہ ہونے کے ساتھ ساتھ اخوت و مساوات، حریت، عفور درگذر، استحصال کے خلاف آواز، صحت مند معاشرہ کی تعمیر وحقوق نسواں، ہمدردی، حق وراثت، امن وامان اور حقوق العباد کا بین الاقوامی منشور بھی ہے۔ اس خطبہ میں رسول پاک ﷺ نے حقوق انسانی کے اصولوں کا واضح اعلان کر دیا تھا۔ فقہاء

اسلام نے ان اصولوں کو حسب ذیل قانون و دفعات میں مرتب کر کے پیش کیا ہے۔

۱-نسل انسانی کا تحفظ، روٹی، کپڑا اور مکان کا حق۔

۲-انسانی جان کا احترام، بلالحاظِ عقیدہ و مذہب ہر جان کی حفاظت کا حق۔

۳- انسانی مال و املاک کی حفاظت کا حق، معاشی و اقتصادی ترقی کرنے کے یکساں مواقع اور ذرائع کا انتظام۔

۴-عقیدہ و مذہب کی آزادی، مذہبی پیشواؤں کا احترام۔

۵-سماجی مساوات و آزادی، مرد اور عورت کے درمیان آقائی اور غلامی کے تمام تصور کی تردید۔

☆ خطبہ کی روشنی میں ایام جاہلیت کے تمام لغو و بیہودہ رسم و رواج کو مٹا دیئے جانے کا اعلان ہوا۔

☆ عربی و عجمی اور گورے و کالے کا فرق مٹا کر فضیلت اور تفوق و برتری کی بنیاد صرف تقویٰ کو قرار دیا گیا۔

☆ قتلِ عمد میں قصاص اور قتل خطا میں سو اونٹ (بطور خون بہا) عربوں کے لحاظ سے یہ کافی سخت سزا تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک نیا نظام سیاست ترتیب دیا اور اس بات کی وضاحت کر دی کہ جرم کی سزا صرف مجرم کو ہی ملے گی، اس کے لواحقین یا افراد خانہ اس کی سزا مستحق نہیں ہوں گے، بلکہ ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہوگا اور اس کا حقدار صرف مجرم ہی ہوگا نہ کہ اس کے اعزاء اقارب۔

☆ آپ نے حقوق العباد کی اہمیت کو مزید اجاگر کرتے ہوئے فرمایا: ''قرض ادا کیا جائے گا اور جو امانت کی چیز ہے اس کو واپس لیا جائے گا، تحائف لئے دیئے جائیں گے اور ضامن تاوان کا ذمہ دار ہوگا۔

☆ شروع اسلام سے قبل دنیا میں عورتوں کی کوئی اہمیت نہیں تھی، ان کو دیوی بنا کر تو پوجا جاتا تھا، مگر عام زندگی میں ان کے استحصال کا کوئی موقع نہیں گنوایا جاتا تھا۔ ان کی وقعت ایک کھلونے سے زیادہ نہیں تھی، انہیں سامان تعیش سمجھا جاتا تھا اور ان کی حیثیت ملک و جائداد سے زیادہ نہیں تھی.....اس لیے آپ نے فرمایا: اے لوگو! تمہاری عورتوں کے تمہارے اوپر کچھ حقوق ہیں، اسی طرح تم پر بھی ان کے کچھ حقوق عائد ہوتے ہیں۔

☆ زن و شوہر کے باہمی حقوق پر روشنی ڈالنے کے علاوہ مولود/ بچہ بچی کی اصل نسبت کی طرف بھی اشارہ فرمایا۔

☆ قانون وراثت و میراث کو واضح الفاظ میں بیان فرمایا۔

☆ اس زمانے میں غلامی کا دستور عام تھا اور غلاموں پر ظلم واستحصال کی کہانی طویل تھی، غلامی کا رواج انسانی تاریخ کا ہی ہم عمر ہے، جس کے آثار ہر دور اور ہر قوم میں پائے جاتے ہیں۔ اس کی ابتدا اس وقت سے ہوگئی تھی، جب انسانی معاشرہ وحشت کے مرحلے میں ہی تھا، اور یہ دستور اس وقت بھی فروغ پاتا رہا جب مادی ترقی وتہذیب نے اس کی ضرورت کو رفع کر دیا تھا۔ بیسویں صدی تک یہ رواج بہ دستور قائم رہا اور آج بھی کہیں نہ کہیں اس کی جڑیں انسانی سماج میں موجود ہیں۔ اسلامی تعلیمات پیغمبر اسلام اور ان کے صحابہ کے طریقہ کار نے غلامی کے رواج پر ایک شدید ضرب لگائی تھی.....اس رواج کو کم سے کم کرنے کی شعوری کوشش انسانی تاریخ میں صرف اسلام نے ہی کی، پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ حجۃ الوداع کے موقع پر محسنِ انسانیت اس سلسلے میں مزید وضاحت نہیں کرتے۔ خطبہ میں آپ نے فرمایا کہ: لوگو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی۔ اپنے غلاموں کا خیال رکھو، ہاں! اپنے غلاموں کا خیال رکھو، تمہارے غلام...نوکر...تمہارے خدمت گار ہیں، تم ان کو وہی کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو اور وہی پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو (ملخص از مقالہ، خطبہ حجۃ الوداع....روزنامہ راشٹریہ سہارا حج وعید قرباں نمبر صفحہ نمبر: ۳۴، ۱۱/ دسمبر ۲۰۰۶ء) انسانی حقوق کی پاسداری میں دنیا کی کوئی قوم تہذیب اتنی شاندار مثال انسانیت پیش کرنے سے قاصر ہے، ڈاکٹر محمد تعظیم اپنے اسی مقالے میں جگہ تحریر کرتے ہیں کہ: اس زمانہ میں عرب دنیا اور دیگر ممالک میں بھی سودی کاروبار کا رواج تھا۔ سود در سود کے حصول کی خاطر سرمایہ دار لوگ غرباء کا ریشہ ریشہ جکڑ دیتے تھے، جس کے باعث مقروض قرض خواہوں کے غلام بن جاتے، پھر استحصال کا ایک نیا دور دورہ شروع ہو جاتا جس سے آزادی کبھی ممکن ہی نہ تھی، لہذا محسنِ انسانیت رسول اللہ ﷺ نے انسانی سماج کی اس سب سے بُری لعنت کو ختم کرنے کا اعلان کیا اور پھر فرمایا، نہ ظلم کرو اور نہ ظلم سہو۔ اللہ نے حکم دیا ہے کہ سود نہ رہنے پائے۔ لہذا دورِ جاہلیت کا سود اب ختم کیا جاتا ہے اور میں سب سے پہلے اپنے چچا حضرت عباس بن عبدالمطب کا سود معاف کرتا ہوں اور یہ اب کالعدم ہے.....پھر آخر میں وہ رقم طراز ہیں کہ: خطبہ حجۃ الوداع اسلامی اخلاقیات، اسلام کے انفرادی او راجتماعی امور اور محسنِ انسانیت کی تمام تر تعلیمات کے خلاصہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے حقوق البشر کے ایک عالمی منشور کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ خطبہ اتنا اہم تھا کہ جس میں ایسی دانشمندی پنہاں تھی جو نہ صرف اعلیٰ طبائع کو پسند آتی ہے، بلکہ ادنیٰ طبائع کی صلاحیتوں اور تقاضوں سے بھی مطابقت رکھتی ہے.....خطبہ حجۃ الوداع ایک ایسا دستور العمل تھا، جس نے اجتماعی ترقی کا ایسا نمونہ فراہم کیا تھا، جس کی معنویت اور افادیت آج بھی مسلم ہے، کیوں کہ اسلام نے انسانی کی طبعی اور فکری سطح کو سامنے کور کھتے ہوئے

جو ضابطے پیش کئے، وہ بقائے انسانی کے لیے منتہی کہے جاسکتے ہیں اور جن سے نسل انسانی کا کوئی بھی معاشرہ وعہد، چاہے وہ کتنا ہی پسماندہ ہو یا متمدن، فیضیاب ہوکر نئی جہت وروشنی اور توانائی حاصل کرسکتا ہے۔

یہ دونوں ہی خطبے، جن کا ایک حصہ مخصوص ملکی حالات ومسائل سے متعلق ہے اور ایک حصہ بین الانسانی منشور پر مشتمل ہے، ان کی اہمیت وافادیت کا بھلا کون انکار کرسکتا ہے، بلکہ یہ خطبات کئی حیثیتوں سے غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں، اولاً حضور ﷺ نے جماعت کے سب سے بڑے دینی اجتماع میں خطاب فرمایا اور ایسے دور میں فرمایا، جب کہ آپ کا پیش کردہ کلمہ حق تناور درخت بن کر برگ وبار لانے لگا تھا، شدید مخالفتوں سے گذر کر اتنی عظیم کامیابی بجائے خود سیرت وکردار کا ایک امتحان ہوتی ہے.....

ثانیاً: چوں کہ حضور کی فراستِ نبوی سمجھ رہی تھی کہ جماعت سے خطاب کا یہ آخری موقع ہے، اس لیے گویا الوداعی وصیتیں فرمائیں، جن کا ہر ہر لفظ بیش قیمت ہے۔

ثالثاً: ملکی کام اس مرحلے پر آجانے کے بعد یہی موقع تھا کہ تحریک اسلامی کی طرف سے انسانیت کے نام کوئی پیغام اور کوئی منشور دیا جاتا، سو آپ نے اس فریضہ کو باحسن وجوہ ادا کیا۔

رابعاً: یہ خطبے حضور ﷺ کے کمالِ خطابت اور آپ کی شانِ فصاحت کے بھی نادر نمونے ہیں، اور ان کے ذریعہ اس مقدس شخصیت کی عظمتوں کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ (محسن انسانیت، ص:۶۵۲) اس لیے ضرورت بھی ہے کہ آپ کے ان خطبوں کو آج کی حالات میں زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے اور مختلف زبانوں میں ان کو پیش کیا جائے، تاکہ انسانی برادری اسلام کے بتلائے گئے اپنے حقوق کو سمجھ سکے اور ان کی افادیت کو سامنے رکھ کر، ان کو اپنانے کی کوشش کرتے ہوئے، ایک بہتر وصالح معاشرہ وسماج کی تعمیر وتشکیل میں اپنا کردار ادا کرسکے۔ اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو اور دنیا آپ کے ان خطابات سے مستفید ہوکر اصلاح وفلاح کی راہ پر گامزن ہو۔ آمین، یا رب العالمین، إنك سميع قريب مجيب۔

☆☆☆

مالی بدعنوانیوں کا انسداد اور اسلام

محمد ابوالقاسم فاروقی
جامعہ رحمانیہ، بنارس

بیسویں صدی کی آخری دہائیوں میں بدعنوانی یا کرپشن کے لفظ سے کان آشنا ہوئے، اکیسویں صدی میں غبن، خیانت، گھوٹالہ اور اسکینڈل کے الفاظ سے سماعت اس قدر مانوس ہوئی کہ یہ کوئی حیرت انگیز چیز نہیں رہ گئی۔ ہر ہفتہ ایک نیا اسکینڈل سامنے آتا ہے۔ جانچ کے لیے کمیشن بیٹھتا ہے، پوچھ تاچھ ہوتی ہے، کوئی سیاسی رہنما اس میں ملوث ہوا تو اس سے استعفی لے لیا گیا۔ آگے کی کارروائی کا کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کیا ہوا۔ انجام سے پہلے ہی کوئی دوسرا گھوٹالہ منظر عام پر آجاتا ہے۔

بدعنوانی کا چلن اس قدر عام ہوگیا ہے کہ اس کے بغیر زندگی کی گاڑی کا چلنا ہی مشکل معلوم ہوتا ہے، نہ حکومت کا کوئی شعبہ اس سے پاک ہے اور نہ عوامی زندگی کا کوئی پہلو اس سے بَری ہے۔ یہ وہ بلا ہے جس میں ہر شخص گرفتار ہے۔ ایمانداری اور اس کے ہم معنی الفاظ زینت قرطاس بن کر رہ گئے ہیں، ایسی قوم یا ایسا ملک کیوں کر ترقی کر سکتا ہے جس کی آمدنی کا ایک بڑا حصہ بدعنوانی کی نذر ہو جاتا ہے۔ کیا سنجیدگی سے اس بے لگام گھوڑی کو لگام لگانے کوشش نہیں کی گئی یا ایڈز اور سرطان کی طرح یہ بھی کوئی لاعلاج مرض ہے۔ چاند اور مریخ تک زقند بھرنے والی سائنس نے اس بیماری پر کوئی ریسرچ نہیں کی، علاج ہوتے ہوئے بھی ہماری بے حسی اور بے ضمیری کڑوے گھونٹ کی طرح اسے پینے پر آمادہ نہیں ہے۔ یہ بلا کہاں سے آئی اور ہمارے رگ وریشے میں کیوں کر پھیلی۔ ہمارے مذہب نے اس کا حل کیا نکالا ہے، ذیل کی سطور میں انھیں مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

بدعنوانی یا کرپشن:

دانشوروں نے کرپشن کی جو تعریفات کی ہیں اس کا لب لباب یہ ہے کہ کرپشن غیر قانونی طریقے سے کسی چیز کو اپنے مفاد کے لیے استعمال کرنا۔ یہ تعریف اس قدر عام ہے کہ اگر کوئی شخص بیماری کی رخصت لے کر آرام کرے اور وہ حقیقت میں بیمار نہ ہو تو اسے بھی کرپشن میں شامل کر دیا گیا ہے لیکن خاص طور سے یہ تعریف رشوت ستانی، حکومت کی اشیاء پر مالکانہ تصرف، نذرانہ اور تحائف لے کر کسی کا یا اپنا فائدہ کرانا وغیرہ پر مشتمل ہے۔

بدعنوانی کے محرکات:

مالی بدعنوانی کے محرکات دو طرح کے ہوتے ہیں ایک تو وہ بدعنوانی کے تقاضوں (جو عوام کی طرف سے ہوتے ہیں) پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ دوسرے وہ بدعنوانی کی سرگرمیوں میں ملوث سرگرمیوں (جو حکومتی شعبوں کی جانب سے ہوتی ہے) کو متاثر کرتے ہیں۔ بدعنوانی کے مطالبوں کو متاثر کرنے والے محرکات میں اہم یہ ہیں:

۱- تجاویز اور اختیارات
۲- ٹیکس کا پیچیدہ طریقہ کار
۳- غلط جگہوں پر فضول خرچی
۴- اشیاء اور خدمات کی قیمت بازار کی سب سے نچلی سطح پر متعین کرنا۔

اور سپلائی پر اثر انداز ہونے والے اہم محرکات یہ ہیں:

۱- پبلک سیکٹر میں اجرت کی تعیین
۲- تاوان کا نظام
۳- ادارتی کنٹرول
۴- اصول وضوابط اور قوانین کی شفافیت ۵- قیادت میں غلط اسوہ

مالی بدعنوانی کی تاریخ:

بدعنوانی کی شہرت اس صدی میں ضرور ہوئی ہے، اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ عصر حاضر میں ذرائع ابلاغ کی ترقی نے وقوع پذیر ہونے والی بدعنوانی کو طشت از بام کر دیا ہے اور کم پڑھے لکھے لوگ بھی اس سے آشنا ہو چکے ہیں لیکن یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ قوم، معاشرہ اور مملکتوں کے وجود میں آنے کے ساتھ ہی اس بیماری نے جنم لے لیا تھا۔ شکلیں بدل چکی ہیں۔ نوعیتیں علاحدہ ہیں لیکن تاریخ کے اوراق الٹے جائیں تو ہمیں بدعنوانی رشوت اور نذرانوں کی شکل میں ضرور ملے گی۔ کونلیہ نے دو ہزار سال قبل اپنی کتاب ''ارتھ شاستر'' میں بدعنوانی پر بحث کی ہے، ڈانتے نے بدعنوان کو جہنم کے سب سے نچلے طبقے کا مستحق قرار دیا ہے۔ شکسپیر نے بدعنوانی کو اپنے ڈراموں میں مرکزیت دی ہے۔ خود امریکہ کے دستور میں بدعنوانی کو ایسا جرم بتایا گیا ہے جس کی وجہ سے صدر امریکہ کو اپنی کرسی چھوڑنا پڑ سکتی ہے۔

معمولی شکل میں بدعنوانی ہر دور میں موجود رہی ہے۔ لیکن بدعنوانی کا وہ سیلاب جو ایشائی ممالک خصوصا ہندوستان میں امنڈ پڑا ہے اس کے جراثیم کا منبع بھی وہی امریکہ اور یورپی ممالک ہیں جو جدید تہذیب کے نام سے ہر

طرح کے مفاسد ہم تک پہنچا رہے ہیں۔ ماضی قریب میں کلیسائی بندھنوں سے آزاد ہونے کے لیے جمہوریت کا جنم ہوا جو خدا بیزاری، اباحیت اور ہر طرح کی فحاشی کی ذمہ دار ہے، روحانیت کا زوال اور مادیت کا فروغ ہوا۔ بورژوا اور پرولتاریہ طبقے میں ایک خلیج پیدا ہوا اور مشینی دور کے آغاز نے مادہ پرستی کو اس طرح ترقی دی کہ لوگ اخلاقی اقدار سے کنارہ کش ہوتے گئے۔ دولت کا ارتکاز، طرح طرح کی آسائشیں بہم پہنچانے کی مسابقت نے حرص و ہوا اور آرزو طمع کو ہوا دی، اس طرح کی چیزوں کا حصول صرف غیر قانونی ذرائع سے دولت کے ذریعہ ہی ہوسکتا ہے۔ دوسری طرف استعماریت کی عمارت گرنے لگی تو یورپین ممالک نے ایسی پالیسیاں بنانے پر زور دیا جس سے آزادی کے سایے میں سانس لینے والے ممالک ان کے پنجہ استبداد سے نہ بچ سکیں اور غلام ممالک کی زنجیروں کو مزید استحکام حاصل ہو سکے۔

عصر حاضر میں کرپشن کے دو عظیم مرکز یا فارم ہاؤسز سیاست اور بیوروکریسی یا نوکر شاہی ہیں، اور دونوں کا تعلق اسٹیٹ سے ہے گویا بالواسطہ اسٹیٹ ہی کرپشن کا ذمہ دار ہے۔ کرپشن ان ممالک میں زیادہ برگ و بار لاتا ہے جہاں نوزائیدہ جمہوری نظام ترقی کی دوڑ میں شامل ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ یہاں بھی سارا عمل دخل استعماری طاقتوں کا ہی ہوتا ہے۔ طاقت سے منسلک مفادات اور اجارہ داری کے تناسب پر بھی کرپشن کی چھاپ دکھائی دیتی ہے۔ کرپشن کے ضمن میں ایک اور محرک مثبت اور منفی طور پر اثر انداز ہوتا ہے اور وہ سول سوسائٹی ہے۔ جو اسٹیٹ اور سوسائٹی کے درمیان واسطہ یا بچولیا کا کام کرتی ہے۔ سول سوسائٹی کے بغیر کرپشن کی مختلف نوعیّتوں کا اثر انداز ہونا مشکل ہوتا ہے۔ سول سوسائٹی مختلف شکلوں میں اپنا کام کرتی ہے، یہ فلاحی ادارے، این، جی، وز اور ٹرسٹ وغیرہ کچھ بھی ہو سکتے ہیں۔

بیوروکریسی یا نوکر شاہی کو ہم کلرکوں کی حکومت کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ ہندوستان کے بڑے حکومتی گھوٹالوں میں یہی طبقہ ذمہ دار ہے۔ نوکر شاہی میں دو محرکات ایسے ہیں جو کرپشن کو بڑھاوا دیتے ہیں۔ ان میں سے ایک کو Beauro Cracy due to need اور دوسرے کو Beaurocracy due to greed کہتے ہیں۔ ترقی پذیر ممالک بشمول ہندوستان میں اقدار کی اہمیت، فکری حساسیت اور شہری فرائض بھی اپنا کردار ادا کرتے ہیں، لیکن جب اقتصادیات اپنے عروج پر ہوتی ہے تو سماجی اقدار وغیرہ سب نسیاً منسیا ہو جاتے ہیں اور اس کا خمیازہ پبلک سیکٹر کو بھگتنا پڑتا ہے۔ علاوہ ازیں خارجہ پالیسیاں، عالمی استحصال، بین الاقوامی اقتصادی سرگرمیاں L.P.G (Librization Privatization, Globlization) W.T.O بھی ترقی پذیر ممالک میں کرپشن پیدا کرنے میں کسی سے پیچھے نہیں رہتے ہیں۔

کرپشن کا بڑا گہرا تعلق Civic Sence سے بھی ہے یعنی ہر ملک کے افراد کا ایک شہری ہونے کے ناطے یہ

اولین فرض ہے کہ وہ شہریت کی اقدار کو اہمیت دے اور جو بُرائی اسے نظر آرہی ہے، اس کو روکے، لیکن کبھی کبھار یہ سیاسی اور غیر اخلاقی ہتھکنڈہ بھی بن جاتی ہے جو کبھی ریاست کبھی سیاست اور کبھی کسی فرد کے مفاد کے لیے جنم لیتی ہے جیسا کہ ہم انا ہزارے اور ان کی تحریک کے معاملے میں دیکھتے ہیں۔

کرپشن اور میڈیا:

کرپشن کا میڈیا سے بڑا اہم تعلق ہے۔ میڈیا کرپشن کو روکنے کے لیے ایک موثر ہتھیار ہے تو دوسری طرف اس کا کردار منفی بھی ہوتا ہے۔ دراصل میڈیا حکومت کا ایک اہم ستون ہے وہ اسٹیٹ کو استحکام بخشتا ہے، اسے مضبوط بناتا ہے دوسری طرف میڈیا سول سوسائٹی کی حیثیت سے کام کرتا ہے اور اس کا مقصد صرف فلاح عامہ ہوتا ہے لیکن اسٹیٹ کے اثر سے وہ اپنا صحیح کردار ادا نہیں کر پاتا ہے۔ پرائیوٹ چینلز کرپشن کو تجارت کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور کبھی کبھی وہ خود کرپشن میں ملوث ہو جاتے ہیں۔

بدعنوانی ہندوستان میں:

ہندوستان میں بدعنوانی دیکھ کر ایسا لگتا ہے جیسے آزادی کے بعد ملک نے صرف اسی شعبہ میں ترقی کی ہے، اس کے اسباب کو گہرائی سے دیکھیں تو پہلی نظر میں ہی یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہاں بھی ڈولپنگ Developing کا آسیب ہی حاوی ہے۔ یہاں تعلیم میں قلت غربت و ناداری، ذرائع زندگی کا عدم تناسب، شرح اموات، وبائی امراض، کسانوں کی زبوں حالی اور ان سب کے لیے بنائی گئی حکومتی پالیسیاں اور حق دار تک ان کی عدم رسائی کرپشن کے فروغ کا ایک بڑا سبب ہے۔ کرپشن کی بنیادیں ویسے تو انگریزوں کے دور ہی میں مضبوط ہو چکی تھیں۔ آزادی کے بعد جواہر لعل نہرو نے ڈولپمنٹ کا ایک عظیم الشان پلان بنایا جسے Grand development plan کا نام دیا گیا۔ ان کا یہ خواب شرمندہ تعبیر بھی ہوا۔ نہرو کے بعد سیاست کو ایک منافع بخش کاروبار سمجھ کر بہت سے لوگ اس میں داخل ہوئے، علاقائی اور مذہبی تعصب نے جلتی پر تیل چھڑکنے کا کام کیا۔

بیسویں صدی کی آٹھویں دہائی کے آس پاس Crimanalization of Politics یعنی جرائم پیشہ اور بدنام لوگ سیاست میں داخل ہونے لگے۔ ان دونوں عناصر کی شناخت اندرا گاندھی کے دور تلک بخوبی کی جانے لگی۔ اس کے ساتھ کسانوں سے متعلق مسائل نے ایک الگ روپ لے لیا جسے بعد میں نکسل واد اور ماؤواد وغیرہ کا نام دیا گیا، یہ بھی کرپشن کے فروغ کا ایک ذریعہ ہے۔ اسی ضمن میں عوامی کرپشن یعنی وہ مصارف جو عوام کے لیے متعین کیے گئے مثلاً تعلیم، صحت، آبادکاری وغیرہ ان کے لیے متعین کیے گئے فنڈ کا غلط استعمال ہوا۔ عوام کے لیے مذکورہ سہولیات

فراہم تو کی گئیں لیکن نام نہاد سیاسی ٹولہ اور نوکر شاہی نے ان تک پہنچنے نہیں دیا اور بالا ہی بالا رقمیں یا فنڈ ان کی جیبوں میں چلی گئی گویا عوامی کرپشن کو سیاسی اور نوکر شاہی نے مکمل غذا فراہم کی۔ اس طرح اسٹیٹ کرپشن کی حوصلہ افزائی بھی کرتا ہے اور اسے ختم کرنے کی کوشش بھی کرتا ہے، علاقائی سیاست خاص طور پر شناختی سیاست اور نوکر شاہی بدعنوانی کے فارم ہاؤسز ہیں، اس کے علاوہ اسٹیٹ کی تیز رفتار ترقی اور اس پر L.P.G کے طاقت ور اثرات بدعنوانی کو بے طرح بڑھاوا دیتے ہیں۔ L.P.G ملکی ذرائع کو محدود کر دیتا ہے اور آزادانہ سرمایہ کاری کرتا ہے، کارپوریٹ سسٹم کی حوصلہ افزائی کرتا ہے یہ وہ موڑ ہوتا ہے جہاں عوامی مفاد کو یکسر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ L.P.G سسٹم دراصل وہ دیو استبداد ہے جو جب جی چاہے، سیاسی سماجی اور اقتصادی طوفان برپا کر سکتا ہے۔ بدعنوانی کی اس ترکیب کو ہم دو حصوں میں بانٹ سکتے ہیں:

۱- بالائی کرپشن (Corruption from Above)

۲- زیریں کرپشن (Corruption from Below)

بالائی کرپشن میں بین الاقوامی پالیسیاں زیادہ ذمہ دار ہوتی ہیں اور زیریں کرپشن میں عوام ملوث ہوتے ہیں۔

ہندوستان میں بدعنوانی کا سد باب:

ہندوستانی دستور سازوں کو یہ اندیشہ ضرور تھا کہ جمہوری نظام میں بدعنوانی اپنا بال و پر ضرور پھیلا سکتی ہے، مگر موجودہ صورت حال کا اندازہ انھیں یقیناً نہ رہا ہوگا ورنہ اس کے لیے سخت سے سخت قانون ضرور بنائے جاتے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے قانونی لچک کا بدعنوان لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

بدعنوانی کے روک تھام کے لیے اور شفافیت کو برقرار رکھنے کے لیے وزیر اعظم منموہن سنگھ نے آر ٹی آئی (Right to information) کا قانون رائج کیا۔ اس سے اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ بدعنوانیوں کا انکشاف ہونے لگا لیکن بدعنوانی کا مسئلہ جوں کا توں ہے۔ حکومت وقت مختلف قسم کے اقدامات ضرور کر رہی ہے اور نئی نئی پالیسیاں وضع کر رہی ہے یہ پالیسیاں کس حد تک کارگر ہوں گی۔ یہ مستقبل بتلائے گا۔

لوک پال بل اور انا ہزارے کی تحریک:

بدعنوانی ایک ایسا خطرناک مسئلہ بن چکا ہے کہ اس سے ہر شخص پریشان ہے اور وہ رہائی چاہتا ہے۔ گاندھیائی رہنما انا ہزارے نے بدعنوانی کے خاتمہ کے لیے تحریک چلائی تو عوام نے اس کا زبردست استقبال کیا۔ پوری قوم حرکت میں آ گئی، حکومت وقت نے بھی مسئلہ کی نزاکت کو بھانپ لیا اور مشہور زمانہ بل جو لوک پال بل کے نام سے مشہور ہے اس

کے لیے ترتیب وتسوید کا آغاز ہوگیا۔ انا ہزارے حکومت پر دباؤ ڈال کر اپنی تجاویز منظور کرانا چاہتے تھے جو قانون ساز اسمبلی اور جمہوری اقدار کے منافی تھا۔ امید و یاس کے مختلف مراحل سے گذر کر یہ بل فی الحال معرض التواء میں ہے۔ لوک پال بل کوئی نیا بل نہیں ہے، اب تک گیارہ بار یہ بل اسمبلی میں پیش ہوکر ٹھنڈے بستہ میں جاچکا ہے۔

خود انا ہزارے کی تحریک مشکوک بن چکی ہے اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ یہ تحریک سیاسی پارٹیوں کے اثر سے پاک نہیں ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ یہ تحریک صحیح وقت میں غلط محاسبہ کرنے کے لیے ایک سرکاری پروجیکشن ہے نیز کرپشن پر سے توجہ ہٹانے کے لیے سیاسی پارٹیوں کی نمائشی مقابلہ آرائی ہے۔ انا ہزارے کی تحریک سے آر ایس ایس کے تعلقات کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، اسی کے لیے بابا رام دیو کا منظر عام پر آنا تحریک کو مضحکہ خیز بنا دیا کیوں کہ بابا رام دیو پر خود بدعنوانی کا الزام ہے۔ اس طرح مختلف نشیب وفراز سے گذر کر یہ تحریک دم توڑ چکی ہے اور اس کے بطن سے ایک نئی پارٹی ''عام آدمی'' جنم لے چکی ہے جس کے بارے میں یہ شک ہے کہ یہ پارٹی بھی سرکاری پروجیکشن نہ ہو۔ اب تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حکومت کے پاس بدعنوانی سے لڑنے کے لیے کوئی ہتھیار نہیں ہے یا پھر اس کے اندر جرأت اور ہمت کی کمی ہے۔

اسلام اور انسداد بدعنوانی:

اسلام ایک مکمل نظام ہے۔ یہ نظام کسی انسان کا وضع کردہ نہیں ہے کہ اس میں کوئی خامی ہو، اللہ کا بنایا ہوا دستور ہے جو ابد تک کے لیے ہے اور ہر قسم کے پیچیدہ مسائل کا حل اس کے اندر موجود ہے۔ اگر غیر جانبداری سے اسلام کے معاشی نظام کا مطالعہ کیا جائے تو بدعنوانی جیسے مسائل کا حل چٹکی بجاتے ہمیں مل جائے گا۔ اسلام نے اپنی ریاست کی فصیلوں کو اس قدر مضبوط اور مستحکم بنایا ہے کہ بدعنوانی یا اس طرح کی پنپنے والی دیگر تمام بُرائیاں کبھی اندر آ ہی نہیں سکتی ہیں۔

اسلام نے دولت کے لیے اصول بنایا کہ یہ چند ہاتھوں میں مرتکز نہ رہیں بلکہ ہمیشہ گردش میں رہے۔ اس کے لیے اللہ رب العالمین نے زکوۃ کا نظام بنایا تاکہ مالداروں کا مال گردش میں رہے اور فقراء ومساکین بھی ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔ مال اگر نیک راہ میں خرچ کیا جائے اور جائز مقامات پر صرف کیا جائے تو وہ رحمت ہے ورنہ زحمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ واعلموا انما اموالكم و أولادكم فتنة و أن الله عنده اجر عظيم﴾ (الانفال: ۲۸) جان لو کہ تمہارے مال اور اولاد فتنہ ہیں اور اللہ ہی کے پاس بڑا اجر ہے۔ اللہ نے بندوں کے دلوں سے مال کی محبت اور اندوختہ نہ بنانے کے لیے یہ فہمائش کی۔

اسلام نے خیانت کو گناہ کبیرہ قرار دیا۔ خیانت کا لفظ عام ہے جو ہر طرح کی خیانت کو شامل ہے۔ خیانت کو نبی ﷺ نے منافق کی نشانی قرار دیا: ''آية المنافق ثلاثة و إن صام و صلى و زعم إنه مسلم إذا حدث

كذب و إذا وعد أخلف و إذا ائتمن خان" (متفق علیہ) منافق کی نشانی تین ہیں اگر چہ وہ نماز پڑھے روزہ رکھے اور یہ سمجھے کہ وہ مسلم ہے، جب وہ بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ خیانت کرے۔ خیانت کے بارے میں اس سے سخت وعید کیا ہوگی: ''و من يغلل يأت بما غل يوم القيامة ''جو شخص خیانت کرے گا وہ خیانت والی شی کو قیامت کے دن اپنے ساتھ لائے گا یعنی خیانت کی چیز کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا اور خائن سے کہا جائے گا اسے لے کر آئے۔ ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ يايهاالذين آمنوا لا تخونوا الله والرسول و تخونوا اماناتكم و انتم تعلمون﴾ (الانفال: ۲۷) اے مومنو! اللہ اور رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو اور تم جانتے ہو۔

مذکورہ آیات اور احادیث ذکر کرنے کا مقصد یہ بتلانا ہے کہ اسلام نے بدعنوانی سے بچنے کے لیے تین اصول وضع کیا ہے:

۱- خوف خدا ۲- خوف آخرت ۳- کردار سازی

ہندوستان جیسی لادینی اور سیکولر حکومت میں خوف خدا اور خوف آخرت کا گزر کہاں ہوسکتا ہے؟ ہاں کردار کی تربیت ضرور دی جاسکتی ہے، ایمان داری کو جانچا اور پرکھا جاسکتا ہے پرائیوٹ سیکٹر ہو یا سرکاری ہر قسم کے کاغذات اور اسناد کی جانچ تو ہوتی ہے لیکن ایمان داری کی کوئی قدر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ منصب داران موقع ملتے ہی ہاتھ صاف کر دیتے ہیں۔ کارپوریٹ کے زیادہ ترغبن کردار کی تربیت نہ ہونے کی وجہ سے ہوتے ہیں۔

اسلام نے بیت المال یا سرکاری خزانہ کا جو نظم بنایا وہ آج کی دنیا والوں کے لیے یقیناً قابل تقلید ہے۔ خزانہ کے مال کو خرچ کرنے کے لیے اس نے پالیسیاں بنائیں، حاکم کے لیے ضروری ہے کہ ان پالیسیوں کے تحت مال کو خرچ کرے۔ وہ ایک روپیہ اپنی ذات پر تنخواہ کے علاوہ خرچ کرنے کا حق دار نہیں ہے اگر ایسا ہوا تو عوام اس سے محاسبہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے برملا پوچھ لیا کہ بیت المال سے سب کو ایک کرتا ملا آپ کے پاس امیر المؤمنین دو کہاں سے آیا؟ آپ نے بتلایا کہ دوسرا میرے بیٹے عبداللہ کا حصہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اگر بدعنوانی کا کوئی واقعہ پیش آیا تو آپ نے سخت نوٹس لی۔ زکوۃ کا ایک محصل آپ کے پاس زکوۃ کا مال لے کر آیا اور بتلایا کہ یہ آپ کا ہے اور یہ جانور میرا ہے، آپ نے پوچھا تمہیں کہاں سے ملا؟ اس نے جواب دیا مجھے تحفہ میں ملا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تم زکوۃ وصول کرنے نہ جاتے تو تمہیں یہ تحفہ مل جاتا، یہ کہہ کر آپ نے اسے بیت المال میں جمع کر دیا۔ آپ ﷺ کے ایک خادم نے ایک بار مال غنیمت سے ایک چادر

چرالی، جہاد میں تیر لگنے سے وہ شہید ہوگیا، لوگوں نے اس کی شہادت پر مبارک باد دی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کلا والذی نفسی بیدہ إن الشملة التی اخذها یوم خیبر من المغانم لم تصبها المقاسم لتشتعل علیه نارا'' (بخاری) ہرگز نہیں خدا کی قسم جس چادر کو خیبر کی جنگ میں اس نے چرایا تھا اور وہ تقسیم نہیں ہوئی تھی وہ چادر اس غلام پر دوزخ کی آگ بھڑکا رہی ہے۔

اس طرح کی متعدد روایتیں ہیں جو وضاحت کرتی ہیں کہ بدعنوانی کتنا بڑا جرم ہے اور اسلام نے کس طرح اس کی روک تھام کی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو جو سپہ سالار تھے اور انھوں نے ایک شاعر کو بطور انعام دس ہزار روپئے دے دیے، قاصد بھیج کر گلے میں چادر ڈال کر پکڑ بلایا اور جب تک انھوں نے آمدنی کا حساب نہیں دے دیا ان کو چھوڑا نہیں، یہ تھا بدعنوانی کا شبہہ ہونے پر اسلام کا محاسبہ۔

مشہور واقعہ ہے کہ آپ کے دور میں ایک لڑکی کو ماں نے کہا بیٹی دودھ میں پانی ملا دے۔ اس نے جواب دیا، اماں جان امیر المؤمنین کا حکم ہے کہ دودھ میں پانی نہ ملایا جائے، ماں نے جواب دیا امیر المؤمنین یہاں کیا موجود ہیں، لڑکی نے جواب دیا، اماں اللہ تعالیٰ تو دیکھ رہا ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ باہر گلی میں کھڑا ہو کر یہ گفتگو سن رہے تھے۔ آپ نے اس لڑکی کی ایمان داری کی وجہ سے اس کو اپنی بہو بنالیا۔

آج ہندوستانی سرکار لوک پال کی بات کر رہی ہے، کاش کہ وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی زندگی کے حالات پڑھ لیتی اور ان کے نقش قدم پر چلتی تو کسی لوک پال بل کی ضرورت نہ رہتی۔ وہی حضرت عمر بن عبدالعزیز ہیں جنھوں نے شاہی خاندان سے تمام جائیدادیں چھین کر بیت المال میں داخل کر دیا تھا اور سب سے پہلے اپنی بیوی فاطمہ کے زیورات کو بیت المال میں دے دیا۔ آپ کو سرکاری چراغ سے اپنا ادنی سا ذاتی کام کرنا بھی گوارہ نہ تھا۔ عمال کو معمولی اسراف پر سخت تنبیہ کرتے۔ ان کی زندگی کے بے شمار واقعات ہیں، جسے معلوم کرنا ہے ان کی تاریخ پڑھ لے۔

اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ ٹوپیاں سل کر اور قرآن پاک کی کتابت کے ذریعہ اپنا ذاتی خرچ نکالتے تھے۔ انھوں نے اپنے والد کو اسی لیے نظر بند کر دیا کہ بیت المال کی رقم سے شاہجہاں نے تعمیرات پر بے جا طور پر خرچ کیا تھا۔

بہر حال اسلام نے جو قلعہ بنایا اس میں بدعنوانی کہیں سے داخل نہیں ہوسکتی ہے۔ دنیا کے ممالک کو بدعنوانی کے مسئلہ کو حل کرنے کے لیے اسلامی قوانین کو گلے لگانا ہوگا، ورنہ یہ سرطان پوری قوم کو لے ڈوبے گا۔

☆☆☆

صلح حدیبیہ: حقائق ونتائج

مولانا رفیق احمد رئیس سلفی
ادارہ علوم الحدیث، جامعہ اردو روڈ، علی گڑھ

صلح حدیبیہ سیرت نبوی کا اہم ترین باب ہے۔ اس سے سیرت نبوی کے بعض ایسے روشن اور تابناک پہلو سامنے آتے ہیں جو ملت اسلامیہ کی رہنمائی میں ہمیشہ اہم کردار ادا کرتے رہیں گے۔ یہ واقعہ نبی اکرم ﷺ کی دور اندیشی اور سیاسی بصیرت بھی واضح کرتا ہے اور اسلامی سیاست کے کئی ایک بیش قیمت اصولوں کی نشان دہی بھی اس سے ہوتی ہے۔ کتب سیرت کے تمام مصنفین نے اس واقعہ کو شرح وبسط سے بیان کیا ہے۔ سورۃ الفتح میں اللہ نے اس واقعہ کو ذکر فرمایا ہے، اسی لیے تمام ہی مفسرین کے یہاں صلح حدیبیہ کی تفصیلات ملتی ہیں۔ مقام حدیبیہ پر بہت سے صحابہ کرام موجود تھے، انھوں نے اپنے مشاہدات بیان فرمائے ہیں۔ کتب احادیث میں کئی ایک ابواب میں صلح حدیبیہ کا ذکر آتا ہے اور محدثین رحمہم اللہ نے اس واقعہ سے اسلام کے کئی ایک احکام ومسائل کا استنباط کیا ہے۔ شروح حدیث میں ان احادیث کی شرح کرتے ہوئے شارحین حدیث نے مزید تفصیلات فراہم کی ہیں۔ مختصر یہ کہ کتب سیرت، کتب تفاسیر اور کتب احادیث میں اس واقعہ کا تذکرہ تفصیل سے ملتا ہے اور ان احکام وقوانین کا مفصل بیان ملتا ہے جو صلح حدیبیہ کے واقعہ میں مضمر ہیں۔ مجھے اپنے اس مختصر مقالے میں صلح حدیبیہ کے حقائق اور نتائج تک اپنی گفتگو محدود رکھنی ہے۔

پس منظر:

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے صلح حدیبیہ کے پس منظر میں ایک بڑی اہم بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اللہ کی حکمتیں اپنی جگہ کام کر رہی تھیں اور اس نے اسی وقت اپنے نبی کو خواب دکھا کر حکم دیا کہ مکہ تشریف لے جائیں لیکن اس سے پہلے اس کے لیے فضا سازگار ہو چلی تھی۔ غزوہ احزاب کی شکست نے قریش اور دیگر تمام حلیف قبائل کو یہ باور کرا دیا تھا کہ اب اسلامی حکومت کو ختم کرنا آسان نہیں ہے۔ اسی کے ساتھ ایک دوسرا واقعہ بھی رونما ہوا جو فوجی لحاظ سے انتہائی اہم ثابت ہوا۔ واقعہ اس طرح سامنے آیا کہ ایک دن مسلمانوں کے ایک فوجی دستے کو ایک شخص مشتبہ حالت میں مل گیا، وہ کوئی اور نہیں نجد کا سردار ثمامہ بن اثال تھا۔ جب ثمامہ بن اثال قیدی بنا کر مدینہ لائے گئے اور انھیں مسجد نبوی میں

آرام سے رکھا گیا، ان کے کھانے پینے کا ان کی ضرورت کے مطابق انتظام کیا گیا۔ نبی اکرم ﷺ ان سے بار بار اسلام قبول کرنے کی بات کہتے رہے لیکن انھوں نے آپ کی دعوت قبول نہیں کی۔ آخر کار ایک دن آپ نے ان کو رہا کر دیا اور آزادی دے دی کہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔ انھوں نے یہ حسن سلوک دیکھا تو بہت متاثر ہوئے اور تھوڑی دور جا کر غسل کیا اور واپس آ کر حلقہ بہ گوش اسلام ہو گئے اور یہ عرض کیا کہ آج سے پہلے تک سب سے زیادہ مجھے جس شخص سے نفرت تھی، وہ آپ تھے لیکن اب میری نظر میں محبوب ترین شخصیت آپ ہیں۔ مکہ والوں کو غلہ میرے علاقہ سے فراہم کیا جاتا ہے لیکن اب جب تک آپ نہیں کہیں گے مکے میں اناج کا ایک دانہ بھی نہیں جائے گا۔ قحط سالی کا زمانہ، ادھر سردار نجد نے غلہ روک لیا، آخر قریش کے لوگ آپ ﷺ سے مدد کے طالب ہوئے اور آپ نے سردار نجد کو خط لکھا کہ غلے کی بندش اٹھالی جائے۔ آپ نے ایک کام اس موقعہ پر یہ بھی کیا کہ مکہ کے سردار ابوسفیان کو پانچ سو اشرفیاں بھجوادیں کہ مکہ کے غریبوں میں تقسیم کر دی جائیں۔ اس حسن سلوک کا اثر یہ ہوا کہ اہل مکہ اسلام اور پیغمبر اسلام کو دشمن سمجھنے کی بجائے دل ہی دل میں اس پر فخر کرنے لگے کہ ان کے ہی شہر کا ایک آدمی اب بادشاہ بن رہا ہے اور طاقتور ہوتا جارہا ہے لیکن اس کے اظہار کی ان کے اندر جرأت نہیں تھی لیکن یہ اسلام کی طرف میلان کی فطری اور اندرونی کیفیت تھی۔ وہ اسلام کے گھر میں داخل بھی تک نہیں ہوئے تھے لیکن اب اسلام ان کے لیے اجنبی نہیں رہ گیا تھا۔ (خطبات بھاولپور: عہد نبوی میں نظام دفاع اور غزوات، ص: ۲۸۳-۲۸۵ بہ اختصار)

اس مختصر پس منظر کے بعد آیئے اصل واقعے کی طرف ذی قعدہ ۶ ھ سے پہلے کسی دن نبی اکرم ﷺ نے خواب دیکھا کہ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ مکہ معظّمہ تشریف لے گئے ہیں اور وہاں عمرہ ادا فرمایا ہے۔ پیغمبر کا خواب چوں کہ وحی کی ایک قسم ہے، اس لیے آپ نے اسے حکم الٰہی سمجھا اور اس کی تکمیل کے لیے تیار ہو گئے۔ آپ نے اپنا خواب صحابہ کرام کو سنایا اور سفر کی تیاری شروع کر دی۔ آس پاس کے قبائل میں بھی آپ نے اعلان عام کرادیا کہ ہم مکہ مکرمہ عمرے کے لیے جارہے ہیں، جو ہمارے ساتھ چلنا چاہے، وہ آجائے۔ اس اعلان عام کے بعد مخلص مسلمان خوشی خوشی فوراً تیار ہو گئے لیکن منافق اور کمزور ایمان والے یہ خیال کر کے اپنے گھروں میں بیٹھے رہے کہ یہ لوگ موت کے منہ میں جارہے ہیں۔ آپ کے ہمراہ چودہ سو اور بعض روایات کے مطابق پندرہ سو صحابہ کرام تھے۔ ان میں چار خواتین کے نام بھی ملتے ہیں۔ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا، ام عمارہ نسیبہ بنت کعب انصاریہ نجاریہ، ام منیع اور ام عامر رضی اللہ عنہن۔ آپ اپنی قصوا نامی اونٹنی پر سوار ہو کر یکم ذی قعدہ ۶ ھ روز دوشنبہ کو مدینے سے روانہ ہوئے۔ آپ نے مسافرانہ ہتھیار یعنی میان کے اندر بند تلواروں کے سوا اور کسی قسم کا ہتھیار نہیں لیا تھا۔

سفر حدیبیہ کے لیے اقدامات نبوی

۱- رسول اللہ ﷺ نے اپنے معمول ودستور کے مطابق ایک فرمان جاری فرمایا جس کے مطابق آپ نے سیدنا نمیلہ بن عبداللہ اللیثی رضی اللہ عنہ کو مدینہ کے امور کا نگراں بنایا اور سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنی نیابت میں نمازیں پڑھانے پر مامور فرمایا۔

۲- قربانی کے لیے اونٹوں کی خریداری کا کام آپ نے بسر بن سفیان کعبی خزاعی سے لیا اور کہا کہ اونٹ خرید کر لائے اور ہمارے ساتھ مدینہ میں رہے۔ مال دار صحابہ کرام اپنے اپنے اونٹ لے کر آئے تھے۔ آپ نے تمام اونٹوں پر نشان لگائے اور ان کے گلے میں قلادہ ڈالا۔ کتب سیرت میں اونٹوں کی تعداد ستر بتائی گئی ہے۔

۳- رسول اکرم ﷺ نے مدینہ سے نکلتے وقت بسر بن سفیان کعبی خزاعی کو جاسوسی کے لیے منتخب کیا اور اسے حکم دیا کہ مکہ جائے اور وہاں عمرے کی خبر سننے کے بعد کیا ردعمل ہوتا ہے اور مشرکین کیا کارروائیاں کرتے ہیں، ان کی اطلاع دیتا رہے۔

۴- ذوالحلیفہ میں سیدنا عمر بن خطاب اور سیدنا سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہما نے نبی اکرم ﷺ کو مشورہ دیا کہ ہم چوں کہ قریش کے ساتھ حالت جنگ میں ہیں، اس لیے ہنگامی حالات کے لیے ہماری تیاری مکمل ہونی چاہئے۔ کچھ بعید نہیں ہے کہ قریش جنگ کے لیے آمادہ ہو جائیں۔ آپ کے ساتھ نہ گھوڑے ہیں اور نہ ہتھیار۔ آپ نے دونوں حضرات کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے مدینہ پیغام بھیجا کہ وہاں کوئی گھوڑا اور ہتھیار باقی نہ رہے۔ چنانچہ ذوالحلیفہ ہی میں آپ نے چالیس سواروں کا ہراول دستہ تیار کیا۔ یہ دستہ چالیس سواروں کا تھا جس میں مہاجرین اور انصار کے نوجوان تھے۔ اس دستے میں جن میں نوجوان صحابہ کے اسمائے گرامی ہمیں ملتے ہیں، ان میں مقداد بن اسود، ابوعیاش زرقی، حباب بن منذر، عامر بن ربیعہ، محمد بن مسلمہ انصاری، سعد بن زید اور عباد بن بشر نمایاں ہیں۔ اس دستے کا سپہ سالار عباد بن بشر کو بنایا گیا تھا۔

۵- آپ کو جاسوس کے ذریعے اس بات کی اطلاع مل چکی تھی کہ مکہ میں ہل چل ہے، انھوں نے اپنے حلیف قبائل کو جمع کر لیا ہے اور آپ سے لڑنے اور آپ کو بیت اللہ سے روکنے کا تہیہ کیے ہوئے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ جو لوگ قریش کی اعانت پر کمر بستہ ہیں، کیا یہ مناسب ہوگا کہ ہم ان کے اہل وعیال پر ٹوٹ پڑیں یا آپ لوگوں کی رائے ہے کہ اہم ان سب سے بچتے بچاتے خانہ کعبہ کا رخ کریں۔ صدیق اکبر نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ویسے آپ بہتر سمجھتے ہیں لیکن میری رائے ہے کہ ہم چوں کہ عمرہ کرنے کے ارادے سے آئے ہیں، اس لیے

ہم کسی سے جنگ کا آغاز نہ کریں، البتہ جو ہمارا راستہ روکے گا ہم اس سے ضرور جنگ کریں گے۔ خالد بن ولید ایک فوجی دستے کے ساتھ راستہ روکنے اور مزاحمت کرنے کے لیے آگے بڑھ رہے تھے بلکہ ایک مقام پر تو دونوں جماعتیں اس طرح قریب ہوگئی تھیں کہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ سکتی تھیں۔ لیکن آپ نے عام راستہ چھوڑ دیا اور ایک دشوار گزار راستے سے چلتے ہوئے حدیبیہ کے مقام تک جا پہنچے۔

حدیبیہ میں رونما ہونے والے واقعات

۱- حدیبیہ میں مقیم ہونے کے بعد آپ نے خراش بن امیہ کعبی کو سب سے پہلے مکہ بھیجا اور قریش کو اپنے ارادے کی اطلاع دی کہ ہم جنگ کرنے نہیں بلکہ صرف عمرہ کے ارادے سے آئے ہیں، بہتر ہوگا کہ اہل مکہ ہمارا راستہ چھوڑ دیں، ہم مناسک عمرہ ادا کر کے مدینہ واپس لوٹ جائیں گے۔ ابھی وہ سرداران قریش کے خیمے تک پہنچا بھی نہیں تھا کہ کچھ لوگوں نے اس کے اونٹ کی کوچیں کاٹ دیں اور اس کے قتل کے درپے ہوگئے۔ وہ تو اچھا ہوا کہ چند دانش مندوں نے اسے بچالیا ورنہ اس کا قتل ہوجاتا۔ اس نے واپس آکر نبی اکرم ﷺ کو صورت حال سے آگاہ کیا اور کہا کہ قریش سے بات چیت کرنے کے لیے کسی مضبوط آدمی کو بھیجیں۔

۲- اس کے بعد خزاعہ کا وفد بدیل بن ورقاء کی قیادت میں نبی اکرم ﷺ سے بات چیت کرنے کے لیے آیا۔ بدیل نے کہا کہ اہل مکہ آپ کو مکے میں نہیں جانے دیں گے، وہ جنگ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے جواب دیا کہ ان سے جا کر کہو کہ جنگ سے کسی کو کوئی فائدہ نہیں ہونے والا ہے۔ ہم صرف عمرہ کرنے آئے ہیں۔ قربانی کے جانور ہمارے ساتھ ہیں۔ بدیل نے واپس جا کر قریش کو صورت حال اور نبی اکرم ﷺ کے ارادے سے باخبر کیا لیکن انھوں نے اس کی بات پر کوئی توجہ نہیں دی۔

۳- مصالحت کی کوششیں ناکام ہوتی جارہی تھیں۔ یہ دیکھ کر عروہ بن مسعود ثقفی نے قریش کے سامنے تجویز رکھی کہ اسے ثالث بنایا جائے اور وہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو مدینہ واپس جانے کو کہے گا۔ چنانچہ وہ سفارتی مہم پر روانہ ہوا اور نبی اکرم ﷺ کے پاس آکر اس نے قریش کی جنگی تیاریوں اور ان کے عزائم سے مطلع کیا۔ آپ نے اسے بھی حسب سابق جواب دیا۔ عروہ نے سخت کلامی اور بے ادبی بھی کی اور صدیق اکبر نے اسے بُرا بھلا کہتے ہوئے ''امصص بذر اللات'' والی غیر معمولی بات کہی۔ مغیرہ بن شعبہ نے تلوار کے دستے سے کئی بار اس کے ہاتھوں پر مارا کہ اپنے ہاتھ نبی اکرم ﷺ کی داڑھی سے دور رکھے۔ بہرحال عروہ بن مسعود ثقفی نے واپس جا کر قریش سے کہا کہ میں نے اصحاب محمد کی ان کے ساتھ جوفداکاری اور جاں نثاری دیکھی ہے، اس سے مجھے نہیں لگتا کہ تم انھیں بزور شمشیر روک

سکو گے لہذا بھلائی اسی میں ہے کہ ان کو عمرہ کرنے دو۔ وہ جنگ کے لیے نہیں بلکہ اپنے ساتھ قربانی کے جانور لے کر عمرہ کرنے آئے ہیں۔ قریش نے اس کی بات نہیں مانی جس کی وجہ سے وہ بہت ناراض ہوا اور ان کا ساتھ چھوڑ کر چلا گیا۔

۴- عروہ بن مسعود ثقفی کے اس رویے سے قریش کے خیمے میں پھوٹ پڑ گئی اور وہ ثالثی کے مسئلے پر مزید سنجیدگی سے غور کرنے کے لیے مجبور ہو گئے۔ انھوں نے مکرز بن حفص کو ثالث بنا کر بھیجا۔ نبی اکرم ﷺ نے اسے آتا دیکھ کر فرمایا کہ یہ بڑا خائن ہے۔ لیکن اس کے آنے پر آپ نے اس سے بات چیت کی اور اسے بھی صراحت کے ساتھ بتا دیا کہ وہ صرف عمرہ کرنے آئے ہیں۔ اس نے قریش کی یہ پیش کش آپ کے سامنے رکھی کہ آپ واپس چلے جائیں لیکن اس کی یہ سفارت بھی ناکام ہوگئی۔ پھر قریش نے ایک اور ثالث حلیس بن زبان کو بھیجا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہ اگر چہ کافر ہے لیکن عبادت وغیرہ کی تعظیم کرتا ہے۔ قربانی کے جانور کھڑے کر دیے جائیں اور تلبیہ کی آواز اسے سنائی جائے۔ اُس نے نبی اکرم ﷺ کے پاس آ کر جو نقشہ دیکھا تو بہت متاثر ہوا اور واپس جا کر قریش کو ہی بُرا بھلا کہنے لگا کہ یہ زیادتی ہے کہ کسی کو کعبے کی زیارت سے منع کیا جائے۔ اس سے قریش کے خیمے میں مزید پھوٹ پڑ گئی۔

۵- نبی اکرم ﷺ نے ایک آخری کوشش کے طور پر سیدنا عمر بن خطاب کو سفیر بنا کر بھیجنے کا ارادہ کیا۔ فاروق اعظم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! چوں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قبیلے کے افراد وہاں موجود ہیں، اس لیے ان کو بھیجنا مناسب ہوگا۔ آپ کو یہ تجویز پسند آئی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سفارتی مہم پر روانہ ہوئے، وہاں انھیں ان کے ہم قبیلہ افراد کا تعاون بھی ملا اور انھوں نے جا کر قریش سے اس مسئلے میں صاف صاف بات کی۔ قریش نے ان کو کعبہ کا طواف کرنے کے لیے کہا لیکن انھوں نے یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ نبی اکرم ﷺ سے پہلے میں کعبے کا طواف نہیں کر سکتا۔ قریش نے ان کو صلح اور مصالحت کے لیے کچھ زیادہ ہی روک لیا۔ اسی درمیان مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ قریش نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ سفیر کا قتل ایک سنگین جرم تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے تمام صحابہ سے خون عثمان کا بدلہ لینے کی بیعت کی اور آخری دم تک جنگ کرنے کا حلف لیا۔ یہی بیعت بیعت رضوان کہلاتی ہے۔ جس درخت کے نیچے یہ بیعت لی گئی تھی بعد میں اسے لوگوں نے باعث برکت قرار دے کر وہاں آنا جانا اور نفل نماز پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے اس درخت کو کٹوا دیا۔ اس واقعہ کے تعلق سے ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے بڑی اہم بات یہ لکھی ہے کہ: ''حضرت عمر کا زمانہ آتا ہے تو وہ درخت کٹوا کر غائب کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے، نہ کہ اس کی بنائی ہوئی مخلوق ایک درخت سے، چاہے وہ کتنا

ہی مقدس کیوں نہ ہو۔ یہ تھی اسلامی توحید پرستی کہ رسول اکرم ﷺ کے آثار مبارکہ سے بھی اگر اسلام کے اس بنیادی عقیدے کی خلاف ورزی ہونے کا خطرہ پیدا ہوجاتا ہے تو اسے دور کردیا جاتا ہے۔ (خطبات بھاولپور: ص: ۲۸۷)

۶-قریش کو جب اس بیعت کی اطلاع ملی تو وہ گھبرا گئے اور ان کے سامنے صرف صلح ومصالحت کی ایک راہ باقی رہ گئی۔ افواہ تو غلط نکلی، سیدنا عثمان بہ خیریت واپس آ گئے لیکن اس واقعہ سے قریش کو اندازہ ہوگیا کہ اب سوائے صلح کے کوئی چارہ نہیں ہے چنانچہ انھوں نے بن عمرو کی قیادت میں ایک وفد نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور پھر کافی ردوقدح کے بعد صلح کی دفعات طے پا گئیں۔

صلح کی دفعات:

مصنفین کتب سیر ومغازی اور محدثین کرام نے صلح کی دفعات اور اس کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ معمولی فرق کے ساتھ سب کے یہاں ایک جیسے الفاظ ملتے ہیں۔ ان تمام دفعات اور عبارتوں کو ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمہ اللہ نے اپنی مشہور اور بے مثال کتاب ''مجموعة الوثائق السياسية للعهد النبوى والخلافة الراشدة'' میں نقل کردیا ہے۔ جو مندرجہ ذیل ہے:

١ – باسمك اللهم

٢ – هذا ما صالح عليه محمد بن عبدالله سهيل بن عمرو

٣ – واصطلحا على وضع الحرب عن الناس عشر سنين يأمن فيهن الناس و يكف بعضهم عن بعض.

٤ – على أنه من قدم مكة من أصحاب محمد حاجاً أو معتمراً أو يبتغى من فضل الله فهو آمن على دمه و ماله، ومن قدم المدينة من قريش مجتازا إلى مصر أو إلى الشام يبتغى من فضل الله فهو آمن على دمه و ماله.

٥ – على أنه من أتى محمداً من قريش بغير أذن وليه رده عليهم، و من جاء قريشاً ممن مع محمد لم يرده عليه.

٦ – و أن بيننا عيبة مكفوفة، و أنه لا أسلال ولا أغلال.

٧ – و أنه من أحب أن يدخل فى عقد محمد وعهده دخله، و من أحب أن يدخل فى عقد قريش و عهدهم دخل معه.

۸–و أنت ترجع عناعامك هذا، فلا تدخل علينا مكة، و أنه إذا كان عام قابل، خرجنا عنك فدخلتها بأصحابك فأقمت بها ثلاثا، معك سلاح الراكب، السلاح فى القرب، ولا تدخلها بغيرها۔

۹– و على أن هذا الهدى حيث ما جئناه و محله فلا تقدمه علينا۔

۱۰– أشهد على الصلح رجال من المسلمين و رجال من المشركين: أبو بكر الصديق، و عمر بن الخطاب، و عبدالرحمن بن عوف، وعبدالله بن سهل بن عمرو، و سعد بن أبى وقاص، و محمود بن مسلمه و مكرزبن حفص، (و .....؟ من المشركين)

وعلى بن أبى طالب و كتب۔

(مجموعة الوثائق السياسية للعهد النبوى والخلافة الراشده للدكتور محمد حميدالله، ص:۷۷، ۸۰)

۱-اے اللہ تیرے نام سے۔

۲-یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد بن عبداللہ اور بن عمرو کے درمیان صلح ہوئی ہے۔

۳-دونوں نے اس بات پر صلح کی ہے کہ آیندہ دس سالوں تک جنگ موقوف رہے گی، لوگوں کو امن وامان حاصل رہے گا اور کوئی ایک دوسرے سے چھیڑ خانی نہیں کرے گا۔

۴-اصحاب محمد میں سے جو کوئی حج، عمرہ یا تجارت کے لیے مکہ آئے گا، اس کی جان و مال کو کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ اسی طرح قریش میں سے جو کوئی مصر یا شام آتے جاتے ہوئے مدینہ آئے گا، وہ جان و مال کے تعلق سے مامون ومحفوظ رہے گا۔

۵-قریش میں سے جو کوئی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر محمد ﷺ کے پاس آئے گا، آپ اسے واپس کریں گے لیکن محمد ﷺ کے ساتھیوں میں سے کوئی قریش کے پاس آجائے گا تو قریش اسے واپس نہیں کریں گے۔

۶-ہمارے درمیان مکمل جنگ بندی رہے گی، نہ تلواریں کھینچیں گی اور نہ دغابازی کی جائے گی اور نہ فریب کا کاروبار ہوگا۔

۷-جو قبائل محمد ﷺ کے ساتھ عہد و پیمان کرنا چاہیں گے، وہ ان کے ساتھ عہد و پیمان کرنے کے لیے آزاد ہوں گے اور جو قریش کے ساتھ معاہدہ کرنا چاہیں، وہ ان کے ساتھ کرلیں۔

۸- آپ اس سال مدینہ واپس لوٹ جائیں، مکہ میں داخل نہ ہوں۔ آیندہ سال ہم مکہ آپ کے لیے خالی کردیں گے، آپ اپنے اصحاب کے ساتھ وہاں آئیں اور تین دنوں تک قیام کریں۔ صرف سوار کا ہتھیار ساتھ میں ہوگا، تلواریں نیام میں ہوں گی اور ان کے علاوہ کوئی جنگی ساز وسامان اپنے ساتھ نہیں لائیں گے۔

۹- قربانی کے جانور جہاں تک پہنچ چکے ہیں، اس سے آگے نہیں جائیں گے۔ ان کو یہیں قربان کرنا ہوگا۔

۱۰- صلح نامہ پر گواہ ہیں مسلمان اور مشرکین میں سے ابوبکر صدیق، عمر بن خطاب، عبدالرحمٰن بن عوف، عبداللہ بن سہل بن عمرو، سعد بن ابی وقاص اور محمود بن مسلمہ، مکرز بن حفص اور مشرکین میں سے ایک اور آدمی، علی بن ابی طالب اور اس معاہدے کو علی بن ابی طالب نے تحریر کیا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے یہاں معاہدہ کے دستاویز میں تیسرے مشرک کا نام ذکر نہیں کیا ہے بلکہ اس کے لیے جگہ خالی چھوڑ دی ہے۔ جب کہ محمد احمد باشمیل نے لکھا ہے کہ آخری مذاکرات کے لیے قریش کا تین نفری وفد آیا تھا جو بن عمرو عامری، جویطب بن عبدالعزی اور مکرز بن حفص پر مشتمل تھا۔ ظاہر ہے کہ صلح نامے پر مشرکین میں سے انھیں تینوں کے نام گواہ کے طور پر درج کیے گئے ہوں گے۔ (صلح حدیبیہ، محمد احمد باشمیل، نفس اکیڈمی کراچی، ۱۹۸۵ء اور ترجمہ: اختر فتح پوری، ص: ۱۹۶)

امام ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ نے اپنی مشہور کتاب ''زادالمعاد فی ھدی خیر العباد'' میں صلح حدیبیہ کے حالات اور واقعات پر بڑی تفصیلی گفتگو فرمائی ہے اور اس سے جہاں کئی ایک فقہی مسائل واحکام کا استنباط فرمایا ہے، وہاں اس کے کئی ایک سیاسی پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ اسلام کے سیاسی نظریات اور نبی اکرم ﷺ کی سیاسی حکمت عملی اور مدبرانہ سیاست کو سمجھنے میں اس سے کافی مدد ملتی ہے۔ علامہ ابن قیم الجوزیہ کے حوالے سے چند باتیں یہاں عرض کی جارہی ہیں:

۱- امیر لشکر کے لیے مناسب ہے کہ وہ دشمن کے حالات کا پتا لگانے کے لیے اپنے جاسوس بھیجے تاکہ دشمن کی نقل وحرکت کا اسے مکمل علم رہے اور ان کی سرگرمیوں کی اطلاع اسے ملتی رہے۔

۲- ضرورت کے وقت جہاد میں ایسے مشرک سے مدد لینا جائز ہے جس کے بارے میں یہ اطمینان ہو کہ وہ قابل اعتماد ہے۔ کیوں کہ آپ نے بسر بن سفیان کعبی خزاعی کو اپنا جاسوس مقرر فرمایا تھا جو اس وقت کافر تھے۔ ایسے جاسوس کا دشمن کی صفوں میں شامل ہوکر ان کے حالات سے باخبر ہونا آسان ہوتا ہے۔

۳- قائد اسلامی اور سپہ سالار کا اپنی فوج اور عوام سے مشورہ لینا مستحب ہے۔ اس کے کئی ایک فائدے ہیں:

مسئلہ زیر بحث پر کئی ایک خیالات سامنے آجاتے ہیں، دوسرے حضرات کی دل جوئی ہوتی ہے، ان کی ناراضگی سے محفوظ رہا جاسکتا ہے اور مصالح کے مختلف گوشے نمایاں ہوجاتے ہیں

۴-مشرکین، اہل بدعت، فاسق وفاجر، باغی اور ظالم بھی اگر کسی ایسی چیز کا مطالبہ کریں جس میں ان کا مقصد اللہ کی حرمتوں میں سے کسی کی تعظیم ہو تو ان کو مثبت جواب دیا جائے گا اور اس سلسلے میں ان کی مدد کی جائے گی۔ ان کے کفر اور بغاوت سے کوئی سمجھوتہ نہیں کیا جائے گا لیکن اللہ کی مرضی کے کاموں میں ان کے ساتھ پورا تعاون کیا جائے گا۔

۵- امام مسلمین اگر اس میں مسلمانوں کی مصلحت دیکھے تو وہ دشمن سے مصالحت کی بات چیت کا آغاز کرسکتا ہے۔ اس کا انتظار نہیں کرے گا کہ صلح کی ابتدا دشمن کی طرف سے کی جائے۔

۶- دشمن کے سفیر سے بات چیت کرتے وقت امام وقت کے سامنے اس کی تعظیم اور حفاظت کے لیے کھڑے رہنا فخر مذموم میں نہیں شمار ہوتا اور نہ اس تکبر کے ذیل میں آتا ہے جس کی مذمت حدیث نبوی: ''من أحب أن يتمثل له الرجال قياماً فليتبوأ مقعده من النار'' (السنن لأبی داؤد: ۵۲۲۹) میں کی گئی ہے۔ صلح کی بات چیت کے وقت سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے قریب کھڑے رہے۔ اسی طرح دشمن کے سفیر کے سامنے اسلام کے شعائر کا مظاہرہ کرنا بھی فخر ومباہات میں شمار نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ نے قربانی کے اونٹوں کو سفیر مکہ کے سامنے کھڑے کرنے کا حکم اسی لیے دیا تھا تاکہ اس پر ہمارے یہاں آنے کا مقصد واضح ہوجائے۔

۷- کفار ومشرکین کے سفیر کی بے ادبی، گستاخی، جہالت اور سخت کلامی کو عمومی مصالح اور وسیع تر مفاد میں برداشت کرنا چاہئے۔ نبی اکرم ﷺ نے عروہ بن مسعود ثقفی کے ذریعے اپنی داڑھی پکڑنے کا کوئی نوٹس نہیں لیا بلکہ بعض صحابہ کرام کو روکا بھی جب انھوں نے اس کو اپنی حرکت سے باز آنے کو کہا۔

۸- راجح مصالح کے پیش نظر مشرکین سے بعض ایسی شرطوں پر بھی صلح کرنا جائز ہے جن میں بظاہر مسلمانوں کا نقصان ہو اور یہ دکھائی دے کہ انھوں نے دب کر یہ صلح کی ہے۔ ایک بڑی برائی کا خطرہ ٹالنے کے لیے کم تر نقصان گوارا کیا جاسکتا ہے۔

۹- اس شرط پر مشرکین سے صلح کرنا جائز ہے کہ ان کے یہاں سے جو شخص مسلمان ہوکر اسلامی مملکت میں آجائے گا، اسے ان کے مطالبے پر واپس بھیج دیا جائے گا اور اگر کوئی مسلمان مشرکین کے یہاں اپنی مرضی سے چلا جائے گا تو وہ اسے واپس نہیں کریں گے لیکن یہ شرط صرف مردوں کے حق میں جائز ہے، عورتوں کو اس سے مستثنی رکھا جائے گا۔

۱۰- مسلم سربراہ کی ذمہ داری نہیں ہے کہ جو شخص مسلمان ہو کر کسی دوسری جگہ چلا جائے، اسے وہ پکڑ کر کفار کے حوالے کرے، اسی طرح جو بھی مسلمان ہو کر اسلامی حکومت میں آجائے گا جب تک اس کی واپسی کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا، اسے واپس جانے کے لیے نہیں کہا جائے گا۔ نبی اکرم ﷺ نے ابوبصیر کو جب وہ آپ کے پاس آئے تو فورا واپس جانے کو نہیں کہا اور نہ ان پر دباؤ ڈالا لیکن جب مشرکین مکہ ان کو لینے کے لیے آئے تو ان کو ان کے ہاتھوں میں سونپ دیا۔

۱۱- جن سے معاہدہ کیا گیا ہے، جب شرطوں کے مطابق کسی کو ان کے حوالے کر دیا جائے اور وہ اسے اپنے قبضے میں لے لیں، اس کے بعد اگر گرفتار شدہ کسی معاہد کو قتل کر دیتا ہے تو اس کی کوئی ذمہ داری اسلامی حکومت پر عاید نہیں ہوگی، نہ وہ دیت ادا کرے گی اور نہ سربراہ اسلامی حکومت اس کا ضامن ہوگا بلکہ اس کا حکم وہی ہوگا جو ان کی حکومت میں کسی کے قتل کا ہوتا ہے۔ ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے ذوالحلیفہ میں ایک معاہد کو قتل کر دیا جو اگر چہ مدینہ کے زیر انتظام تھا لیکن چوں کہ وہ معاہدین کے حوالے کیے جا چکے تھے، اس لیے اسلامی حکومت نے کوئی ذمہ داری قبول نہیں کی۔

۱۲- معاہدین جب امام مسلمین سے معاہدہ مکمل کر لیں۔ اس کے بعد انھیں میں سے کوئی جماعت ان سے باغی ہو کر ان سے جنگ کرے، ان کا مال لوٹے اور وہ امام مسلمین سے مدد کے طالب نہ ہوں اور نہ اس کے پاس آئیں تو امام مسلمین کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے کہ انھیں ان کے حوالے کرے یا انھیں اپنی کاروائیاں روکنے کے لیے کہے۔ خواہ وہ امام کے عہد میں خود کو شامل تسلیم کرتے ہوں یا نہ تسلیم کرتے ہیوں۔ صلح حدیبیہ میں جو عہد و پیمان ہوا تھا وہ نبی اکرم ﷺ اور مشرکین مکہ کے درمیان تھا۔ ابوبصیر اور ان کے ساتھیوں کا مشرکین سے کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا۔ (زاد المعاد لابن قیم الجوزیہ: ۳/ ۳۰۰-۳۰۹)

صلح حدیبیہ کے نتائج واثرات:

صلح حدیبیہ سے تمام معاملات ختم اور مکمل کرنے کے بعد آپ اپنے اصحاب کے ساتھ مدینے کے لیے واپس لوٹے۔ کئی ایک حضرات اس صلح کو اپنی شکست اور ذلت سمجھ رہے تھے۔ اس وقت ضجنان یا کراع الغمیم کے مقام پر سورۃ الفتح نازل ہوئی جس میں مسلمانوں کو یہ بشارت دی گئی کہ جس صلح کو تم اپنی شکست اور ذلت سمجھ رہے ہو وہ فتح عظیم ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو جمع کیا اور یہ سورت پڑھ کر سنائی، خاص طور پر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو سنائی جو سب سے زیادہ رنجیدہ اور کبیدہ خاطر تھے۔ اہل ایمان کو یقین ہو گیا اور اللہ کا ارشاد سن کر وہ ہر لحاظ سے مطمئن ہو گئے۔ لیکن ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ اس صلح کے فوائد اور ثمرات ایک ایک کر کے سامنے آنے لگے۔ اصحاب

سیر ومغازی، محدثین کرام اور مفسرین عظام نے صلح حدیبیہ کے اثرات ونتائج پر بڑی مفصل گفتگو کی ہے۔ یہاں اس کا خلاصہ پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں:

۱-مشرکین مکہ اور قریش کے بڑے بڑے سرداروں نے پہلی بار عرب کی سرزمین پر اسلامی حکومت کے وجود کو تسلیم کیا۔اس سے پہلے وہ مدینہ کے مسلمانوں کو کوئی اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں تھے۔ نبی اکرم ﷺ اور مہاجرین کو وہ ایک باغی کی حیثیت سے سمجھتے تھے اور انھیں برابر کا درجہ دینے کے لیے تیار نہیں تھے۔صلح حدیبیہ میں نہ صرف انھوں نے ان کے باعزت وجود کو تسلیم کیا بلکہ یہ حق بھی دیا کہ جو قبائل آپ کے حلیف بننا چاہیں، ان کو مکمل آزادی حاصل ہے۔

۲-قریش اب تک نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کو صابی اور بے دین کہا کرتے تھے اور خود کو دین ابراہیمی کا پرستار باور کراتے آرہے تھے۔اسی وجہ سے کعبہ کی تولیت ان کے پاس تھی اور حج کے تمام مراسم کی ادائیگی وہی کراتے تھے۔صلح حدیبیہ میں انھوں نے پہلی بار اسلام کو ایک دین کی حیثیت سے تسلیم کیا اور اس کے ماننے والوں کا یہ حق تسلیم کیا کہ انھیں بھی کعبہ کی زیارت کرنے اور اپنے طریقے سے مراسم عبودیت بجالانے کا حق حاصل ہے۔اس سے اسلام کے سلسلے میں غلط فہمیوں کا ازالہ آپ سے آپ ہوگیا اور بہت سے لوگوں کے لیے اسلام قبول کرنے کی راہ آسان ہوگئی۔

۳-ہجرت کے بعد سے اب تک مسلسل غزوات وسرایا نے مسلمانوں کو موقع نہیں دیا تھا کہ وہ آزادی کے ساتھ ادھر ادھر آجاسکتے اور قریب ودور کے قبائل تک پہنچ کر اسلام کی دعوت انھیں دے پاتے۔اس صلح میں دس سال تک جنگ نہ کرنے کا جو معاہدہ ہوا، اس سے یہ ساری الجھنیں دور ہوگئیں۔اب وہ آسانی کے ساتھ ہر قبیلے کے پاس جا کر اسے اسلام کے آفاقی پیغام سے روشناس کرا سکتے تھے۔سکون میسر نہ آنے کی وجہ سے ابھی تک اسلامی حکومت داخلی اعتبار سے اپنی تہذیبی وتمدنی صورت حال کو اتنی مستحکم نہیں کرسکی تھی کہ اس کی برکتوں کی خوشبو ہر چہار جانب پھیل سکے۔ جنگ بندی کے معاہدہ نے اس شعبے میں کام کرنے کے مواقع دیے اور مدینہ کی اسلامی حکومت اپنے امن وامان، اصول پسندی، رفاہی خدمات اور اپنے شہریوں کے لیے یکساں حقوق بہت جلد عام قبائل کی نگاہوں میں آگئی۔

۴-مدینہ کے جنوب میں مکہ ہے، اس کے شمال میں خیبر کا علاقہ تھا۔اپنے دونوں دشمنوں کے درمیان مدینہ کی اسلامی حکومت کو ہر وقت خطرات لاحق تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے مشرکین مکہ سے صلح کرکے اس جانب سے مکمل اطمینان حاصل کرلیا۔اس کے بعد آپ کی ساری توجہ شمال عرب اور وسط عرب کی طرف ہوگئی۔اس طرف کی تمام مخالف طاقتوں

کوآپ نے بہت جلد زیر کرلیا، ابھی تین ماہ ہی گزرے تھے کہ یہودیوں کا سب سے بڑا قلعہ خیبر فتح ہوگیا۔ اس طرح اسلامی حکومت ایسی مضبوط طاقت بن کر ابھری کہ مشرکین مکہ کو پھر مدینے کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ معاہدے کی خلاف ورزی کے نتیجے میں جب آپ نے ۸ھ میں مکہ کو فتح کرنے کا ارادہ فرمایا تو کوئی طاقت نہیں تھی جو اسلام کا راستہ روک سکے۔

۵- ابوبصیر اور ان کے ساتھیوں کا معاملہ قریش کے لیے بہت مہنگا ثابت ہوا۔ بظاہر صلح کی یہی دفعہ مسلمانوں کے لیے سب سے زیادہ پریشان کن تھی کہ مکے سے آنے والے کو واپس کرنا ہوگا اور مدینے سے آنے والے کو ہم واپس نہیں کریں گے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو مدینے سے واپس چلا جائے، وہ ہمارے کسی کام کا نہیں، اس کو ہم سے دور ہی رہنا چاہئے۔ ابوبصیر جب مکہ آئے تو قریش کے آدمی انھیں گرفتار کرنے آ گئے۔ معاہدہ کے مطابق اللہ کے نبی ﷺ نے انھیں واپس بھیج دیا لیکن وہ راستے میں ان کے آدمیوں سے جان چھڑا کر بحر احمر کے اس ساحل پر جا بیٹھے جہاں سے قریش کے تجارتی قافلے گزرتے تھے۔ آہستہ آہستہ وہاں آ کر جمع ہونے والے نومسلموں کی تعداد ستر تک پہنچ گئی اور انھوں نے قریش کے تجارتی قافلوں کا ناطقہ بند کر دیا۔ آخر کار قریش نے خود نبی اکرم ﷺ سے درخواست کی کہ انھیں مدینے بلوالیں۔ اس طرح اہل مکہ تک ایک خاموش پیغام پہنچا کہ نبی اکرم ﷺ کی سیاسی بصیرت اور حکمت عملی ہم سے کہیں زیادہ کامیاب رہی اور اس طرح قریش کی عداوت اور دشمنی میں وہ حدت نہیں رہی جو اب تک نظر آتی تھی۔

۶- امن وامان کے اسی دور میں آپ نے مختلف بادشاہوں کو دعوتی خطوط روانہ فرمائے اور انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ مخالفتیں بھی ہوئیں، شدید ردعمل کا اظہار بھی ہوا لیکن کئی طرف سے مثبت جوابات ملے اور اسلام کا دائرہ اثر ورسوخ دراز سے دراز تر ہوتا گیا۔

خلاصۂ کلام:

سیرت نبوی کے اس اہم واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے اور اسلام کی یہ تعلیم سامنے آتی ہے کہ اسلام جنگ و جدال کے مقابلے میں صلح وآشتی کو ترجیح دیتا ہے اور آخری دم تک جنگ ٹالنے کی کوشش کو مستحسن قرار دیتا ہے۔ ملت کے وسیع تر مفاد میں معمولی خسارہ برداشت کرنا بھی اس کی ترجیحات میں شامل ہے۔ قیادت کو صبر وضبط کا غیر معمولی مظاہرہ کرنا چاہئے، عجلت اور جذبات سے مغلوب ہو کر فیصلے کرنا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ مدینے سے نکلنے اور حدیبیہ تک کے طویل سفر میں نبی اکرم ﷺ نے جس سیاسی دوراندیشی، جنگی حکمت عملی اور ٹکراؤ سے بچنے کی تدابیر اختیار فرمائیں،

وہ ایک مسلم قیادت کے لیے سراپا عبرت ونصیحت ہے، ان جزئیات کو اسے اپنے ہر قدم پر ملحوظ رکھنا چاہئے۔ اپنے ارادے خواہ کتنے ہی نیک اور خیر خواہی پر مبنی کیوں نہ ہوں، جب ہم دشمن کی سرزمین پر قدم رکھ رہے ہوں تو اپنی تیاری مکمل رہنی چاہئے تاکہ کسی بھی ناگہانی آفت کا مقابلہ کیا جاسکے، آپ ﷺ نے عام قافلے سے ہٹ کر چالیس ہتھیار بند سواروں کا دستہ اسی مقصد سے ترتیب دیا تھا جو آپ کے آس پاس رہا، اگر چہ جنگ کی نوبت نہیں آئی لیکن ہر طرح کے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے اسلامی قافلہ تیار تھا۔ جان ومال کی حفاظت کی تدابیر اپنانا سیرت نبوی کی ترجیحات میں شامل رہا ہے۔ ہنگامی حالات میں قیادت کو خواص کے علاوہ عام لوگوں سے بھی مشورے لینا چاہئے، ممکن ہے کوئی ایسی بات مل جائے جو سب کے مفاد میں ہو، قیادت کو اپنے ساتھیوں کے جذبات کی رعایت کرنی چاہئے اور ان کی وقتی ناراضگی کو برداشت کرکے بات کو دلوں میں اتارنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ قیادت کے اجتماعی فیصلوں کو تسلیم کرنا ضروری ہے، اس کے انجام کو لے کر بہت زیادہ فکرمندی کا اظہار مناسب نہیں ہے۔ خواتین بھی اہم معاملات میں مشورے دے سکتی ہیں اور ان کے مشورے بھی اہمیت رکھتے ہیں، صنف نازک اور ناقص العقل قرار دے کر ان کے مشورے کو اہمیت نہ دینا سیرت نبوی کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ مقاصد عظیم ہوں تو لفظی تنازعات کو طول دینا اور کسی خاص لفظ پر اصرار کرنا اچھی بات نہیں ہے۔ قیادت سے کوئی شکایت ہو یا کوئی بات سمجھ میں نہ آرہی ہو تو قیادت کے سامنے اپنی الجھنیں رکھی جاسکتی ہیں اور صالح قیادت کو ان پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے۔ صلح اور معاہدے کی تمام دفعات اور شرائط کا پاس ولحاظ نیک نیتی سے کیا جانا چاہئے، اس تعلق سے کوئی بدعہدی اور فریب اسلامی تعلیمات اور سیرت نبوی کے خلاف ہے۔ معاہدے کے وقت تحریر میں صرف مردوں (رجال) کا ذکر تھا، بعد میں جب بعض خواتین نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو مشرکین کے مطالبہ کے باوجود آپ نے انھیں واپس نہیں کیا بلکہ اس کے لیے قرآن کے خصوصی احکام نازل ہوئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صلح اور معاہدہ کے دفعات کی تشریح یا کسی مجمل بات کی توضیح میں اسلامی حکومت کے مصالح پیش نظر رکھے گی اور فریق مخالف کو اس کی مرضی کے مطابق تشریح وتوضیح کا حق نہیں دے گی اور اس رویے کو صلح اور معاہدہ کی شرائط کی خلاف ورزی کے ذیل میں شمار کیا جاسکتا۔

☆☆☆

غیر مسلموں کے حقوق احادیث نبویہ کی روشنی میں

شیخ عین الباری عالیاوی
ایم،اے،علی گڈھ

۱- انسان کی جان و مال کی حفاظت ایمان کی علامت ہے:

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:''المؤمن من أمنه الناس على دمائهم وأموالهم''(رواه الترمذى والنسائى، مشكاة ، ص:۱۷، حديث نمبر:۳۳) یعنی مومن وہ ہے جس کی وجہ سے لوگوں کی جان و مال محفوظ ہو۔اس حدیثِ رسول میں''الناس''لفظ ہے۔جس کے معنی انسان ہیں۔وہ انسان مسلمان ہوسکتا ہے اور غیر مسلم بھی۔ لہذا اس حدیث کے مطابق درحقیقت مؤمن وہ نہیں جس کے دست برد اسے غیر مسلم کی جان و مال محفوظ نہ رہے۔اس لیے اس حدیثِ رسول سے ثابت ہوا کہ غیر مسلم کی جان و مال کی حفاظت کرنا اسلامی حق ہے۔

۲- اچھی خصلت سب سے افضل ایمان ہے:

عن عمروبن عبسة قال أتيت رسول الله ﷺ قلت أى الإيمان أفضل؟ قال خلق حسن رواه أحمد. و فى رواية معاذ بن جبل قال و ماذا يا رسول الله؟ قال أن تحب للناس ما تحب لنفسك، وتكره لهم ما تكره لنفسك. (رواه أحمد. مشكاة ص: ۲۱، مطبوعة بيروت، حديث نمبر: ٤٦ و ١٨)

صحابیٔ رسول عمرو بن عبسۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر پوچھا سب سے افضل ایمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے کہا،اچھی خصلت ہے۔(مسند احمد)

معاذ بن جبل کی روایت میں ہے اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! اچھی خصلت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:تم اپنے لیے جس کو پسند کرتے ہو اسی کو لوگوں کے لیے پسند کرنا اور جس کو تم اپنے لیے پسند نہیں کرتے ہو اس کو دوسرے لوگوں کے لیے ناپسند کرنا۔

اس حدیث میں اپنی پسندیدہ چیز کو دوسرے لوگوں کے لیے پسند کرنا اور اپنی ناپسندیدہ چیز کو دوسرے لوگوں کے لیے ناپسند کرنا افضل ایمان کہا گیا ہے۔اب ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ دوسرے لوگوں میں مسلم اور غیر مسلم دونوں شامل

ہیں۔لہذا ایک توحید پرست مسلم جیسے اپنے لیے توحید پرستی کو پسند کرتا ہے ویسا ہی ایک شرک پرست غیر مسلم کو توحید پرستی کی دعوت دینے کو پسند کرنا چاہئے۔اس کے برعکس ایک توحید پرست مسلم جیسے شرک کو ناپسند کرتا ہے ویسا ہی اس کو چاہئے کہ ایک مشرک غیر مسلم کو شرک سے بچانے کی کوشش کرے۔

۳- ماں وباپ اور قریبی رشتہ دار حسن صحبت کے زیادہ حقدار ہیں:

عن أبی هريرة قال رجل يا رسول الله من أحق بحسن صحبتی قال أمك قال ثم من قال أمك قال ثم من قال أمك، قال ثم من قال أبوك۔ و فی رواية قال أمك ثم أمك ثم أمك، ثم أباك، ثم أدناك أدناك۔ متفق عليه۔ (مشكاة ص: ٤١٨، مطبوعة رشيدية، دهلی)

صحابی رسول ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے کہا ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرے اچھے برتاؤ کا زیادہ حقدار کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تیری ماں۔اس نے کہا پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تیری ماں، اس نے کہا پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تیری ماں۔اس نے کہا پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تیرا باپ۔

دوسری روایت میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا تیری ماں، پھر تیری ماں، پھر تیری ماں، پھر تیرا باپ۔پھر قریبی رشتہ دار، پھر تیرا قریبی رشتہ دار۔(بخاری ومسلم، مشکاۃ، ص: ٤١٨)

مذکورہ دونوں حدیثِ رسول میں کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کے حسن صحبت کا سب سے زیادہ حقدار ماں ہے۔اس کے بعد باپ ہے، پھر اس کے بعد قریبی رشتہ دار ہیں۔کسی مسلمان کی ماں وباپ اور قریبی رشتہ دار غیر مسلم بھی ہو سکتے ہیں۔مذکورہ دونوں حدیثِ رسول میں بھی غیر مسلموں کا حق موجود ہے۔پس اگر کسی مسلمان کے ماں وباپ اور قریبی رشتہ دار غیر مسلم ہوں تو ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا اسلامی فریضہ ہے۔ایسی صورت میں غیر مسلم رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کر کے اسلامی فریضہ ادا کرنا چاہئے ورنہ ان کے ساتھ بدسلوکی سے اللہ کے پاس جواب دینا پڑیگا۔اللہ ہم سب کو اس جرم سے بچائے۔آمین!

۴- روزی میں کشادگی اور عمر میں درازی صلہ رحمی میں ہے:

عن انس قال قال رسول الله ﷺ من أحب أن يُبسط له فی رزقه و يُنسأله فی أثره فليصل رحمه۔ متفق عليه، (مشكاة، ص: ٤١٩)

صحابیٔ رسول انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا جو شخص یہ پسند کرے کہ اس کے رزق میں بڑھاوا ہو اور اس کی عمر میں درازی ہو تو وہ صلہ رحمی کو قائم رکھے۔(بخاری ومسلم، مشکاۃ،

مطبوعه رشيديه دهلی، ص:٤١٩)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ روزی میں ترقی اور عمر میں درازی کا سبب صلہ رحمی ہے۔ پس جو رشتہ دار ہے اس کے ساتھ رشتہ داری بجالانا روزی وعمر میں ترقی کا سبب ہے۔ اب ہمیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ وہ رشتہ دار مسلم بھی ہوسکتا ہے اور غیر مسلم بھی۔

لہذا ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنی روزی میں ترقی اور عمر میں درازی کی نیت سے غیر مسلم رشتہ داروں کے ساتھ بھی صلہ رحمی کرے۔ اللہ ہم سب کو اس حدیث کی روشنی میں مسلم اور غیر مسلموں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین!

۵- لوگوں پر رحم نہ کرنے والے اللہ کی رحمت سے محروم ہوتے ہیں:

عن جرير بن عبدالله قال قال رسول الله ﷺ لا يرحم الله من لا يرحم الناس۔ (متفق عليه)

صحابی حضرت جریر بن عبداللہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔ (بخاری و مسلم، مشكاة، ص: ٤٢١، مطبوعه رشيديه دهلی)

مذکورہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص عام لوگوں پر رحم نہیں کرتا وہ اللہ کے رحم کا مستحق نہیں ہے۔ عام لوگوں میں مسلم اور غیر مسلم دونوں شامل ہیں۔ اس لیے اس حدیث رسول کی روشنی میں ہر غیر مسلم بھی دنیاوی لحاظ سے مسلمانوں کے شفقت ومحبت کے مستحق ہیں۔ پس کوئی غیر مسلم اگر دنیاوی لحاظ سے کسی مسلمان کے رحم وکرم سے محروم ہو تو رحم نہ کرنے والا مسلمان اللہ کی رحمت سے محروم رہے گا۔ اللہ ہر مسلمان کو دنیاوی لحاظ سے غیر مسلم پر رحم کرنے کی توفیق بخشے، آمین!

٦- جس کے ظلم سے اس کا پڑوسی بے چین ہو وہ صحیح ایماندار نہیں ہے:

عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ والله لا يؤمن والله لا يؤمن والله لا يؤمن قيل من يا رسول الله قال الذی لا يؤمن جاره بوائقه۔ (متفق عليه)

صحابی ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! وہ ایماندار نہیں ہے، اللہ کی قسم! وہ ایماندار نہیں ہے، اللہ کی قسم! وہ ایماندار نہیں ہے۔ کہا گیا وہ کون ہے اے اللہ کے رسول؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص ہے جس کی شرارت سے اس کے پڑوسی امن میں نہ ہوں۔ (بخاری

ومسلم، مشكاة، ص: ٤٢٢، مطبوعه رشيديه، دهلى)

اِس حدیثِ رسول میں کہا گیا ہے کہ جس مسلم کے پڑوسی اس کی شرارت سے محفوظ نہ ہوں وہ صحیح معنی میں ایماندار نہیں ہے۔

اب یہ معلوم ہونا چاہئے کہ کسی مسلمان کے پڑوسی مسلم بھی ہو سکتے ہیں اور ہندو، عیسائی و یہودی وغیرہ غیر مسلم بھی ہو سکتے ہیں۔ لہذا اس حدیثِ رسول سے ہر غیر مسلم کو اپنے مسلم پڑوسی کے ظلم وستم اور ناحق شرارت سے محفوظ رہنے کا حق ثابت ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں چاہئے کہ مسلمان اپنے پڑوسی مسلم وغیر مسلم کو کسی طرح کی اذیت نہ دیں۔ تا کہ وہ صحیح ایماندار بن سکیں۔ اللہ ہم سب کو اس کی توفیق بخشے، آمین!

۷- طائف میں لہولہان ہونے کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے غیر مسلموں پر بددعا نہیں کی:

ہجرت نبوی سے تین سال پہلے سنہ نبوی ۱۰ کے ۲۷/شوال اور فروری- مارچ ۶۱۹ء میں رسول اکرم ﷺ نے کفار مکہ کے ظلم وستم سے اُکتا کر مکہ سے کم وبیش ۵۰-۶۰/میل مشرق میں حجاز کا دوسرا بڑا شہر طائف میں اسلام کا پرچار کرنے گئے تھے۔ وہاں کے سرداروں نے اوباش لوگوں اور غلاموں کو رسول اکرم ﷺ کو ستانے پر مامور کر دیا، وہ لوگ آپ ﷺ کو گالیاں دیتے رہے، تالیاں بجا کر شور مچاتے رہے اور آپ ﷺ پر پتھر برساتے رہے۔ جس سے آپ ﷺ کی ایڑی پر اتنے زخم آئے کہ آپ کے دونوں جوتوں میں خون جم گئے۔ طائف میں آپ کو جتنا ستایا گیا وہ مشرکین مکہ کی ایذا رسانیوں سے کہیں زیادہ تھا۔ آپ نے وہاں سے تین میل فاصلے پر ایک باغ میں پناہ لی۔ دشمن لوگ چلے گئے۔ آپ ﷺ ایک دیوار سے ٹیک لگا کر انگور کی بیل کے سایے میں بیٹھ گئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ کے دل وزبان پر یہ دعا جاری ہوئی۔ اے اللہ! اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں ہے تو مجھے کسی کی پرواہ نہیں، لیکن تیری عافیت میرے لیے زیادہ وسیع ہے.....

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے فرشتے کو آپ کے پاس بھیجا۔ فرشتہ نے آپ ﷺ سے اجازت طلب کی کہ آپ جو چاہیں مجھے حکم دیں۔ اگر آپ ﷺ چاہیں کہ میں انہیں دو پہاڑوں کے درمیان کچل دوں۔ تو ایسا ہی ہوگا۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ نہیں۔ مجھے امید ہے کہ ان کی اولاد میں اللہ تعالیٰ ایسی نسل پیدا کرے گا جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرے گی اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائے گی۔

(صحيح بخارى، كتاب بدء الخلق ج:١/ص:٤٥٨/مسلم باب ما لقى النبى ﷺ من أذى المشركين والمنافقين، ج: ٢/ص:١٠٩/ الرحيق المختوم كا اردو ترجمه، ص: ١٩٩

سے ۲۰۳ / نبیِ رحمت، ص:۱۴۵-۱۴۶)

طائف کے مذکورہ بالا واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مشرک ظالموں کے بے انتہا ظلم سے جب رسولِ رحمت ﷺ چور چور ہو گئے اور آپ ﷺ کی مدد کے لیے آسمان سے فرشتے نازل ہوئے ایسی نازک حالت میں بھی آپ ﷺ نے غیر مسلموں پر بددعا نہیں کی۔ صحابیٔ رسول ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول کہا گیا: آپ مشرکین کے خلاف بددعا کریں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: إنی لم أبعث لعانا و إنما بعثت رحمة" یعنی میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ میں تو رحمت بنا کر بھیجا گیا۔ (مسلم، مشکاۃ، ص: ۵۱۹، مطبوعه رشیدیه، دهلی)

مذکورہ واقعہ اور حدیثِ رسول سے ثابت ہوتا ہے کہ عام غیر مسلم ہی نہیں بلکہ کٹر ظالم غیر مسلم بھی مسلمانوں کے رحم وکرم کے مستحق ہیں۔ لہذا اللہ ہمیں اسکی توفیق دے۔ آمین!

۸- یہود کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا معاہدہ:

رسولِ اکرم ﷺ نے مدینہ میں ہجرت کے بعد جب مسلمانوں کے عقیدے، سیاست اور نظام کی وحدت کے ذریعے ایک نئے اسلامی معاشرے کی بنیادیں استوار کرلیں تو غیر مسلموں کے ساتھ اپنے تعلقات منظّم کرنے کی طرف توجہ فرمائی۔ آپ ﷺ نے اس وقت مہاجرین وانصار کے لیے ایک تحریر فرمائی۔ جس میں یہود سے اُمن وامان کا معاہدہ تھا۔ اوران کے اپنے دین ومذہب پر رہنے اور مال وجائداد کی حفاظت وبقا کا عہد وپیمان لیا گیا تھا۔ اور ان کے حقوق اور ذمہ داریوں دونوں کی نشاندہی کی گئی تھی۔ (سیرۃ ابن ہشام، ص:۵۰۱، نبی رحمت، ص:۱۹۸)

ایک دفعہ یہودی اپنی مذہبی کتاب تورات لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، اس وقت آپ ﷺ نے توراۃ تکئے پر رکھ لیا اور فرمایا: میں اس کتاب کی تعظیم کرتا ہوں اور اس کتاب کے لانے والے (یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام) کی بھی تعظیم کرتا ہوں۔ (ماہنامہ الاسلام، دہلی، جون ۱۹۹۳ء، ص:۱۴)

مذکورہ دونوں بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ دنیاوی لحاظ سے غیر مسلم یہودی کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا برتاؤ کیسا تھا؟ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر مسلم کا دنیاوی حق اسلام میں قابل قبول ہے۔ اللہ ہمیں اُس حق کو ادا کرنے کی توفیق عنایت فرمائیں۔

۹- عیسائیوں کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا مثالی برتاؤ:

نجرانی عیسائیوں کا ایک وفد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو آپ ﷺ نے انہیں مسجد نبوی کے

ایک کنارے اپنے طریقے سے عبادت کرنے کی اجازت دی۔صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ یہ تو نجس ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی انسان نجس نہیں ہوتا۔البتہ انسان اپنے کو خود نجس بنالیتا ہے۔(ماہنامہ الاسلام، دہلی، جون ۱۹۹۳ء، ص:۱۴) رحمۃ للعالمین ج:۱)

مذکورہ بالا بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر مسلم نصرانیوں کو رسول اکرم ﷺ نے کیا حق دیا تھا۔اس سے مسلمانوں کو سبق حاصل کرنا چاہئے۔اللہ ہم سب کو اس کی توفیق دیں۔آمین!

الٰہ آباد کے مشہور ومعروف پنڈت سندر لال جی اپنی کتاب ''حضرت محمد ﷺ اور اسلام'' میں لکھتے ہیں:

''اُوطاس میں اہل طائف اور اہل حنین گھر گئے۔ایسی حالت میں ان کے پاس کھانے کے پینے کا سامان نہیں رہا، اس لیے وہ اور ان کے بال بچے بھوکے مرنے لگے۔یہ حالت دیکھ کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھ سے یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اللہ کی مخلوق خواہ میری دشمن ہی کیوں نہ ہو، یوں بھوک و پیاس سے تڑپے۔محاصرہ اٹھالو اور ان کے کھانے پینے کا انتظام کرو''۔(ماہنامہ الاسلام، دہلی، جون ۱۹۹۳ء، ص:۱۵)

۱۰- عیسائیوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا عہد نامہ:

یہ عہد نامہ ہے جسے محمد بن عبداللہ، رسول اور بشیر ونذیر نے لکھا ہے۔تاکہ بعد کے لوگوں کے لیے عذر اور بہانہ باقی نہ رہے۔اس عہد نامے کو میں نے نزدیک اور دور، مشرق اور مغرب، عرب اور عجم، حال اور مستقبل کے عیسائیوں کے واسطے لکھا ہے۔مسلمانوں میں جو اس عہد کو توڑے گا اور اس سے تجاوز کرے گا وہ اللہ کے ہاں عہد شکن قرار پائے گا اور اللہ کی لعنت کا سزاوار بنے گا۔خواہ وہ حاکم ہو یا رعیت۔

''میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر کوئی راہب یا عیسائی سیاح وغیرہ پہاڑ ہو یا جنگل، آبادی ہو یا صحراء، یا عبادت خانے میں حمایت کا خواستگار ہوگا تو میں اپنے اعوان وانصار کے ساتھ اس کی حمایت کروں گا اور اسکے دشمنوں سے اسے بچاؤں گا۔کیوں کہ وہ میرے ذمی ہیں۔وہ مجھے دشمنوں کی ایذا سے بچنے کے لیے جزیہ (ٹیکس) دیتے ہیں۔لیکن اگر وہ چاہیں کہ جان ومال اور آبرو کی حفاظت خود کریں تو اس پر بھی میں رضامند ہوں۔

کسی بشپ کو اس کے عہدے سے یا کسی راہب کو اس کی رہبانیت سے اور کسی عابد کو اس کی عبادت گاہ سے اور کسی سیاح کو اس کی سیاحت سے نہ روکا جائے۔ان کی گرجائیں منہدم نہ کی جائیں، گرجاؤں کی کوئی چیز مسجدوں اور

گھروں کے بنانے میں نہ لگائی جائے۔ جو مسلمان ایسا کرے گا وہ اللہ اور اس کے رسول سے وعدہ شکنی کرے گا۔

راہبوں اور بشپوں سے جزیہ (ٹیکس) اور تاوان نہ لیا جائے۔ جو عیسائی متبرکہ جگہوں میں گوشہ نشین ہیں وہ جو کچھ بوئیں و جوتیں اس کا ان سے عشر نہ لیا جائے اور اگر ان کے یہاں غلہ کی کمی پڑے تو انہیں غلہ دیا جائے۔ جنگ میں مدد کرنے کی تکلیف وہ چاہیں تو کریں اور نہ چاہیں تو نہ کریں۔ اس عہد کی خلاف ورزی قیامت تک نہ ہو۔'' (ماہنامہ الاِسلام، دہلی، جون ۱۹۹۳ء، ص:۱۶)

۱۱- غیر مسلموں کے حق کو ثابت کرنے والا دو واقعہ:

اسکندریہ پر قبضہ کرتے وقت کسی مسلمان سپاہی کے تیر سے عیسائیوں کے نبی عیسیٰ علیہ السلام کے مجسمے کی آنکھ ٹوٹ گئی۔ اسکندریہ کے عیسائیوں نے فاتحِ مصر صحابیِ رسول عمرو بن العاص سے کہا تم عدل کے مدعی ہو تو اپنے پیغمبر کا مجسمہ بناؤ۔ ہم اس کی آنکھ توڑیں گے۔ صحابیِ رسول عمرو بن العاص نے فرمایا: یہ تو بالکل لغو بات ہے۔ لو تم یہ خنجر اور میری آنکھ پھوڑ دو۔ یہ کہہ کر انہوں نے عیسائی کے ہاتھ میں خنجر تھما دیا۔ مگر اس جرأتِ مؤمنانہ سے وہ عیسائی اتنا متأثر ہوا کہ خنجر اس کے ہاتھ سے گر پڑا۔

ایک مرتبہ والیِ مصر عمرو بن العاص چوگان کھیل رہے تھے۔ ایسی حالت میں کسی قبطی کا گھوڑا گورنر عمرو بن العاص کے گھوڑے سے آگے نکل گیا۔ اس کی وجہ سے گورنر عمرو بن العاص کے بیٹے عبداللہ کو غصہ آ گیا۔ اس غصے کی وجہ سے اُس نے اُس قبطی کو کوڑا مارا۔ اس کے بعد وہ قبطی مدینہ منورہ پہنچا اور خلیفۂ ثانی عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ واقعہ پیش کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص اور ان کے بیٹے کو طلب کیا۔ وہ دونوں حاضر ہو گئے۔ اس کے بعد خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ نے قبطی سے کہا: جس نے تم کو کوڑے پیٹا تھا اس کو تم بھی کوڑے سے مارو۔ چنانچہ قبطی نے عبداللہ سے بدلہ لے لیا۔ تمام شریف عیسائی مؤرخ ان حقائق کو تسلیم کرتے ہیں۔ (ماہنامہ الاِسلام، دہلی، جون ۱۹۹۳ء، ص:۱۷)

☆☆☆

اسلام اور امن

ترتیب: شیخ ابوزید ضمیر

اسلام کے بارے میں فیصلہ کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ اسلام کو اس کے اصل مآخذ سے معلوم کر کے اس کے بارے میں رائے قائم کی جائے۔ دوسرے یہ کہ اسلام کے مخالفین کے پروپگینڈے یا ادھوری معلومات پر مبنی ذاتی تجزیہ کو اسلام کے سلسلے میں فیصلہ کے لیے بنیادی حیثیت دے دی جائے۔ پہلا طریقہ اصولِ تحقیق اور عدل وانصاف پر مبنی طریقہ ہے جب کہ دوسرا طریقہ مزاج علم وعدل وانصاف دونوں سے خالی۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ انسانوں کی اکثریت اسی دوسرے طریقہ کو اپنائے ہوئے نظر آتی ہے۔ اور اسی کا نتیجہ ہے کہ دینِ اسلام جو اپنی اصل تعلیمات کی روشنی میں دینِ رحمت ثابت ہوتا ہے وہی اسلام اس غیر علمی تحقیق و پروپیگنڈہ کے نتیجہ میں امن دشمن دین نظر آنے لگتا ہے۔

اس مختصر مقالہ میں تطویل وتفصیل سے بچتے ہوئے امن وسلامتی کے سلسلہ میں اسلام کی تعلیمات کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے تا کہ ایک منصف مزاج انسان اسلام کے بارے میں رائے قائم کرتے وقت ٹھوس بنیاد پا سکے۔

۱-اسلام امن وسلامتی کا دین ہے:

۱-اسلامی تعلیمات کے اعتبار سے زمین میں فساد پھیلانے والے آخرت میں ناکام ہیں:

اسلام میں فساد کو ناپسندیدہ چیز قرار دیا گیا ہے چاہے یہ فساد عقیدہ کا ہو یا عمل کا، چاہے وہ فساد گھر کی سطح پر ہو یا سماج کی سطح پر۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ولا تبغ الفساد فی الأرض إن الله لا يحب المفسدين﴾ [القصص: ۷۷]

اور زمین میں فساد کی چاہت نہ کر، کیونکہ اللہ تعالیٰ فساد پیدا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

معلوم ہوا کہ اسلام ایسے لوگوں کو ناپسند کرتا ہے جو زمین میں فساد کی چاہت رکھتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے دنیا میں فساد پھیلانے والے اور لوگوں کے دین وایمان اور امن وامان کو برباد کرنے والے آخرت کی دنیا میں ناکامی اور سزا کے مستحق ٹھہریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ تلك الدار الآخرة نجعلها للذين لا يريدون علوا في الأرض ولا فسادا﴾ [القصص: ۸۳]

یہ آخرت کا گھر ہے جو ہم نے ایسے لوگوں کے لیے رکھا ہے جو زمین میں بڑائی اور فساد کا ارادہ نہیں رکھتے۔

اسلام میں نہ صرف یہ کہ فساد بُری چیز ہے بلکہ اس کا ارادہ بھی اللہ کے ہاں ایک ناپسندیدہ چیز ہے۔

۲-اسلام میں مومن اور مسلم ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ لوگوں کو امن وسلامتی دی جائے:

فضالہ بن عبید فرماتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر فرمایا: کیا میں تمہیں نہ بتاؤں مومن کون ہے؟ (پھر آپ نے خود ہی کہا:) مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنی جان و مال کے سلسلہ میں امن میں رہیں۔ اور مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ سلامت رہیں۔ (مسند احمد، ابن ماجہ) الفاظ مسند احمد کے ہیں۔ [الصحیحہ ۵۴۹] یہ اسناد صحیح ہے اور اس کے تمام روات ثقہ ہیں)۔

عن فضالة بن عبيد قال قال رسول الله ﷺ فى حافجة الوداع ألا أخبركم بالمؤمن؟ من أمنه الناس على أموالهم و أنفسهم والمسلم من سلم الناس من لسانه و يده (حم هـ) واللفظ لأحمد [الصحيحة ٥٤٩] (وهذا إسناد صحيح رجاله كلهم ثقات)

اس حدیث میں واضح الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ ایمان کا تعلق امن سے ہے اور اس کا تعلق سلامتی سے ہے۔ ایمان واسلام کا تقاضہ دوسروں کے لیے اپنے آپ کو امن وسلامتی کا ذریعہ بنانا ہے۔ جس سے خود یہ بات مزید واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام پر کمال درجہ میں عمل کرنے سے سماج میں امن وسلامتی کا ماحول قائم ہوتا ہے۔

۳-اسلام میں داخل کرنے کے لیے کسی پر جبر کرنا صحیح نہیں:

اسلام میں دعوت کی بڑی اہمیت ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ اسلام انسان کی فکری آزادی کا احترام بھی ملحوظ رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں دعوت کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اصول یہ بھی ہے کہ کسی غیر مسلم کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لا إكراه فى الدين قد تبين الرشد من الغى﴾ [سورة البقرة: ٢٥٦]

دین (میں داخل کرنے کے سلسلے) میں کسی کو مجبور کرنا (صحیح) نہیں ہے، (کیونکہ) ہدایت گمراہی سے واضح طور پر الگ ہو چکی ہے۔

یعنی اسلام علمی دلائل کی سطح پر حق و باطل کا فرق واضح کر کے حق کو قابل قبول بنانے کی تلقین کرتا ہے نہ کہ محض طاقت کے زور پر زبردستی منوانے کی۔

۴-اسلام میں ظالم مومن کے مقابلہ میں مظلوم کافر کی دعاء بھی مقبول ہے:

اسلام میں ظلم کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ یہ معاملہ اتنا سنگین ہے کہ اگر ایک مسلمان بھی کسی غیر مسلم پر ظلم کرے تو وہ غیر مسلم اس مسلمان کے خلاف اللہ تعالیٰ سے فریاد کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ فرماتے ہیں: ”اتقوا

دعوة المظلوم و إن كان كافرا فإنه ليس دونها حجاب" [صحيح الجامع : ۱۱۹] (حسن)
مظلوم کی فریاد سے بچو، چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ اس کی دعاء اور اللہ کے درمیان کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہوتی۔ (مسند احمد، ابویعلی، الضیاء) راوی انس رضی اللہ عنہ۔

۵-اسلام دشمن سے بھی عدل کی تاکید کرتا ہے:

اسلام میں عدل وانصاف کی بڑی اہمیت ہے۔ دشمن کو موقع پاتے ہی کچل دینا عام خیال کے مطابق سمجھداری کا تقاضہ سمجھا جاتا ہے لیکن اسلام وہ دین ہے جو اپنے ماننے والوں کو دشمن سے بھی عدل وانصاف کرنا سکھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ولا يجرمنكم شنآن قوم على ألا تعدلوا اعدلوا هو أقرب للتقوى واتقوالله إن الله خبير بما تعملون﴾ [سورة المائدة: ۸]
اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کردے کہ تم ان کے معاملہ میں عدل وانصاف چھوڑ دو۔ عدل کرو، یہ تقوی سے زیادہ قریب ہے۔

۶-اسلام میں دشمن کو بھی معاف کرنے کی تلقین کی گئی ہے:

اسلام میں نہ صرف دشمن کے ساتھ عدل کی تعلیم ہے بلکہ دشمن کو معاف کردینے کی بھی گنجائش ہے۔ قتل کی سازش کے کھلے اقرار کے باوجود ایک دشمن کو معاف کرنے کی مثال خود اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی میں دکھائی دیتی ہے۔

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک یہودی عورت اللہ کے رسول ﷺ کے پاس بکری کا زہر آلود گوشت لائی۔ آپ نے اسے کھایا (مسند احمد کی روایت میں ہے کہ آپ نے کہا: اس عورت نے اس میں زہر ملایا ہے) اس پر اسے آپ کے پاس لایا گیا۔ آپ نے اس سے اس کی اس حرکت سبب کا پوچھا تو اس نے کہا: میں چاہتی تھی کہ آپ کو قتل کرڈالوں۔ آپ نے فرمایا: اللہ تیرا بس مجھ پر چلنے دے ایسا نہیں ہوسکتا۔ صحابہ نے پوچھا: کیا ہم اس عورت کو قتل نہ کردیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اس زہر کا اثر برابر آپ کے حلق میں دیکھا کرتا تھا۔ [مسلم: السلام ۲۱۹۰- بخاری: الھبۃ وفضلھا والتحریض علیھا ۲۶۱۷]

عن أنس أن إمرأة يهودية أتت رسول الله ﷺ بشاة مسمومة فأكل منها [ولأحمد: فقال إنها جعلت فيه سما] فجيء بها إلى رسول الله ﷺ فسألها عن ذالك فقالت أردت لأقتلك قال ما كان الله يسلطك على ذاك قال أو قال على قال قالوا ألا نقتلها قال لا قال فما

زلت أعرفها فی لهوات رسول الله ﷺ۔

اسلامی حکومت میں قدرت کے باوجود ایک مجرم کو قتل کی سازش کے اقرار کے باوجود معاف کر دینا خود نبی ﷺ کے نبیٔ رحمت ہونے کا واضح ثبوت ہے۔

۷-اسلام بُرائی کے بدلے بھلائی کی ترغیب دیتا ہے:

اسلام نہ صرف دشمن کو معاف کرنا سکھاتا ہے بلکہ برائی کے بدلے بھلائی کا اعلیٰ اصول دیتا ہے تاکہ اخلاقی قوت کے ذریعہ مخالف کی ضمیر کو جھنجھوڑ کر اس کے اندر سوئی ہوئی انسانیت کو جگایا جا سکے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ولا تستوى الحسنة ولا السيئة ادفع بالتى هى أحسن فإذا الذى بينك و بينه عداوة كأنه ولى حميم وما يلقاها إلا الذين صبروا وما يلقاها إلا ذو حظ عظيم﴾ [سورة فصلت: ٣٤—٣٥]

اور بھلائی اور بُرائی دونوں برابر نہیں ہو سکتے، تم بُرائی کو ایسی چیز سے دفع کرو جو اس سے بہتر ہو۔ پھر تم دیکھو گے کہ تمہارے اور جس کے درمیان دشمنی تھی وہ تمہارا بالکل قریبی دوست بن گیا ہے۔ اور یہ چیز انھیں کو نصیب ہوتی ہے جو بہت صبر کرنے والے ہیں، یہ چیز انھیں کو نصیب ہوتی ہے جو بڑی قسمت والے ہیں۔

۸-اسلام میں مخالفین سے الجھنے کی بجائے اعراض کی تعلیم دی گئی ہے:

اسلام کے اخلاقی اصولوں میں سے ایک اصول یہ بھی ہے کہ آدمی بدکردار لوگوں کی بداخلاقی کا جواب دینے کی بجائے اسے سرے سے نظر انداز کر دے۔ وہ بُرائی کا جواب دے کر اسے مزید پنپنے کا موقع نہ دے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فاصدع بما تومر و أعرض عن المشركين إنا كفيناك المستهزئين﴾ [سورة الحجر: ٩٤—٩٥]

(اے نبی) آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اسے پہنچا دیجیے اور مشرکین سے اعراض کیجیے۔ مزاق اڑانے والوں کے لیے (آپ کی طرف سے) ہم ہی کافی ہیں۔

اسلام اگر دہشت گردی کا داعی ہوتا تو اس میں دشمن سے بدلہ لینے اور اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی تعلیم ہوتی نہ کہ اس کی بداخلاقیوں کو نظر انداز کر کے معاملہ کو اللہ کے سپرد کرنے کی۔

۹-اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اصل بہادر وہ ہے جو غصہ پی جائے:

غصہ میں آپے سے باہر ہو جانا سماج میں باہمی جھگڑوں کی آگ کو مزید ہوا دینے کا کام کرتا ہے۔ اسلام میں غصہ اتارنے کی بجائے غصہ پی جانا بہادری قرار دیا گیا ہے۔

اللہ کے نبی ﷺ فرماتے ہیں: ''ليس الشديد بالصرعة إنما الشديد الذي يملك نفسه عندالغضب'' [بخاری: الأدب ٦١١٤ – مسلم: البر والصله والآداب: ٤٧٢٣] راوی ابوھریرۃ

بہادر (یا پہلوان) وہ نہیں جو دوسرے کو پچھاڑ دے، بلکہ واقعی پہلوان تو وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔

۱۰-اسلام میں جنگ فی نفسہ مطلوب نہیں ہے:

کیا اسلام میں جنگ فی نفسہ مطلوب ہے؟ یا پھر جنگ امن کی حفاظت کے لیے کیا جانے والا ناگزیر اقدام ہے؟ اس کا فیصلہ اس آیت اور اگلی حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ یہود کی سازشوں کے سلسلہ میں فرماتا ہے: ﴿كلما أوقدوا نارا للحرب أطفأها الله و يسعون فى الأرض فسادا والله لا يحب المفسدين﴾ [سورة المائدة: ٦٤]

جب بھی وہ جنگ کی آگ بھڑکانے کی کوشش کرتے ہیں اللہ اُسے بجھا دیتا ہے۔ اور یہ لوگ زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں اور اللہ فساد برپا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اگر اسلام میں واقعی جنگ مطلوب ہے تو اس کی آگ بجھانے کا کیا مطلب؟ معلوم ہوا جنگ ایک مجبوری ہے، چاہے وہ دفاعی طور پر کی جائے یا اقدامی طور پر۔

عبداللہ بن ابی اوفٰی فرماتے ہیں: کسی جنگ کا واقعہ ہے، اللہ کے نبی ﷺ انتظار کرتے رہے یہاں تک کہ سورج ڈھل گیا۔ پھر آپ لوگوں کے درمیان خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے لوگو! دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنا نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ سے عافیت ہی چاہتے رہے۔ لیکن اگر دشمن سے سامنا ہو ہی جائے تو پھر جمے رہو، اور جان لو کہ پھر جنت تلواروں کے سائے ہی میں ہے۔ [بخاری: الجهاد والسير ٢٩٦٥، ٢٩٦٦ – مسلم: الجهاد والسير ٢٠ – (١٧٤٢)]

عن عبدالله بن أبى أوفى رضى الله عنهما أن رسول الله ﷺ فى بعض أيامه التى لقى فيها انتظر حتى مالت الشمس ثم قام فى الناس خطيبا قال أيهاالناس لا تتمنوا لقاء العدو وسلوا الله العافية فإذا لقيتموهم فاصبروا واعلموا أن الجنة تحت ظلال السيوف۔ [بخاری: الجهاد والسير ٢٩٦٥، ٢٩٦٦ – مسلك: الجهاد والسير ٢٠ – ١٧٤٢)

غور طلب چیز یہ ہے کہ میدانِ جنگ میں بھی لوگوں کو اس بات کی تلقین کی جا رہی ہے کہ جنگ کی تمنا نہ کی جائے بلکہ اللہ سے امن و عافیت کی دعاء کی جائے۔ لیکن اگر جنگ چھڑ ہی جائے تو پھر اس سے راہ فرار اختیار کرنے کی بجائے

دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے۔ کیونکہ بعض حالات مین جنگ ہی امن وامان کی حفاظت ذریعہ رہ جاتا ہے۔

۱۱-اسلام میں دشمن سے صلح اور امن کی کوشش کی ترغیب دی گئی ہے:

لیکن جنگ کی اجازت کا مطلب یہ نہیں کہ پھر صلح کی گنجائش نہ رہے بلکہ اسلام میں امن کے لیے ہر وقت صلح کے لیے تیار رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿و إن جنحوا للسلم فاجنح لها و توكل على الله﴾ [سورۃ الأنفال:٦١]

اگر یہ (تمہارے دشمن) صلح (اور امن) کی طرف مائل ہوجائیں تو آپ بھی اس کے لیے تیار رہیے اور اللہ پر بھروسہ رکھیے۔

اگر دشمن کی طرف سے صلح اور جنگ بندی کے آثار دکھائی دیں تو مسلمانوں کو بھی اللہ کے بھروسے امن کی طرف مائل ہوجانے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ اسلام کے دینِ امن ہونے کا واضح ثبوت ہے۔

۱۲-اسلام میں اپنے نفس سے جہاد کو افضل جہاد قرار دیا گیا:

اسلامی اصطلاحات سے عدم واقفیت آدمی کو کئی غلط فہمیوں میں مبتلا کرسکتی ہے۔ اس کی ایک مثال لفظ ''جہاد'' ہے۔ جہاد یہ لفظ جھد سے بنا ہے جس کے معنی سخت کوشش اور جدوجہد کے ہیں، جسے انگریزی میں Struggle کہتے ہیں۔ حق کی نصرت، دفاع اور اشاعت میں کی جانے والی ساری کوششیں جہاد کے ضمن میں آجاتی ہیں۔ یہ لفظ اتنا وسیع ہے کہ حق سے ٹکرانے والی اپنی ذاتی خواہشات سے لڑنا بھی جہاد ہے، بلکہ افضل ترین جہاد ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''أفضل الجهاد أن يجاهد الرجل نفسه و هواه" قال ﷺ: المجاهد من جاهد نفسه فى الله۔ (ت حب) عن فضالة بن عبيد۔ [صحیح الجامع ٦٦٧٩] (صحیح)

سب سے افضل جہاد یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس اور اپنی خواہش سے جہاد کرے۔ (ابن النجار) راوی ابوذر۔ [صحيح الجامع: ١٠٩٩] (صحيح)

جہاد کا مطلب محض دوسروں سے لڑنا نہیں ہے بلکہ افضل جہاد خواہشات کی غلامی سے آزاد ہونے کے لیے خود اپنے آپ سے لڑنا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جنگ جہاد کی ایک ناگزیر صورت تھی، موجودہ دور میں اسلام کے ناقص مطالعہ نے صرف جنگ ہی کو جہاد قرار دیدیا گیا۔

۱۳-اسلام میں حج جیسا پُر امن عبادتی عمل بھی جہاد میں داخل ہے:

ایک عبادتی عمل بھی جہاد ہوسکتا ہے۔

اللہ کے نبی ﷺ فرماتے ہیں: ''الحج جهاد كل ضعيف''

حج ہر کمزور شخص کا جہاد ہے۔(ابن ماجہ) راویہ ام سلمہ [صحیح الجامع:۳۱۷۱] (حسن)

معلوم ہوا کہ ایک نہایت پُر امن عمل جس میں لڑنا جھگڑنا خصوصی طور پر منع ہے بھی جہاد ہوسکتا ہے۔

۱۴-اسلامی تعلیمات کے اعتبار سے حق بات کہنا بھی جہاد ہے بلکہ افضل جہاد ہے:

جہاد کے لفظ میں اتنی وسعت ہے کہ اس کا اطلاق ایک قولی عمل یعنی حق بولنے پر بھی ہوسکتا ہے۔

اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا:''إن أفضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر''

سب سے افضل جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا ہے۔

(ابن ماجہ راوی ابوسعید (مسند احمد، ابن ماجہ، طبرانی، بیہقی شعب الایمان) راوی ابوامامہ (مسند احمد، بیہقی شعب الایمان، نسائی) روای طارق بن شہاب۔[صحیح الجامع:۱۱۰۰] (صحیح)

جہاد صرف لڑنے کا نام نہیں بلکہ ایک بگڑے ہوئے طاقتور شخص کی اصلاح کے لیے اس سے مرعوب ہوئے بغیر حق بات بولنے کی جرأت کرنا بھی جہاد ہے۔

۱۵-اسلام میں قرآنی دلائل کے ذریعہ باطل کی تردید بھی جہاد بلکہ بڑا جہاد ہے:

حق بات کہنا بھی جہاد ہے، لہذا اللہ کے سچے دین کا پیغام انسانیت تک پہنچانا بھی جہاد ہے۔اس کام کے لیے علم سب سے اہم ہتھیار ہے جس کے ذریعہ باطل افکار کی تردید کی جاسکتی ہے، لہذا قرآن وسنت کے ذریعہ باطل افکار کی تردید بھی جہاد ہے۔

لہذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿فلا تطع الكافرين و جاهدهم به جهادا كبيرا﴾ [الفرقان: ۵۲]

(اے نبی) آپ انکار کرنے والوں کی بات نہ مانیے بلکہ ان کے ساتھ اس قرآن سے بڑا جہاد کیجیے۔ [الفرقان:۵۲]

اس آیت سے ظاہر ہے اسلام علمی جہاد کو جہادِ کبیر قرار دیتا ہے۔

۱۶-اسلام میں ایک بے گناہ کا قتل ساری انسانیت کے قتل کے برابر ہے:

بدقسمتی سے موجودہ دور میں اسلام کے بارے میں تأثر عام ہوگیا ہے کہ اسلام میں انسانی جان کی کوئی قیمت نہیں۔میڈیا میں بعض مسلمانوں کو شدت پسند اور مجرم کے طور پر پیش کیے جانے سے اس نظریہ کو مزید تقویت مل گئی ہے۔اگر یہ بات تسلیم کر بھی لی جائے تب بھی ایسے افراد صرف مسلمانوں میں نہیں بلکہ ہر دین ودھرم کے ماننے والوں میں پائے جاتے ہیں۔لہذا اس سلسلہ میں صرف اسلام اور تمام مسلمانوں کو ہدف بنا کر کٹ گھڑے میں کھڑا کردینا خود انصاف کا قتل ہے۔

انسانی جان کے سلسلہ میں اسلام کا فیصلہ قرآن کے الفاظ میں سن لیجیے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿من أجل ذلك كتبنا على بنى إسرائيل أنه من قتل نفسا بغير نفس أو فساد فى الأرض فكانما قتل الناس جميعا و من أحياها فكأنما أحياالناس جميعا﴾ [سورة المائدة: ٣٢]

یہی وجہ ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل پر یہ بات لکھ دی کہ جو شخص کسی کو قتل کر ڈالے جب کہ اس (مقتول) نے نہ کسی کو قتل کیا ہو نہ زمین میں فساد پھیلایا ہو تو یہ ایسا ہے کہ گویا اس نے ساری انسانیت کا قتل کر ڈالا، اور جو شخص کسی کی جان بچالے تو گویا اس نے تمام انسانیت کو زندگی دے دی۔ (سورۃ المائدۃ:۳۲)

انسانی زندگی کے احترام اور قدر و قیمت کو اس سے بہتر انداز میں کون بیان کرسکتا ہے کہ اسلام ایک جان کو ساری انسانیت کے برابر قرار دیتا ہے۔

۱۷-اسلام میں قیامت کے دن سب سے پہلے خون کا محاسبہ ہوگا:

اسلام میں انسانی زندگی کا معاملہ اتنا سنگین ہے کہ قیامت کے دن انسانی حقوق کے محاسبہ کی ابتداء اسی سے ہوگی۔

اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: ''أول ما يقضى بين الناس يوم القيامة فى الدماء''

قیامت کے دن لوگوں کے درمیان سب سے پہلے خون ہی کا فیصلہ کیا جائے گا۔ [بخاری: الدیات ۶۸۶۴- مسلم: کتاب القسامۃ والمحاربین والقصاص والدیات ۲۸-(۱۶۷۸) راوی ابن مسعود

۱۸-اسلام غیر حربی سے عدل وانصاف اور احسان کی تعلیم دیتا ہے:

یہ ایک مغالطہ ہے کہ اسلام ہر غیر مسلم کی جان کا دشمن ہے۔ بعض لوگوں کا جنگ کے مخصوص حالات میں دیے گئے اسلامی احکام کو عام حالات کے سلسلہ میں بھی اسلام کا دائمی اصول قرار دینا محض فریب دینا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لا ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم فى الدين ولم يخرجوكم من دياركم أن تبروهم و تقسطوا إليهم إن الله يحب المقسطين﴾ [سورة الممتحنة: ٨]

جن لوگوں نے دین کی بنیاد پر تم سے جنگ نہیں کی اور نہ ہی تمہیں تمہارے گھروں سے باہر کیا، اللہ تعالیٰ تمہیں اُن لوگوں سے بھلائی کرنے اور عدل وانصاف کرنے سے نہیں روکتا۔ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں کو خوب پسند کرتا ہے۔ (سورۃ الممتحنۃ:۸)

معلوم ہوا کہ جو لوگ مسلمانوں کی جان و مال کے سلسلہ میں ظلم و جبر کا معاملہ نہیں کرتے ان سے مسلمانوں کو

احسان اور انصاف ہی کا سلوک کرنے کی تاکید ہے۔

۱۹-اسلام جنگ میں بھی عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع کرتا ہے:

اسلامی حکومت اگر جنگ کے لیے مجبور کر دی جائے اور یہی آخری حل باقی رہ جائے تو ایسی صورت میں بھی عدل وانصاف اور انسانیت کی حدود کو پھلانگنا مسلمان فوج کے لیے جائز نہیں۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ کو کسی جنگ میں ایک عورت کی لاش پڑی دکھائی دی تو آپ نے مسلمانوں کو عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع کر دیا۔ [بخاری: الجهاد والسير : ۳۰۱۵-مسلم: الجهاد والسير ۲۵-(۱۷۴۴)] عن ابن عمر۔

عن ابن عمر رضى الله عنهما قال وجدت امرأة مقتولة فى بعض مغازى رسول الله ﷺ فنهى رسول الله ﷺ عن قتل النساء والصبيان۔

۲۰-اسلامی حکومت میں بھی غیر مسلم ذمی کو قتل کرنا حرام ہے:

اسلام اگر واقعی غیر مسلموں کی زندگی کا دشمن ہوتا تو اسلامی حکومت میں کسی بھی غیر مسلم کا وجود باقی نہ رہنے دیا جاتا۔ جب کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔

اللہ کے نبی ﷺ فرماتے ہیں: ''من قتل رجلا من أهل الذمة لم يجد ريح الجنة و إن ريحها ليوجد من مسيرة سبعين عاما''

جس نے کسی ذمّی کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا حالانکہ اس کی خوشبو کا حال یہ ہے کہ وہ ستر سال کی دوری سے محسوس ہوتی ہے۔ (مسند احمد، نسائی) راوی: عن رجل [صحیح الجامع ۶۴۴۸] (صحیح)

ذمی وہ ہے جو اسلامی حکومت میں جزیہ دے کر امان لے چکا ہو۔ ایک مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دے تو نہ صرف وہ دنیا میں مجرم ہے بلکہ اس کا جرم اسے آخرت میں بھی سزا کا حقدار بنا دیتا ہے۔

۲۱-اسلام میں غیر مسلم معاہد کو قتل کرنا گناہ ہے:

اسی طرح معاہد کے بارے میں بھی آپ ﷺ نے فرمایا: ''من قتل نفسا معاهدا لم يرح رائحة الجنة، و إن ريحها ليوجد من مسيرة أربعين عام''

جس نے کسی معاہد کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا، حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کی دوری سے محسوس ہوتی ہے۔ [بخاری: الدیات ۶۹۱۴] عن ابن عمرو۔

معاہد وہ شخص ہے جو کسی ایسی حکومت کا فرد ہو جس سے مسلمانوں کا امن پر معاہدہ ہو چکا ہو۔

جنت کی خوشبو پانے کا فاصلہ کا فرق لوگوں کے مراتب کے اعتبار سے بھی ہوسکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ستر اور چالیس کا عدد کثرت کے لیے بتایا گیا ہو۔

۲۲-اسلام ایک مشرک کو بھی پناہ مانگنے پر امان دینے کی تعلیم دیتا ہے:

اسلام میں شرک سب سے بدترین گناہ قرار دیا گیا ہے، لیکن اسلام کی یہ بھی تعلیم ہے کہ اگر ایک مشرک جب مسلمانوں سے پناہ مانگے تو وہ اسے ضرور پناہ دیں۔ بلکہ اسے اس کے امن کے مقام تک پہنچانے کی ذمہ داری بھی مسلمانوں ہی پر ڈال دی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ و إن أحد من المشركين استجارك فأجره حتى يسمع كلام الله ثم أبلغه مامنه ذلك بأنهم قوم لا يعلمون﴾ [سورة التوبة: ٦]

اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص تم سے پناہ چاہے تو اسے پناہ دو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام (یعنی قرآن) سنے۔ پھر اسے اس کے امن کی جگہ پہنچادو۔ ایسا اس لیے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں (سچائی کا) علم نہیں ہے۔

جو دین اپنے بنیادی عقیدہ توحید کے خلاف شرکیہ عقیدہ رکھنے والوں کو پناہ دینے کی تاکید کرے بلکہ انھیں ان کی محفوظ گاہ تک پہنچانے کے سلسلہ میں مسلمانوں کو ان کا محافظ اور ذمہ دار قرار دے اس دین کو دہشت گردی اور بربریت سے جوڑنا انسان کے علمی مرتبہ اور جذبہ عدل دونوں کے زوال اور نقص کی علامت ہے۔

وسائل امن

اس بات کے واضح ہونے کے بعد کہ اسلام دینِ امن ہے یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ سماج میں امن کے قیام کے لیے اسلام میں قرآن وسنت سے کیا رہبری ملتی ہے۔ کیونکہ امن کوئی خیالی چیز نہیں۔ امن کے قیام کے لیے سماج کے تمام افراد کو اپنی استعداد کے بقدر جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔

۱-حکام کی ذمہ داری:

۱-ظالم کو ظلم سے روکنا:

اس سلسلہ میں پہلی ذمہ داری حکام کی ہے۔ سماج میں ایک فرد یا گروہ طاقت پاکر دوسرے پر ظلم کرتا ہے۔ اگر حکام کی طرف سے ظالم کو نہ روکا جائے تو مظلوم اپنے طور پر انصاف پانے کے لیے بدلہ اور بغاوت کا راستہ اپناتا ہے۔ لہذا ظالم کو ظلم سے روکنا سماج کے توازن کو باقی رکھتا ہے، اور عوام کا حکومت پر اعتماد بنائے رکھتا ہے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ ایک شخص نے کہا: جب وہ مظلوم ہو تو میں اس کی مدد ضرور کروں گا لیکن جب وہ ظالم ہو تو میں اس کی

مدد کیسے کرسکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: تم اسے ظلم سے روک دو، یہی اس کی مدد ہے۔[بخاری: الإکراہ :٦٩٥٢ عن أنس –مسلم: البر والصلة والآداب ٤٦٨١ عن جابر]

عن أنس رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ : انصر أخاك ظالما أو مظلوما فقال رجل: يا رسول الله، أنصره إذا كان مظلوما، أفرأيت إذا كان ظالما كيف أنصره؟ قال تحجزه أو تمنعه من الظلم فإن ذلك نصره۔

۲-مظلوم کو اس کا حق دلانا:

اسی طرح جانی مالی ونقصان کی بھرپائی اور ظالم کو مناسب سزا دینا بھی سماج میں امن کی بحالی کے سلسلہ میں حکومت کی ذمہ داری ہے۔ کیونکہ قصاص اور سزا لوگوں کے لیے جرم سے رکنے کا محرک بھی ہوتا ہے اور مظلوم کے لیے تسکین بھی۔ اگر ظالم کو سزا نہ ملے تو شریر کی طرف سے شرارت میں اضافے اور مظلوم کی طرف سے بغاوت کا اندیشہ بڑھ جاتا ہے۔ مزید یہ کہ مجرم کو بچانے کی کوشش سماج میں موجود معصوموں کی جان خطرہ میں ڈالنے کے ہم معنی بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ولكم فی القصاص حياة يا أولی الألباب لعلكم تتقون﴾[سوۃ البقرۃ:۱۷۹]

اے عقلمندو! تمہارے لیے قصاص میں حیات ہے کہ تم (اس کے نتیجہ میں جرم سے) رکنے والے بن جاؤ۔ (سورۃ البقرۃ:۱۷۹)

۳-بے بنیاد شک کی بنیاد پر لوگوں کو پریشان کرنے سے بچنا:

حکومت کی ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ بے بنیاد شک کی بنا پر کسی فرد یا گروہ کے ساتھ سختی کرنے سے بچے۔ اس طرح کی کاروائیوں سے جرم تو ختم نہیں ہوتا لیکن ان طبقات کا حکومت پر سے اعتماد ختم ہوجاتا ہے۔ اس لیے حکومتی سطح کے ذمہ داران کو چاہیے کہ وہ امن کی بحالی کے لیے لوگوں کو پریشان کرنے کی بجائے ان کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: ''إن الأمير إذا ابتغى الريبة فی الناس أفسدهم'' (ابوداؤد، حاکم راوی جبیر بن نفیر وکثیر بن مرۃ الوالمقدام وابی امامۃ [صحیح الجامع ۱۵۸۵] (صحیح)

جب امیر محض شک کی بنیاد پر لوگوں کے پیچھے پڑ جاتا ہے تو ہو خود انہیں بگاڑ دیتا ہے۔

۲-سیاست دانوں کی ذمہ داری

عوام کو بھڑکا کر نفرت پیدا کرنے والی سیاست سے بچنا:

سماج کے امن کو بنانے اور بگاڑنے میں بہت اہم کردار سیاست دانوں کا ہوتا ہے۔ ان سیاست دانوں کو

چاہیے کہ وہ سستی سیاست اور ووٹ بینک اور الیکشنی ایجنڈے کی بنیاد پر قوموں کے درمیان نفرت پھیلانے کی بجائے پورے ملک اور انسانیت کی فلاح کو مدِ نظر رکھیں۔ وہ پارٹی سے زیادہ ملک کے استحکام کی فکر کریں۔ بعض سیاست داں خودفسادی ذہن کے ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ومن الناس من يعجبك قوله فى الحياة الدنيا و يشهد الله على ما فى قلبه وهو ألد الخصام وإذا تولى سعى فى الأرض ليفسد فيها و يهلك الحرث والنسل والله لا يحب الفساد﴾ [سورة البقرة: ٢٠٤—٢٠٦]

لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جس کی دنیوی باتیں آپ کو تعجب میں ڈال دیتی ہیں اور وہ اپنے دل کی بات (یعنی اپنی چھپی نیت) پر اللہ کو گواہ بھی بناتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ سخت جھگڑالو انسان ہے۔ جب وہ لوٹ کر جاتا ہے تو زمین میں فساد ہی پھیلاتا ہے اور کھیتی اور نسل کی بربادی کے کام کرتا ہے۔ اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ (سورۃ البقرۃ: ۲۰۴-۲۰۶)

۳-علماء ودعاۃ اور سماج میں اصلاح کرنے والی تنظیموں کی ذمہ داری

۱-لوگوں کو نصیحت کرنا اور بھلائی اور برائی کی تمیز کرنا:

تیسری ذمہ داری ان لوگوں پر ہے جو سماج میں لوگوں کی اصلاح پر مامور ہوں۔ اس میں علماء خطباء اور دعاۃ اور اسی طرح انسانیت کی فلاح وصلاح کے لیے کام کرنے والی تمام تنظیمیں آجاتی ہیں۔ ان کا کام یہ ہے کہ وہ تسلسل کے ساتھ لوگوں کو بھلائی کی تلقین کرتے رہیں اور بُرے اخلاق وکردار سے روکتے رہیں۔ وہ لوگوں کو جذباتیت سے بچ کر اعلیٰ اصول وکردار کا حامل بننے کی تلقین کرتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير ويأمرون بالعروف و ينهون عن المنكر و أولئك هم المفلحون﴾ [سورة آل عمران: ١٠٤]

اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو (لوگوں کو) خیر کی طرف دعوت دیتی رہے اور بھلائی کی تاکید کرے اور برائی سے روکے۔ اور یہی لوگ دراصل کامیاب ہیں۔ (سورہ آل عمران: ۱۰۴)

۲-افراد اور قوموں کے درمیان جھگڑوں میں صلح کی کوشش کرنا:

اسی طرح مصلحین کی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ سماج میں موجود افراد اور گروہوں میں کسی باہم بات پر تناؤ پیدا ہوجائے تو فوراً ان میں صلح کی کوشش کریں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لا خير فى كثير من نجواهم إلا من أمر بصدقة أو معروف أو إصلاح بين الناس ومن يفعل ذلك ابتغاء مرضاة الله فسوف نؤتيه أجرا عظيما﴾ [سورة النساء: ١١٤]

بہت سی سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی، ہاں مگر یہ کہ کوئی صدقہ کا حکم دے یا کسی اچھے کام کی تاکید کرے یا لوگوں میں باہم صلح کی بات کرے۔ اور جو کوئی اللہ کی رضا کے لیے یہ کام کرے تو ہم اسے ضرور اجرِ عظیم عطا فرمائیں گے۔ (سورۃ النساء:۱۱۴)

۳-فتنہ فساد کی آگ کو بجھانے کے لیے پُرحکمت تدابیر اختیار کرنا:

ایک سمجھدار قائد اپنی سوجھ بوجھ سے فساد کی آگ کو ہوا دینے کی بجائے اس کو بجھانے والا ثابت ہوسکتا ہے۔ اس کی ایک مثال خود نبی کریم ﷺ کی زندگی سے ملتی ہے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک دن ہم اللہ کے نبی ﷺ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک اعرابی (دیہاتی) آیا اور اس نے مسجد میں پیشاب کرنا شروع کردیا۔ یہ دیکھ کر صحابہ چیخ پڑے: ارے، ارے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان سے کہا: اسے مت روکو، اسے چھوڑ دو۔ اس پر انھوں نے اسے چھوڑ دیا، یہاں تک کہ جب وہ شخص پیشاب سے فارغ ہوا تو آپ نے اسے اپنے پاس بلایا اور اس سے کہا: یہ مسجدیں پیشاب یا گندگی کرنے کی جگہیں نہیں ہیں۔ ان میں ایسا کرنا ہرگز مناسب نہیں، بلکہ یہ تو اللہ کی یاد کے لیے، نماز پڑھنے اور قرآن کی تلاوت کے لیے بنائی گئی ہیں۔ اسی طرح کی کچھ بات آپ نے کہی۔ پھر آپ نے لوگوں میں سے ایک شخص کو حکم دیا تو وہ پانی سے بھرا ایک ڈول لے آیا اور اس گندگی پر بہادیا۔ [مسلم: الطھارۃ ۱۰۰-(۲۸۵)]

ایک روایت میں ہے: آپ نے لوگوں سے کہا: اس کے پیشاب پر تم خود ہی ایک ڈول پانی بہادو، کیونکہ تم لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو نہ کہ مشکل پیدا کرنے والے بنا کر۔ [بخاری: الوضوء ۲۲۰]

۴-میڈیا کی ذمہ داری

باتوں کو عام کرنے سے پہلے خوب تحقیق کرلینا:

اس سلسلہ میں میڈیا کی بھی بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ بے تحقیق باتوں کا پھیلانا سماج میں بدامنی کے فروغ کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ لہٰذا میڈیا کو اس سے بچنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يا أيها الذين آمنوا إن جاءكم فاسق بنبإ فتبينوا أن تصيبوا قوما

بجهالة فتصبحوا على ما فعلتم نادمين﴾ [سورة الحجرات: ٦]

اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی خوب تحقیق کر لیا کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم لاعلمی میں کسی قوم کو نقصان پہنچا دو اور پھر اپنے کیے پر بعد میں پچھتاتے رہ جاؤ۔ (سورۃ الحجرات:٦)

اپنے اخبار اور چینل کو عام کرنے کے لیے بغیر تحقیق کے غیر ذمہ دارانہ طور پر سنسنی خیز خبریں عام کرنا نہ صرف کسی فرد یا قوم کے لیے نقصان کا سبب ہے بلکہ اس سے پورے ملک میں بدامنی کا دروازہ کھل سکتا ہے۔

۵-عوام کی ذمہ داری

۱-آپسی جھگڑوں کو طول دینے کی بجائے معافی کا طریقہ اپنانا:

اس سلسلہ میں عوام کی ذمہ داریاں بھی ہیں۔ وہ یہ کہ وہ ذاتی جھگڑوں کو قومی اور مذہبی جھگڑے بننے نہ دیں۔ بلکہ معافی اور درگذر کے ذریعہ فتنہ کو ختم کر کے ماحول کو بگڑنے سے بچائیں۔

اللہ کے نبی ﷺ فرماتے ہیں: ''وما زادالله عبدا بعفو إلا عزا''

جو بندہ (دوسروں کو) معاف کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی عزت بڑھا دیتا ہے۔ (مسلم: البر والصلۃ والآداب: ۴۶۸۹) راوی ابوھریرۃ

۲-ردعمل کی بجائے اعلیٰ اخلاق کو اپنانا:

اسی طرح شر پسندوں کی شرارت اور اکسانے کو نظر انداز کرنے سے بھی بہت ساری فسادی سازشیں اپنے پہلے ہی مرحلہ میں ختم ہو جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وعباد الرحمن الذين يمشون على الأرض هونا و إذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاما﴾ [سورة الفرقان: ٦٣]

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین میں (اکڑ کے بجائے) عاجزی کی روش اختیار کرتے ہیں اور جب جاہل ان سے الجھ پڑتے ہیں تو وہ سلامتی ہی کی بات کرتے ہیں۔ (سورۃ الفرقان:٦٣)

☆☆☆

رحمۃ للعالمین

ترتیب: شیخ ابوزید ضمیر

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمَآ اَرۡسَلۡنَاكَ إِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعَالَمِيۡنَ﴾ [الأنبياء: ١٠٧] اور ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے۔

موجودہ دور میں ادھورے علم کی بنا پر اسلام کے بارے میں پروپگینڈہ نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی کو داغدار کرنے کا سبب بن گیا ہے۔اس میں تعصب اور مادی مفادات کے اضافہ نے معاملہ کو اور بھی بدصورت بنا دیا ہے۔جو شخصیت اپنی ذات اور کارکردگی کے اعتبار سے انسانیت کے لیے رحمت بن کر آئی تھی اسے ساری انسانیت کے لیے خطرہ اور ایک خونخوار انسان کی صورت میں پیش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

۱- بہتان اور مذمت سے حقیقت نہیں بدلتی:

یہ انسان کی ہمیشہ سے کمزوری رہی ہے کہ جس کو وہ دلائل کی بنیاد پر غلط ثابت نہیں کر پاتا اسے بُرے القاب دے کر اور استہزا کر کے چھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ بہتان اور استہزا سے آدمی خود اپنے آپ کو ہی چھوٹا ثابت کرتا ہے۔اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ’’أَلَا تَعۡجَبُوۡنَ كَيۡفَ يَصۡرِفُ اللّٰهُ عَنِّي شَتۡمَ قُرَيۡشٍ وَلَعۡنَهُمۡ يَشۡتِمُوۡنَ مُذَمَّمًا وَ يَلۡعَنُوۡنَ مُذَمَّمًا وَ أَنَا مُحَمَّدٌ‘‘ [بخاری المناقب: ٣٥٣٣]

کیا تم کو تعجب نہیں ہوتا کس طرح اللہ نے مجھ سے قریش کی لعنت اور بدکلامی کو دور کر دیا؟ وہ مذمم کو گالی دیتے ہیں اور مذمم پر لعنت کرتے ہیں، جب کہ میں محمد ہوں۔

محمد کے معنی:

اللہ کے نبی ﷺ اپنے نام، اپنی صفات، اپنی پوری زندگی کے اعتبار سے ایک قابل تعریف انسان تھے۔ابن منظور محمد کے معنی بتاتے ہوئے لکھتے ہیں: والمُحَمَّد: الذي كثُرت خِصالُه المَحْمُوْدَة [لسان العرب: (الحميد)]

محمد کے معنی وہ شخص ہے جس میں قابل تعریف صفات بہت ہی زیادہ ہوں۔

۲- نبی ﷺ کی رحمت اور تاریخی شواہد:

واقعی سمجھدار آدمی وہ ہے جو الزامات کی بجائے غیر متاثر ذہن سے حقائق کا جائزہ لے اور فیصلہ کرے۔

۱- نبی ﷺ کے اخلاق کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی گواہی:

نبی کریم ﷺ ایک با اخلاق انسان تھے۔

خود اللہ تعالیٰ نے آپ کے اخلاق کی گواہی دی ہے فرمایا: ﴿وَ إِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ [القلم: ٤] اور یقیناً آپ عظیم اخلاق والے ہیں۔

۲- اللہ کے نبی ﷺ کی بیوی کی گواہی:

آپ ﷺ کو غصہ آتا تھا لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپ غصہ کی حالت میں قابو سے باہر ہو جائیں۔

آپ کی زوجہ محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''مَا ضَرَبَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ خَادِمًا وَلَا امرَأَةً قَطُّ'' اللہ کے رسول ﷺ نے کبھی کسی خادم یا عورت پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ (مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ) الفاظ ابوداؤد کے ہیں۔ (سنن ابی داؤد بتحقیق الألبانی: ۴۷۸۶) اسی کے قریب مسلم میں ہے۔ [مسلم: الفضائل: ۴۰۳۴]

۳- بچوں سے تواضع وشفقت سے پیش آنا:

عہدہ کی طاقت انسان میں غرور اور گھمنڈ پیدا کر دیتی ہے لیکن نبی کریم ﷺ ساری طاقت کے باوجود عاجزی وانکساری کی زندگی جینے والے انسان تھے۔

آپ بچوں کے ساتھ بھی نہایت شفقت سے پیش آتے۔

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''كَانَ يَزُوْرُ الأَنْصَارَ وَ يُسَلِّمُ عَلٰى صِبْيَانِهِمْ وَ يَمْسَحُ رُءُ وْ سَهُمْ (ن) عن أنس (صحيح)'' [صحيح الجامع: ٤٩٤٧] آپ ﷺ انصار سے ملاقات کے لیے جایا کرتے تھے۔ آپ ان کے بچوں کو بھی سلام کرتے اور ان کے سروں پر (شفقت سے) ہاتھ پھیرتے۔

۴- دوسروں کی تکلیف کا خیال کرنا اور ان کے ساتھ رحم کا معاملہ فرمانا:

آپ ﷺ خواتین کے لیے بھی ایک شفیق سرپرست تھے۔

آپ خود فرماتے ہیں: ''إِنِّي لأَقُوْمُ فِي الصَّلَاةِ أُرِيْدُ أَنْ أُطَوِّلَ فِيْهَا فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ فِيْ صَلَاتِيْ كَرَاهِيَةَ أَنْ أَشُقَّ عَلٰى أُمِّهِ'' [بخاری: الآذان: ٧٠٧]

میں نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہوں اور میری خواہش ہوتی ہے کہ میں نماز لمبی کروں، لیکن پھر میں کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو اس ڈر سے نماز مختصر کر دیتا ہوں کہ میرا نماز کو لمبا کر دینا اُس بچے کی ماں کے لیے پریشانی کا سبب نہ ہو جائے۔

۵-آپ ﷺ کے خادم کی گواہی:

آدمی دوسروں کے سامنے کتنا ہی اچھا بن کے جیے بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنے خادم سے ہمیشہ با اخلاق بنا رہے۔لیکن آپ ﷺ کا معاملہ الگ تھا۔آپ کے خادم انس رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں:''كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا فَأَرْسَلَنِيْ يَوْمًا لِحَاجَةٍ فَقُلْتُ وَاللّٰهِ لَا أَذْهَبُ وَ فِيْ نَفْسِيْ أَنْ أَذْهَبَ لِمَا أَمَرَنِيْ بِهِ نَبِيُّ اللّٰه ﷺ فَخَرَجْتُ حَتّٰى أَمُرَّ عَلَى صِبْيَانٍ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ فِي السُّوْقِ فَإِذَا رَسُول الله ﷺ قَدْ قَبَضَ بِقَفَايَ مِنْ وَرَائِيْ قَالَ فَنَظَرْتُ إِلَيْهِ وَهُوَ يَضْحَكُ فَقَالَ يَا أُنَيْسُ اَذَهَبْتَ حَيْثُ أَمَرْتُكَ قَالَ قُلْتُ نَعم أَنا أذهبُ يا رسولَ اللّٰه قالَ أَنسٌ وَاللّٰهِ لَقَدْ خِدْمَتُهُ تِسْعَ سِنِيْنَ مَا عَلِمْتُهُ قَالَ لِشَيءٍ صَنَعْتُهُ لِمَ فَعَلْتَ كَذا وَ كَذَا أَوْ لِشَيءٍ تَرَكْتُهُ هَلاَّ فَعَلْتَ كَذَا وَ كَذَا۔ [مسلم: الفضائل ٤٢٧٢ –بخاری: الأدب ٦٠٣٨ نحوه]

اللہ کی قسم میں نے نو سال اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت کی ہے۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ کبھی میرے کسی کام پر آپ نے مجھے (ڈانٹتے ہوئے) یوں کہا ہو کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ یا کوئی کام جو مجھ سے رہ گیا ہو اس پر آپ نے کہا ہو کہ تم نے وہ کام کیوں نہیں کیا؟

۶-غلاموں سے آپ کا حسن سلوک:

عرب میں غلاموں کے ساتھ بہت ہی بُرا سلوک ہوتا تھا۔ بلکہ غلاموں کے ساتھ ہمیشہ سے بُرا ہی سلوک ہوتا آیا ہے۔لیکن نبی کریم ﷺ نے جو معاشرہ قائم کیا اس کا حال بالکل الگ تھا۔

معرور بن سوید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:''لقيت أبا ذر بالربذة و عليه حلة وعلى غلامه حلة فسألته عن ذلك فقال إنى سببت رجلا فعيرته بأمه فقال لى النبى ﷺ: يا أبا ذر أعيرته بأمه إنك امرؤ فيك جاهيلة إخوانكم خولكم جعلهم الله تحت أيديكم فمن كان أخوه تحت يده فليطعمه مما يأكل وليابسه مما يلبس ولا تكلفوهم ما يغلبهم فإن كلفتموهم فأعينوهم۔ [بخاری: الأيمان ٣٠– م: الأيمان ٣١٣٩]

ایک مرتبہ میری ملاقات ابوذر رضی اللہ عنہ سے ربذہ کے مقام پر ہوئی انھوں نے ایک کُرتہ پہن رکھا تھا اور ایسا ہی کُرتہ اُن کے غلام نے بھی پہنا ہوا تھا۔ میں نے ان سے اِس کا سبب پوچھا تو اُنھوں نے بتایا کہ ایک مرتبہ میں نے ایک شخص کو (جو حبشی غلام تھا) ایک بہت بُری بات کہی اور اس کی ماں کے نام سے اُسے عار دِلائی۔ اِس پر نبی کریم ﷺ

نے فرمایا: اے ابوذر! تو نے اُسے اُس کی ماں کے نام سے عار دِلائی؟ تجھ میں تو اب تک جاہلیت باقی ہے۔ یہ غلام تمہارے بھائی ہیں جنھیں اللہ نے تمہاری ماتحتی میں دیا ہے۔ تو جس کی ماتحتی میں اُس کا بھائی ہو اُسے چاہئے کہ اپنے کھانے میں سے اُسے کھلائے اور جو خود پہنتا ہے اسے بھی پہنائے۔ اور اُن پر ایسا بوجھ نہ ڈالو جو اُن کی طاقت سے باہر ہو اور اگر ایسا کوئی کام اُنھیں دو تو اس میں خود ان کی مدد کرو۔

۷- جانوروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا:

اللہ کے نبی ﷺ نہ صرف انسانوں کے لیے رحمت تھے بلکہ جانوروں کے لیے بھی آپ ایک شفیق انسان تھے۔ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''كنا مع رسول الله ﷺ فی سفر فانطلق لحاجته فرأينا حمرة معها فرخان فأخذنا فرخيها فجاء ت الحمرة فجعلت تفرش فجاء النبی ﷺ فقال من فجع هذه بولدها ردوا ولدها إليها ورأى قرية نمل قد حرقنا ها فقال من حرق هذه قلنا نحن قال إنه لا ينبغی أن يعذب بالنار إلا رب النار (د) (صحيح) [صحيح أبی داؤد ۲۳۲۹ – الصحيحة رقم ۲۰ و رقم ٤٨٧]

ہم ایک سفر میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ حاجت سے فارغ ہونے کے لیے چلے گئے۔ ہم نے ایک چڑیا دیکھی جس کے پاس دو بچے تھے۔ ہم نے اس سے وہ دونوں بچے لے لیے۔ اس پر وہ چڑیا آکر ہمارے اوپر منڈلانے لگی۔ جب اللہ کے نبی ﷺ واپس لوٹے تو آپ نے فرمایا: کس نے اس چڑیا کو اس کے بچوں کے سلسلہ میں پریشان کیا۔ اس کے بچے اسے واپس لوٹا دو۔

(اِسی سفر میں) آپ کی نگاہ چونٹیوں کے گھر پر پڑی جسے ہم نے جلا دیا تھا۔ آپ نے پوچھا: اِسے کس نے جلایا؟ عرض کیا: ہم نے۔ آپ نے فرمایا: آگ سے عذاب دینا کسی کے لیے جائز نہیں، ہاں یہ اُسی کا حق ہے جو خود اِس آگ کا رب ہے۔ [سنن ابوداؤد: کتاب الأدب: ابواب النوم] [صحیح ابی داؤد: ۳۲۲۹]

۸- مسجد میں پیشاب کرنے والے سے آپ ﷺ کا نرم سلوک:

اللہ کے رسول ﷺ جذبات میں آکر قدم اٹھانے والوں میں سے نہیں تھے، آپ کا ہر عمل حکمت پر مبنی عمل ہوتا تھا۔ آپ بہت صبر کرنے والے انسان تھے۔

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''قال بينما نحن في المسجد مع رسول الله ﷺ إذ جاء أعرابی فقام يبول في المسجد فقال أصحاب رسول الله ﷺ مه مه قال قال رسول الله ﷺ: لا

تزرموه دعوه فتركوه حتى بال ثم إن رسول الله ﷺ دعاه فقال له إن هذه المساجد لا تصلح لشيء من هذا البول ولا القذر إنما هى لذكرالله عزوجل والصلاة و قراء ة القرآن أو كما قال رسول الله ﷺ قال فأمر رجلا من القوم فجاء بدلو من ماء فشنه عليه''۔

و فى رواية: فقال لهم النبى ﷺ دعوه وهريقوا على بوله سجلا من ماء– أو ذنوبا من ماء– فإنما بعثتم ميسرين ولم تبعثوا معسرين۔

ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک دیہاتی آیا، اور مسجد میں پیشاب کرنے لگا۔ اللہ کے رسول ﷺ کے اصحاب چیخ پڑے ''مہ مہ''۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اسے نہ روکو، اسے چھوڑ دو۔ اس پر انھوں نے اسے چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ وہ فارغ ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے بلایا اور کہا: یہ مساجد پیشاب اور گندگی کے لیے نہیں ہیں، بلکہ یہ تو اللہ عزوجل کے ذکر، نماز، اور قرآن پڑھنے کے لیے ہیں۔ یا اسی کے مثل رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، پھر آپ نے لوگوں میں سے کسی شخص کو پیشاب صاف کرنے کا حکم دیا وہ شخص ڈول میں پانی لے آیا اور پیشاب پر بہادیا۔ [بخاری: ۲۲۰- مسلم: ۲۸۵] الفاظ مسلم کے ہیں۔

ایک روایت میں ہے: اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر پانی کا ڈول یا گھڑا بہادو۔ تم آسانی پیدا کرنے کے لیے مبعوث ہوئے ہو۔ تنگی پیدا کرنے کے لیے نہیں۔ [بخاری: الوضوء ۲۲۰]

۹- بُرے طریقہ سے مانگنے والے سے آپ ﷺ کا سلوک:

اللہ کے نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بہت اونچا مقام دیا لیکن آپ اپنی بڑائی لوگوں پر جتاتے نہیں تھے۔ بلکہ بعض اوقات دیہات سے آنے والے نئے لوگ آپ کی ویسی تعظیم نہیں کر پاتے تھے جس کے آپ واقعی حقدار تھے۔ لیکن آپ ان کی اس طرح کی باتوں کو نظر انداز کر دیتے تھے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''كنت أمشى مع رسول الله ﷺ و عليه برد نجرانى غليظ الحاشية فأدركه أعرابى فجبذه بردائه جبزة شديدة حتى نظرت إلى صفحة عاتق رسول الله ﷺ قد أثرت بها حاشية البرد من شدة جبذته ثم قال يا محمد مرلى من مال الله الذى عندك فالتفت إليه رسول الله ﷺ ثم ضحك ثم أمر له بعطاء۔''

ایک مرتبہ میں نبی ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا۔ آپ ﷺ نے ایک نجرانی چادر اوڑھ رکھی تھی، جس کا کنارہ نہایت ہی موٹا تھا۔ ایک اعرابی آپ کے پاس آیا اور آپ کی چادر پکڑ کر اس کو سختی سے کھینچا حتی کہ میں نے دیکھا کہ

رسول اللہ ﷺ کی گردن پر اس چادر کے نشانات ظاہر ہو گئے تھے۔ پھر اس اعرابی نے کہا: اے محمد! اللہ نے جو مال آپ کو دیا ہے اس میں سے مجھے بھی کچھ عطاء کرنے کا حکم دیجئے۔ آپ نے اس کی طرف، آپ مسکرا دیے اور صحابہ کو حکم دیا کہ اسے کچھ دیدو۔ [بخاری: فرض الخمس ۳۱۴۹-مسلم: الزکوۃ ۱۷۴۹]

۱۰-مشرکین کے لیے بھی ہدایت کی دعا کرنا:

آپ کی دعوت شرک کے خلاف تھی۔ اس دعوت سے خطرہ محسوس کرتے ہوئے وہ لوگ آپ کے دشمن ہو جاتے جن کو یہ دعوت اپنے مفاد یا اپنے رسم ورواج کے خلاف دکھائی دیتی۔ وہ موقع پا کر آپ کو ستاتے بھی تھے۔ لیکن اللہ کے نبی ﷺ ان کی بدسلوکی کو نظر انداز کرتے ہوئے ان کے لیے اللہ سے ہدایت کی دعا کرتے۔

ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''قدم طفيل بن عمرو الدوسي و أصحابه على النبي ﷺ فقالوا يا رسول الله إن دوسا عصت و أبت فادع الله عليها، فقيل هلكت دوس قال اللهم اهد دوسا و أت بهم۔

طُفَیل ابنِ عمرو الدّوسی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی اللہ کے نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے اے اللہ کے رسول، قبیلۂ دوس نے نافرمانی کی اور انکار کر دیا۔ آپ اللہ سے ان کے خلاف بددعا کیجیے۔ لوگ کہنے لگے اب تو ضرور قبیلۂ دوس کی ہلاکت ہے۔ (لیکن) اللہ کے رسول ﷺ نے (بددعا کرنے کی بجائے یوں) کہا: اے اللہ قبیلۂ دوس کو ہدایت دے اور انھیں (اسلام میں) آنے کی توفیق دیدے۔ [بخاری: الجہاد والسیر ۲۹۳۷-مسلم: فضائل الصحابۃ: ۴۵۸۶]

۱۱-مشرک والدین کے ساتھ صلہ رحمی کی تلقین:

آپ نے ایسا دین دیا جس میں باہمی حقوق کی پوری رعایت موجود ہے حتی کہ ان حقوق کی ادائیگی میں کسی کا شرک بھی رکاوٹ نہیں بن سکتا۔

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں: ''قدمت علي أمي وهي مشركة في عهد رسول الله ﷺ فاستفتيت رسول الله ﷺ قلت وهي راغبة أفأصل أمي؟ قال نعم صلي أمك۔ [بخاري: الهبة ۲۶۲۰ – مسلم: الزكاة: ۱۶۷۱]

اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں میری والدہ میرے پاس آئیں اور وہ مشرکہ تھیں۔ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے اس سلسلہ میں فتویٰ طلب کیا۔ میں نے پوچھا: میری والدہ مجھ سے اچھے سلوک کی امید رکھتی ہیں۔ کیا میں ان

سے بھلائی کروں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، اپنی والدہ سے اچھا سلوک کرو۔

۱۲- یہود کی کھلی سرکشی پر آپ ﷺ کا درگذر کرنا:

مدینہ کے یہود عموماً سرکش مزاج تھے۔ اور یہود کی تاریخ خود موسیٰ علیہ السلام ہی کے دور سے ان کی سرکشی کی گواہ ہے۔ وہ مدینہ میں آئے دن کچھ نہ کچھ فتنہ کرتے رہتے حتی کہ جب وہ نبی ﷺ کے پاس کسی کام سے آتے تب بھی اپنے اس مزاج کے مطابق کچھ نہ کچھ شرارت ضرور کرتے۔ لیکن اللہ کے نبی ﷺ ان کی ان حرکتوں کو عموماً نظر انداز کر دیا کرتے تھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: '' أن يهود أتوا النبى ﷺ فقالوا السام عليكم فقالت عائشة: عليكم و لعنكم الله و غضب الله عليكم قال مهلا يا عائشة عليك بالرفق و إياك والعنف والفحش قالت: أولم تسمع ما قالوا قال: أولم تسمعى ما قلت؟ رددت عليهم فيستحاب لى فيهم و لا يستجاب لهم فى [بخارى: الأدب ٦٠٣٠ – مسلم: السلام ٤٠٢٧]

کچھ یہودی نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہا: السام علیکم (آپ کی ہلاکت ہو)۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے (غصہ ہو کر) کہا: بلکہ تمہاری (ہلاکت ہو) اور تم پر اللہ کی لعنت اور اللہ کا غضب ہو۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: عائشہ! سنبھل کر، نرمی اختیار کرو، سختی اور فحش کلامی سے بچو۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: کیا آپ نے نہیں سنا؟ ان لوگوں نے کیا کہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اور کیا تم نے نہیں سنا میں نے کیا کہا؟ میں نے ان کا جواب دیا۔ ان کے مقابلے میں میری بات قبول ہوگئی جب کہ ان کی بددعاء میرے حق میں قبول نہیں ہوئی۔

۱۳- آپ ﷺ کو زہر دینے والی یہودی عورت سے آپ کا سلوک:

صرف زبانی بدسلوکی نہیں بلکہ آپ نے اپنے قتل کی کوشش کرنے والوں کو بھی معاف کیا۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''أن امرأة يهودية أتت رسول الله ﷺ بشاة مسمومة فأكل منها [ولأحمد: فقال إنها جعلت فيه سما] فجيء بها إلى رسول الله ﷺ فسألها عن ذلك فقالت أردت لأقتلك قال ما كان الله ليسلطك على ذاك. قال: أو قال – على – قال قالوا ألانقتلها؟ قال: لا. قال: فما زلت أعرفها في لهوات رسول الله ﷺ ''[مسلم: السلام ٤٠٦٠ – بخارى: الهبة و فضلها والتحريض عليها ٢٦١٧]

ایک یہودی عورت اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں زہر آلود بکری کا گوشت لے آئی۔ آپ ﷺ نے اس میں سے کچھ کھایا۔ (مسند احمد کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: اس عورت نے اس گوشت میں زہر ملایا تھا) اس پر

اس عورت کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا۔ آپ نے اس سے ایسا کرنے کی وجہ پوچھی۔ اس نے کہا: میں آپ کو قتل کرنا چاہتی تھی۔ آپ نے فرمایا: اللہ تمہیں میرا قتل کرنے پر قادر ہونے نہ دیتا۔ یا آپ نے فرمایا: اللہ تمہیں مجھ پر مسلط ہونے نہ دیتا۔ صحابہ نے عرض کیا: کیا ہم اسے قتل نہ کر دیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اس زہر کے اثرات رسول اللہ ﷺ کے حلق میں برابر دیکھا کرتا تھا۔

۱۴-قتل کی کوشش کرنے والے سے آپ ﷺ کا سلوک:

آپ ﷺ نے طاقت کے باوجود اپنے مخالفین کو چھوڑ دیا۔ بلکہ ان کی ہدایت اور نجات کے لیے دعا اور کوشش کرتے رہے۔ لیکن آپ نے کبھی کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا۔

جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: '' أقبلنا مع رسول الله ﷺ حتى إذا كنا بذات الرقاع قال كنا إذا أتينا على شجرة ظليلة تركناها لرسول الله ﷺ قال فجاء رجل من المشركين و سيف رسول الله ﷺ معلق بشجرة فأخذ سيف نبى الله ﷺ فاخترطه فقال لرسول الله ﷺ أتخافنى قال لا قال فمن يمنعك منى قال الله يمنعنى منك..... [مسلم: صلاة المسافرين ۱۳۹۱]

ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے حتی کہ ذات الرقاع پہنچ گئے۔ جب کبھی ہمیں سایہ دار درخت نظر آتا تو ہم اسے رسول اللہ کے آرام کی خاطر چھوڑ دیتے۔ (ابھی آپ آرام ہی فرما رہے تھے کہ موقع پا کر) ایک مشرک آپ کے پاس آ پہنچا۔ نبی ﷺ کی تلوار درخت پر لٹک رہی تھی۔ اس نے آپ ﷺ کی تلوار لی اور آپ کے سامنے تلوار تان کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: کہو، کیا تمہیں مجھ سے ڈر لگ رہا ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، اس نے کہا: اب تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ نے فرمایا: اللہ [تجھ سے بچائے گا]۔ [مسلم: صلاۃ المسافرین ۱۳۹۱]

ابو بکر الاسماعیلی نے اپنی صحیح میں اس روایت کو اس طرح روایت کیا ہے: (یہ سننا تھا کہ) تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے وہ تلوار اٹھائی اور کہا: اب تجھے مجھ سے کون بچائے گا؟ اس نے کہا: آپ بہتر غلبہ پانے والے کا سلوک کریں۔ آپ نے کہا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں؟ اس نے کہا: نہیں، ہاں البتہ میں آپ سے عہد کرتا ہوں کہ میں آپ سے کبھی جنگ نہیں کروں گا اور نہ ہی اس قوم کا ساتھ دوں گا جو آپ سے جنگ کرے۔ آپ نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ اپنی قوم کے پاس گیا اور کہا: میں تمہارے پاس لوگوں میں سب سے بہترین شخص ہاں سے آیا ہوں۔ [ریاض الصالحین باب التوکل والیقین، رقم: ۷۸]

۱۵-آپ ﷺ نے اپنی ذات کے لیے کبھی انتقام نہیں لیا:

آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں جو سزائیں نافذ کیں وہ عدل وانصاف کا تقاضہ تھیں۔ قانون کے نفاذ میں رحم دلی اگر رکاوٹ بننے لگے تو سماج میں حقوق کی پامالی اور بدامنی عام ہوجاتی ہے۔آپ نے اپنے معاملات میں لوگوں کو معاف کیا لیکن عدل اور انصاف کے قیام میں کبھی نرمی نہیں برتی۔ یہ وہ توازن ہے جو اقتدار پانے والوں میں کم ہی دکھائی دیتا ہے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:''ما انتقم رسول الله ﷺ لنفسه فی شيء قط إلا أن تنتهك حرمة الله فينتقم بها لله" [بخاری: الأدب ٦١٢٦ –مسلم: الفضائل ٤٢٩٤]

اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی ذات کے لیے کبھی انتقام نہیں لیا، البتہ اگر اللہ کی حرمت کو پامال کیا جاتا (یعنی کوئی ایسا گناہ کیا جاتا جس کی شریعت میں سزا ہے) تو آپ اللہ کی خاطر انتقام لیتے۔

۱۶-ذوالخویصرۃ کا ناانصافی کی تہمت لگانے کے باوجود اُسے چھوڑ دینا:

اقتدار اور طاقت پانے والے اپنے مخالف کو کچلنے کے لیے بہانہ تلاش کرتے ہیں، لیکن اللہ کے نبی کا حال یہ تھا کہ آپ قدرت کے باوجود اپنی شان میں گستاخی کرنے والے کو اپنے چاہنے والوں کے ہاتھوں سے بچانے کی کوشش کرتے تھے۔ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:''بينما نحن عند رسول الله ﷺ وهو يقسم قسما أتاه ذو الخويصرة وهو رجل من بنی تميم فقال يا رسول الله اعدل فقال ويلك ومن يعدل إذا لم أعدل قد خبت و خسرت إن لم أكن أعدل فقال عمر يا رسول الله أذن لي فيه فأضرب عنقه. فقال دعه..... [بخاری: المناقب ٣٦١٠– مسلم: الزكاة ١٧٦٥ واللفظ للبخاری]

ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔آپ مال تقسیم کررہے تھے۔ذوالخُویصرَہ نامی ایک شخص جو بنی تمیم سے تعلق رکھتا تھا آیا۔اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! (بانٹنے میں) عدل سے کام لیجیے۔اللہ کے رسول ﷺ نے کہا: تیری بربادی ہو، اگر میں عدل نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا؟ اور اگر میں ہی انصاف نہ کروں تو تیرے لیے سوائے تباہی کے اور کچھ نہیں۔[اس کا یہ جملہ سن کر] عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجیے میں اس کی گردن مار دیتا ہوں۔اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: [نہیں] اسے جانے دو۔

ایک روایت میں ہے: اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ سے ڈریے۔ آپ نے فرمایا: تیری بربادی ہو! کیا میں اہل زمین میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا نہیں ہوں؟ راوی کہتے ہیں: جب وہ شخص واپس جانے لگا تو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا میں اس کی گردن نہ ماردوں؟ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: نہیں، ہوسکتا ہے وہ نماز پڑھتا ہو۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے اس چیز کا حکم نہیں دیا گیا کہ لوگوں کے دلوں میں جھانک کر دیکھوں یا ان کے سینے چاک کروں۔ [بخاری: المغازی ۴۳۵۱-مسلم: الزکاۃ ۱۷۶۳]

۳-قابل ملاحظہ قائق:

موجودہ دور میں اظہار رائے کی آزادی کے نام پر نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کی کوششیں عام ہیں۔ بعض اوقات اس کوشش کے پیچھے حکومتوں کی پشت پناہی بھی ہوتی ہے۔ لیکن اس منفی حال کا مثبت پہلو یہ ہے کہ اس سے اسلام عالمی سطح پر موضوع گفتگو اور موضوع تحقیق بن گیا ہے۔ اور یہ چیز دعوتی اعتبار سے اسلام ہی کے حق میں مفید ثابت ہوسکتی ہے۔ کیونکہ الزامات جب خلاف حقیقت ثابت ہوتے ہیں تو وہ خود قبول حق کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ اور اہل باطل کا پروپگینڈہ خود اشاعت حق کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

۱-اہل باطل کا پروپگینڈہ بھی دعوت میں مددگار ہوجاتا ہے:

اس کی ایک مثال نبی ﷺ ہی کی زندگی سے ملتی ہے۔

طفیل بن عمر والدوسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''كنت رجلا شاعرا سيدا في قومي فقدمت مكة فمشيت إلى رجالات قريش فقالوا: يا طفيل إنك امرؤ شاعر سيد مطاع في قومك و إنا قد خشينا أن يلقاك هذاالرجل فيصيبك ببعض حديثه فإنما حديثه كالسحر فاحذره أن يدخل عليك وعلى قومك ما أدخل علينا و على قومنا فإنه يفرق بين المرء وابنه و بين المرء و زوجه و بين المرء و أبيه فوالله مازالوا يحدثونني في شأنه و ينهونني أن أسمع منه حتى قلت: والله لا أدخل المسجد إلا و أنا ساد أذني قال: فعمدت إلى أذني فحشوتهما كرسفا ثم غدوت إلى المسجد فإذا برسول الله ﷺ قائما في المسجد قال: فقمت منه قريبا و أبى الله إلا أن يسمعني بعض قوله قال: فقلت في نفسي: والله إن هذا للعجز والله إنى امرؤ ثبت ما يخفنى على من الأمور حسنها ولا قبيحها والله لأستمعن منه فإن كان أمره

رشدا أخذت منه و إن كان غير ذلك اجتنبته فقال: فقلت بالكرسفة فنزعتها من أذني فألقيتها ثم استمعت له فلم أسمع كلاما قط أحسن من كلام يتكلم به. قال: قلت في نفسي يا سبحان الله ما سمعت كاليوم لفظا أحسن منه ولا أجمل. قال: ثم انتظرت رسول الله ﷺ حتى انصرف فاتبعته فدخلت معه بيته فقلت له: يا محمد إن قومك جاؤوني فقالوا كذا و كذا فأخبرته بالذي قالوا وقد أبى الله إلا أن أسمعني منك ما تقول وقد وقع في نفسي أنه حق فاعرض على دينك وما تأمر به وما تنهى عنه قال: فعرض على رسول الله ﷺ الإسلام فأسلمت قلت يا رسول الله إني أرجع إلى دوس و أنا فيهم مطاع و أنا داعيهم إلى الإسلام لعل الله أن يهديهم فادع الله أن يجعل لي آية تكون لي عونا عليهم فيما أدعوهم إليه فقال: اللهم اجعل له آية تعينه على ما ينوي من الخير " [الإستيعاب في ترجمة الطفيل]

میں اپنی قوم میں شاعر اور سردار کی حیثیت رکھتا تھا۔ جب میں مکہ آیا تو قریش کے کچھ لوگوں نے مجھ سے ملاقات کی اور کہا: اے طفیل! تم اپنی قوم کے شاعر اور فرمان روا سردار ہو۔ ہمیں اس بات کا اندیشہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری ملاقات اِس شخص سے ہوجائے اور پھر تم اس کی باتوں سے متاثر ہوجاؤ۔ اس کی باتیں جادو کی طرح ہیں۔ اس سے ہر حال میں بچنا، کہیں وہ تمہاری قوم میں اس آپسی جھگڑے میں نہ ڈال دے جس میں ہماری قوم کو ڈال رکھا ہے۔ وہ ماں سے بیٹے کو، بیوی سے شوہر کو اور باپ سے اس کی اولاد کو الگ کر دیتا ہے۔ (طفیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) اللہ کی قسم وہ لوگ مجھ سے برابر آپ ﷺ کی برائی کرتے رہے اور مجھے آپ کی بات سننے سے سختی سے روکتے رہے یہاں تک کہ میں نے کہا: اللہ کی قسم میں مسجد میں جاؤں گا تو کانوں میں کپاس ڈال کر ہی جاؤں گا۔ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی اور دوسرے دن صبح سویرے مسجد گیا۔ رسول اللہ ﷺ مسجد ہی میں نماز پڑھ رہے تھے۔ میں آپ سے کچھ قریب جا کر کھڑا ہوگیا۔ لیکن بات یہ ہے اللہ نے مقدر کر ہی دیا تھا کہ میں آپ کا کلام سن لوں۔ میں نے اپنے دل میں کہا: یہ کتنی بے بسی ہے۔ اللہ کی قسم! میں بڑا مضبوط انسان ہوں۔ مجھ سے کسی چیز کی اچھائی یا برائی مخفی نہیں رہ سکتی۔ واللہ! میں ضرور آپ کا کلام سنوں گا۔ اگر بات درست لگے تو میں اس پر عمل کروں گا اور اگر بات درست نہ ہو تو اس سے پرہیز کروں گا۔ بس میں نے روئی اپنے کان سے نکال کر پھینک دی اور آپ کا کلام سننے لگا۔ آپ کا کلام اتنا عمدہ تھا کہ اس سے بہتر کلام میں نے کبھی نہیں سنا تھا۔ میں نے دل میں کہا: سبحان اللہ! میں نے آج سے پہلے اتنا اچھا

اورعمدہ کلام کبھی نہیں سنا۔ پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کے نماز سے فارغ ہونے کا انتظار کیا۔ جب آپ فارغ ہوگئے۔ میں آپ کے پیچھے چلا اور آپ کے گھر میں داخل ہوگیا۔ میں نے آپ سے کہا: اے محمد! آپ کی قوم میرے پاس آئی تھی اور مجھ سے ایسی اور ایسی باتیں کررہی تھی۔ میں نے آپ کو وہ ساری باتیں بتلادیں اور کہا: مگر اللہ کو یہی منظور تھا کہ میں آپ کی بات سنوں حتی کہ آپ کا کلام میرے دل میں گھر کر گیا اور میں نے جان لیا کہ یہ حق ہے لہذا آپ اپنا دین میرے سامنے پیش کیجیے اور بتایئے آپ کس چیز کا حکم دیتے ہیں اور کس چیز سے روکتے ہیں۔ آپ ﷺ نے میرے سامنے اسلام پیش کیا۔ میں اسلام لے آیا اور میں نے کہا: میں قبیلہ دوس میں واپس جارہا ہوں اور میں اس قبیلہ کا سردار ہوں۔ میں اسلام کی طرف ان کو دعوت دوں گا۔ ہوسکتا ہے اللہ انھیں ہدایت دے دے۔ اللہ سے دعاء کیجیے کہ وہ مجھے کوئی نشانی دے دے جو انھیں دعوت دینے میں میرے لیے مددگار ثابت ہو۔ آپ ﷺ نے یہ دعاء کی: اے اللہ! اسے کوئی نشانی دے دے جو اس بھلی نیت میں اس کے لیے مددگار ثابت ہوجائے۔ [الاستیعاب فی ترجمۃ الطفیل]

طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں ہمارے لیے بڑی عبرت اور امید ہے۔ لہذا مسلمانوں کو اور خصوصا داعیان اسلام کو چاہیے کہ موجودہ دور میں مواقع کو استعمال کرتے ہوئے اور ٹکنالاجی کا بھرپور استعمال کرتے ہوئے صاف ستھرے اسلام کو عالمِ انسانیت تک پہنچانے کی مسلسل کوشش کو اپنا مقصدِ حیات بنالیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ امت مسلمہ کی مستقل ذمہ داری ہے جو قیامت تک اس سے ساقط ہونے والی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قل هذه سبيلي أدعوا إلى الله على بصيرة أنا و من اتبعني﴾ [يوسف: ١٠٨]

آپ کہہ دیجیے کہ یہی میری راہ ہے، میں لوگوں کو اللہ کی طرف دلیل و برہان کی روشنی میں بلاتا ہوں۔ میں بھی اور میری اتباع کرنے والے بھی۔ [یوسف: ۱۰۸]

☆☆☆

انسانی حقوق اور سنت نبویہ

مولانا ارشد فہیم مدنی
نائب رئیس جامعہ ابن تیمیہ، مدینۃ السلام، بہار

تمہید:

انسان فطری طور پر اجتماعیت پسند اور مدنی الطبع پیدا ہوا ہے۔ وہ سماج و معاشرہ کے بغیر گذارہ نہیں کرسکتا۔ ایک مغربی ماہر عمرانیات نے انسان کو معاشرتی جانور (Social Animal) قرار دیا ہے۔ اس کے مطابق انسان اور معاشرہ ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔ اور یہ حقیقت بھی ہے کہ انسان معاشرہ سے الگ رہ کر خوش اسلوبی کے ساتھ اپنی زندگی بسر نہیں کرسکتا، اس لیے کہ انسان کو اپنے معاشرہ میں امن وامان اور سکون واطمینان کے ساتھ بود و باش کرنے کے لیے بہت سی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ چیزیں اجتماعیت کے بغیر پوری نہیں ہوسکتی ہیں۔ دور جدید کی اصطلاح میں انہی ضروری اشیاء کو انسان کے بنیادی حقوق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حقوق کا معنی ومفہوم:

حقوق حق کی جمع ہے جو عربی زبان کا لفظ ہے۔ انگریزی زبان میں حق کو Right کہا جاتا ہے۔ مشہور ماہر لسانیات ابن منظور افریقی حق کا معنی لکھتے ہیں: ''الحق نقیض الباطل، و تطلق کلمة الحق علی النصیب المحدد'' حق باطل کی ضد ہے اور لفظ حق کا اطلاق مقررہ حصہ پر ہوتا ہے۔ (لسان العرب ج:۱،ص:۴۹)

انسانی حقوق کے شعور کا ارتقاء:

تاریخ عالم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی حقوق کا شعور اتنا ہی دیرینہ اور قدیم ہے جتنی انسان کی تخلیق۔ چنانچہ انسانی حقوق کا سب سے پہلا معاملہ حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹے ہابیل اور قابیل کے درمیان پیش آیا۔ ان دونوں کے مابین ایک معاملہ کے سلسلے میں اختلاف رونما ہوگیا۔ اور یہ اختلاف اتنا وسیع ہوگیا کہ قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کے حق زندگی کو سلب کرنے کا ارادہ کرلیا۔ ہابیل نے قابیل کو انسانی جان کی قدر و قیمت اور اس کے حق تحفظ سے آگاہ کیا۔ مگر قابل نے ہابیل کے بنیادی حق کے تحفظ سے انکار کردیا اور اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: سورۃ مائدۃ:۲۸-۲۹)

انسان کے بنیادی حقوق کے تحفظ اور عدم تحفظ کا یہ سلسلہ بشر اول حضرت آدم علیہ السلام کے دور سے شروع ہوا

اور اب تک جاری ہے۔ ان حقوق کو قانونی شکل فراہم کرنے کے لیے مختلف ادوار میں نوع بہ نوع اقدامات کئے گئے، تاکہ کوئی فرد بشر دوسرے کو اس کے بنیادی حقوق سے محروم نہ کر سکے۔ اور اگر کوئی کسی کے حقوق کی پامالی کرے تو اسے سزائے واجبی سے دوچار کیا جائے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ عام انسانوں میں سب سے پہلے معروف یونانی فلسفی سقراط نے انسانی حقوق کی آواز بلند کی، مگر اس کے اس عمل کو جرم سے تعبیر کیا گیا، اور اس جرم کی پاداش میں اس کو زہر کا جام نوش کرادیا گیا۔ اس کے بعد سکندر اعظم کو دیوجانس کلبی نے انسان کے بنیادی حقوق کا احساس دلایا۔ مگر اس کی بھی آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی۔

حقوق انسانی کی مغربی تاریخ

میگنا کارٹا:

مغربی دنیا میں انسانی حقوق کا تصور بہت پرانا نہیں ہے۔ یہ تصور چھ سات صدیوں سے پہلے اپنی کوئی تاریخ نہیں رکھتا ہے۔ مغرب میں اس تصور کا نقطۂ آغاز میگنا کارٹا (Megna Carta) کو قرار دیا جاتا ہے۔ انسانی حقوق کا یہ اولین دستاویز ہے، جس کو تیرہویں صدی عیسوی میں انگلینڈ کے بادشاہ جان نے جون ۱۲۱۵ء میں جاری کیا تھا۔ دراصل یہ بادشاہ اور عوام کے درمیان ایک قسم کا سمجھوتہ تھا جس کے اندر بادشاہ کی مطلق العنانیت، انتظامی بے اعتدالیوں اور عدالتی بے انصافیوں پر بندش لگائی گئی تھی۔ اس کو آج شہری و اجتماعی آزادیوں کا عظیم چارٹر تصور کیا جاتا ہے۔ اس دستاویز میں کل ترسٹھ (۶۳) دفعات تھے۔ ان میں سے زیادہ تر امراء و روٴسا کے مفاد کے تحفظ میں تھے۔ عوام و رعایا کے حقوق کے تحفظ کا خیال برائے نام رکھا گیا تھا۔ صرف آٹھ دفعات ایسے تھے جن میں انسانی حقوق کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ اس کے باوجود یہ چارٹر مغرب میں انسانی حقوق کی تاریخ کی خشت اول سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے کہ اس کی پہلی دفعہ میں حکومتی اختیارات پر گرفت کرنے کا نظریہ پیش کیا گیا تھا۔ اسی لیے اس کو **منشور اعظم انگلستان** بھی کہا جاتا ہے۔

(Mash, Henry, Docoments of liberty David and Charies Abbit England 1971 Page: 35-40)

برطانوی مسودہ حقوق:

انسانی حقوق کے شعور کے ارتقاء کی تاریخ میں دوسرا اہم قدم برطانوی مسودہ حقوق (British Bill of Rights) کی تیاری کو مانا جاتا ہے۔ یہ مسودہ بادشاہوں اور برطانوی پارلیمنٹ کے درمیان طویل کشمکش، مسلسل

جدوجہد اور پیہم ٹکراؤ کا پیش خیمہ تھا۔ اس بل کو ۲۲/ جون ۱۶۸۹ء کو برطانوی پارلیمنٹ سے منظوری حاصل ہوئی تھی۔ اس بل نے شہنشاہ جیمس دوم کے آمرانہ اختیارات اور کلیت پسندانہ انتظامات کو نشانہ بنایا تھا۔ اس نے واضح الفاظ میں بادشاہ کے مطلق العنانیت پر تنقید کیا تھا۔ عوام کے حقوق کو اس میں کھلے لفظوں میں اعتراف کیا گیا تھا۔ اس بل کی رو سے پارلیمان کو مقتدر اعلیٰ کا درجہ دیا گیا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ پارلیمان کی منظوری کے بغیر قوانین کی تنفیذ و تنسیخ غیر قانونی ہوگی۔

یہ مسودہ آگے چل کر حقوق انسانی کی تاریخ کی راہ میں میل کا پتھر ثابت ہوا۔ اس سے جمہوری وعوامی نظام حکومت کا شعور بیدار ہوا۔ برطانوی استعمار کی مار جھیل رہی امریکی عوام کو اپنے حقوق کے لیے جدوجہد کا درس حاصل ہوا۔ اس مسودہ حقوق کے اعلان کے بعد ایک صدی کے اندر اندر امریکیوں نے برطانوی شہنشاہیت سے نجات حاصل کرلیا۔ اسی پر اکتفاء نہیں بلکہ یہ مسودہ حقوق ان کے دستور ملک کا ایک اہم جز بھی قرار پایا۔ اس مسودہ میں دس دفعات شامل تھے۔ اور یہ سب کے سب حقوق انسانی کے تحفظ کی ضمانت دیتے تھے۔ اس کے چند دفعات اس طرح تھے۔

۱- تمام انسان یکساں اور مساوی پیدا کئے گئے ہیں، انہیں پیدائشی طور پر زندگی، آزادی اور مسرت وغم کے حقوق حاصل ہیں۔

۲- حکومت عوام کے حقوق کی حفاظت کے لیے قائم ہوتی ہے اور اپنے اختیارات عوام کی مرضی سے ہی حاصل کرتی ہے۔

۳- غلامی ممنوع ہے اور سیاہ وسفید کی تفریق غلط ہے۔

حقوق انسانی کا فرانسیسی منشور:

حقوق انسانی کے شعور کو آگے بڑھانے میں انقلاب فرانس کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ فرانس میں جب انقلاب کی لہر چل رہی تھی تو وہاں کے دانشوروں اور فلسفیوں نے اسی دوران حقوق انسانی پر مشتمل ایک منشور تیار کیا تھا تاکہ فرانس میں جب جمہوری طرز حکومت قائم ہو اور دستور سازی کی جائے تو اس منشور کو دستور میں شامل کرلیا جائے۔ اس منشور کو Declaration of the rights of man کے نام سے جانا جاتا ہے جو ۱۷۸۹ء میں سامنے آیا۔

اس منشور میں بنیادی حقوق سے متعلق کل سترہ (۱۷) دفعات تھے۔ ان میں قوم کی حاکمیت، آزادی، مساوات اور ملکیت کے فطری حقوق کا اثبات کیا گیا تھا۔ ان میں ووٹ کے حق، قانون سازی اور ٹیکس عائد کرنے کے اختیارات

پر رائے عامہ کے کنٹرول کو ثابت کیا گیا تھا۔ (ملاحظہ ہو: Browlie, Tan Basic docoments on human Rights page-8)

اقوام متحدہ کا عالمی منشور:

مغربی دنیا میں انسانی حقوق کی تاریخ کا آخری اور سنہرا باب اقوام متحدہ کا عالمی منشور ہے۔ یہ انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے کی جانے والی کوششوں کی معراج ہے۔ پہلی بار اہل مغرب نے اتنے جامع، مانع اور مکمل انداز میں حقوق انسانی کی اہمیت و معنویت کو تسلیم کیا۔ دراصل یہ منشور پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں ہونے والے عظیم جانی و مالی نقصانات وخساروں کے حساب و کتاب کا ثمرہ تھا۔

اقوام متحدہ کا یہ عالم گیر منشور ۱۰/ دسمبر ۱۹۴۸ء کو جنرل اسمبلی میں زیر بحث لایا گیا اور اسی دن منظور بھی کر لیا گیا۔ یہ منشور ایک دیباچہ اور تیس دفعات پر مشتمل ہے۔ جن حقوق کو رائے عامہ کے ذریعہ بنیادی حقوق کا درجہ دیا گیا درج ذیل ہیں:

۱- زندگی، آزادی اور تحفظ کا حق	۲- غلامی سے تحفظ کا حق
۳- ظالمانہ سزاؤں سے بچاؤں کا حق	۴- قانونی مساوات کا حق
۵- قانونی امداد حاصل کرنے کا حق	۶- قانون کے سامنے پیش ہونے کا حق
۷- مقدمات میں فریق بننے کا حق	۸- حبس بے جا سے تحفظ کا حق
۹- عدالتوں میں اپنا دفاع کرنے کا حق	۱۰- نجی زندگی میں عدم مداخلت کا حق
۱۱- سکونت و نقل مکانی کا حق	۱۲- غیر سیاسی مجرموں کے علاوہ دیگر ممالک میں جانے کا حق
۱۳- حق قومیت	۱۴- نکاح وطلاق کا حق
۱۵- حصول وانتقال ملکیت کا حق	۱۶- آزادی مذہب کا حق
۱۷- آزادی رائے کا حق	۱۸- پرامن اجتماع منعقد کرنے کا حق
۱۹- سرکاری فرائض وخدمت خلق کرنے کا حق	۲۰- معاشرتی تحفظ (عزت وآبرو کے تحفظ) کا حق
۲۱- روزگار و یونین سازی کا حق	۲۲- حصول رخصت کا حق
۲۳- رہائش کا حق (خوراک، لباس اور علاج وغیرہ کا حق)	۲۴- حصول تعلیم کا حق
۲۵- ثقافتی معاملات وخاندانی مفادات کے حصول کا حق	۲۶- معاشی ترقی میں حصہ لینے کا حق

۲۷- معاشرے کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ ۲۸- معاشرتی و بین الاقوامی ماحول میں بود و باش کا حق لینے کا حق

۲۹- معاشرہ و ملک کے تئیں شخصی ذمہ داریوں کا حق ۳۰- منشور میں دیئے گئے حقوق کی غلط تعبیر نہ کرنے کا حق

انسانی حقوق سنت نبویہ کے آئینے میں

سنت کا معنی و مفہوم:

سنت عربی زبان کا لفظ ہے۔اس کی جمع سنن آتی ہے۔لغت میں سنت اس راستہ کو کہتے ہیں جو متواتر چلنے کی وجہ سے صاف ہو گیا ہو۔اس کو طریقہ معبد سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔سنت کا اطلاق سیرت اور طریقہ پر بھی ہوتا ہے خواہ اچھا ہو یا بُرا۔(لسان العرب:۱۳/ ۲۲۵)

حدیث میں آیا ہے:''من سن سنة حسنه فله أجرها و أجر من عمل بها إلى يوم القيامة، و من سن سنة سيئة فعليه و زرها ووزر من عمل بها إلى يوم القيامة''۔جس نے کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا تو اسے اس کا ثواب ملے گا اور قیامت تک اس پر عمل کرنے والے کا بھی۔اور جس شخص نے کوئی بُرا طریقہ ایجاد کیا تو اس پر اس بُرائی کا گناہ ہوگا اور قیامت تک اس پر عمل کرنے والے کا بھی۔(مسلم:۲۳۵۱)

محدثین کی اصطلاح میں نبی کریم ﷺ سے جو قول، فعل، تقریر، جسمانی یا اخلاقی صفت اور سیرت قبل و ما بعد بعثت منقول ہو اس کو سنت کہتے ہیں۔اس تعریف کے لحاظ سے بعض محدثین کے نزدیک اور سنت دونوں ہم معنی ہیں۔ (قواعد التحدیث، ص:۳۵)

سنت نبویہ میں انسانی حقوق:

انسانی حقوق کے حوالے سے جب ہم اسلام کے دونوں مراجع و مصادر قرآن و حدیث کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حقوق انسانی کا تصور قرآن و سنت کے لیے کوئی نیا، اچھوتا اور نادر تصور نہیں ہے۔مغربی دنیا آج جن حقوق کا راگ الاپ رہی ہے ان کو قرآن کریم نے بہت پہلے بیان کر دیا ہے اور اس کا علان رسول اللہ نے ساڑھے چودہ سو سال قبل کر دیا ہے۔آپ ﷺ نے ذی الحجہ ۱۰ھ مطابق مارچ ۶۳۲ء میں آخری حج ادا کیا۔اس حج کے موقع سے آپ ﷺ نے مختلف وقتوں میں خطاب فرمایا۔یہ خطاب کوئی عام نوعیت کا خطاب نہیں تھا بلکہ قرآن کریم کے ذریعہ بیان کردہ حقوق انسانی اور احکام اسلام کا خلاصہ و نچوڑ تھا۔یہ محض دعویٰ نہیں بلکہ اس کے پیچھے نا قابل انکار حقائق مخفی ہیں۔

آیئے ذیل کی سطور میں ان حقوق کو ملاحظہ کریں، جن کی حفاظت کی ضمانت اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی احادیث مبارکہ اور سنن طیبہ کے اندر دیا ہے۔

۱-تحفظ جان وزندگی کا حق:

انسانی جان کے تحفظ کا مسئلہ بہت اہم اور غیر معمولی ہے۔ بلا کسی مناسب وجہ کہ کسی کو حق زندگی سے محروم کر دینا اور اس کو جان سے مار دینا دنیا کا سب سے بڑا جرم ہے۔ اسلام میں بغیر قصاص کے کسی کو قتل کرنا پوری انسانیت کے قتل کے برابر ہے اور ایک انسان کی جان کو تحفظ فراہم کرنا پوری انسانیت کے جانی تحفظ کے برابر ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے خطبۂ حجۃ الوداع میں انسانی حقوق میں اولیت تحفظ جان وحیات کو دیا اور سب سے پہلے آپ نے حق زندگی کے تحفظ کو واضح کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''إن دماء كم .....حرام عليكم كحرمة يومكم هذا فى شهركم هذا فى بلدكم هذا'' بے شک تمہارے خون.....ایسے ہی قابل احترام ہیں جس طرح تمہارا یہ دن تمہارے اس مہینہ میں اور اس شہر میں محترم ہے۔ (مسلم: ۱۲۱۸)

ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''لزوال الدنيا أهون على الله من قتل مؤمن بغير حق'' دنیا کا خاتمہ کسی مومن کے ناجائز قتل سے اللہ تعالی پر زیادہ ہلکا ہے۔ (ابن ماجہ: ۲۶۱۹ بتصحیح علامہ البانیؒ)

۲-تحفظ مال ودولت کا حق:

جانی تحفظ کے بعد انسان کے لیے سب سے اہم مال کا تحفظ ہے، مال کو غلط اور باطل طریقے سے حاصل کرنا اور اپنے مفاد کے لیے دوسرے کے مال کو غصب کرنا اور اس پر ناجائز قبضہ کرنا اسلام میں جرم عظیم ہے۔ آپ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر جان کے تحفظ کے بعد مال کے تحفظ کو بیان کیا اور اپنے ساتھیوں کو اس کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا: ''إن .....أموالكم حرام عليكم كحرمة يومكم هذا فى شهركم هذا فى بلدكم هذا'' بے شک.....تمہارے مال ایسے قابل احترام ہیں جس طرح تمہارا یہ دن تمہارے اس مہینہ میں اور اس شہر میں محترم ہے۔ (مسلم: ۱۲۱۸) اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا: ''من حلف على يمين فاجرة ليقتطع بها مال إمرأ مسلم لقى الله و عليه غضبان'' جو شخص جھوٹی قسم کھائے تاکہ اس کے ذریعہ کسی مسلمان کے مال پر قبضہ کرے تو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ اس پر ناراض ہوگا۔ (متفق علیہ)

۳-عزت وناموس کی حفاظت کا حق:

ایک انسان کو دوسرے کی عزت وآبرو اور ناموس وشرافت پر کیچڑ اچھالنے اور اس کو داغدار کرنے کا کوئی حق

نہیں ہے۔ یہ انسان کا بنیادی حق ہے عزت و ناموس وہ گوہر گرانمایہ جس کی حفاظت پر اسلام نے بہت زیادہ زور دیا ہے۔ ہتک عزت اور آبروریزی کے جتنی بھی شکلیں ہیں تمام کو اسلام نے ممنوع قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے خطبہ میں فرمایا: ".....وأعراضكم حرام عليكم كحرمة يومكم هذا فى بلدكم هذا فى شهركم هذا' بے شک تمہاری عزتیں تمہارے اوپر ایسے ہی حرام ہیں جس طرح تمہارا یہ دن تمہارے اس شہر میں اور اس مہینہ میں حرام ہے۔ (بخاری:۶۴۰۶، مسلم:۱۶۷۹)

۴-حقوق نسواں:

مغربی ذرائع ابلاغ اور مغرب زدہ افراد کی طرف سے مسلسل یہ پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے کہ اسلام میں عورتوں کو ان کے بنیادی حقوق سے محروم کردیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ محض جھوٹ ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اسلام نے خواتین کو جو حقوق عنایت کئے ہیں وہ انہیں کسی دوسرے مذہب نے نہیں دیا ہے۔ آپ ﷺ نے خطبہ مذکورہ میں اپنے صحابہ کرام کو خواتین کے بارے میں خاص حکم دیتے ہوئے فرمایا: ''فاتقوالله فى النساء فإنكم أخذتموهم بأمان الله واستحللتم فروجهم بكلمة الله ''عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو کیونکہ تم نے انہیں امانت کے طور پر کیا ہے اور تم نے اللہ کے کلمہ کے ذریعہ ان کے شرمگاہوں کو حلال کیا ہے۔ (مسلم:۱۲۱۸)

ایک دوسرے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: استوصوا بالنساء خيرا فإن المرأة خلقت من ضلع وإن أعوج مافى الضلع أعلاه فإن ذهبت تقيمه كسرته وإن تركت لم يزل أعوج فاستوصوا بالنساء ''عورتوں کے متعلق اچھے سلوک کی میری وصیت قبول کرو، بے شک عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی میں سب سے ٹیڑھی ہڈی اوپر والی ہے، اگر تم اس کو سیدھا کرنا چاہو گے تو اسے توڑ دو گے اور اگر چھوڑ دو گے تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی۔ لہذا عورتوں کے ساتھ بہتر برتاؤ کرو۔ (بخاری:۵۱۵۸، مسلم:۱۴۶۸)

۵-حقوق مساوات:

اسلام میں رنگ، نسل، زبان، خاندان، قبیلہ اور قوم کے لحاظ سے کسی کو شرف و امتیاز حاصل نہیں ہے۔ بلکہ اسلام کی نگاہ میں ایمان لانے کے بعد تمام انسان یکساں و برابر ہیں۔ اگر کسی کو فضیلت و برتری حاصل ہے تو صرف تقوی اور پرہیزگاری کی بنیاد پر۔ آپ ﷺ نے میدان عرفات میں برسر عام اعلان کیا: ''يأيها الناس إن ربكم واحد وإن أباكم واحد ألا لا فضل لعربى على عجمى ولا لعجمى على عربى ولا لأحمر على أسود ولا لأسود على أحمر إلا بالتقوى'' اے لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک

ہے۔خبردار! کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں۔اور نہ کسی گورے کو کالے پر اور نہ کسی کالے کو گورے پر فضیلت ہے سوائے تقویٰ اور پرہیزگاری کے (مسند احمد: ج۴،ص:۴۱۶،سلسلہ صحیحہ للألبانیؒ ۲۷۰۰)۔علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے:

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

۶-غلاموں اور کمزوروں کے حقوق:

سماج و معاشرہ میں ہمدردی وغمگساری کے قابل کمزور طبقہ کے لوگ ہوتے ہیں۔عام طور سے کمزوروں کے حقوق سے چشم پوشی برتی جاتی ہے۔ان کے جائز حقوق تک سلب کر لئے جاتے ہیں۔اور ان کو ظلم وستم کا نشانہ بھی بنایا جاتا ہے لیکن اسلام نے ایسے لوگوں کا خاص خیال رکھا ہے اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید کیا ہے۔آپ ﷺ نے خطبۂ حجۃ الوداع میں فرمایا:''غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا، جو کھاؤ انہیں کھلانا، جو پہنو انہیں پہنانا، اگر ان سے کوئی ایسی غلطی سرزد ہو جائے جو نا قابل معافی ہو تو انہیں فروخت کر دینا۔(مسند احمد: ج۴،ص:۳۶) آپ ﷺ جب دشمنوں سے مقابلہ کے لیے فوجیں روانہ کرتے تھے تو فوجیوں کو ہدایت دیتے تھے کہ دشمن پر حملہ کی صورت میں کسی عورت، بچہ، بوڑھا، زخمی اور بیمار پر حملہ نہ کیا جائے۔

۷-قانونی مساوات کا حق:

عربوں میں عام رواج تھا کہ ایک شخص کے جرم کے پاداش میں اس کے کسی رشتہ دار کو پکڑ لیا جاتا تھا اور اس سے اس کے نا کردہ گناہ کا انتقام لیا جاتا تھا۔بسا اوقات اسے تہ تیغ کر دیا جاتا تھا۔مگر جب اسلام آیا تو آپ ﷺ نے جرم وسزا کا ایک بہترین اصول بنایا اور خطبہ حجۃ الوداع میں اس کا اعلان ان لفظوں میں فرمایا:''ألا لا یجنی جان إلا علی نفسه''خبردار! ہر مجرم اپنے جرم کا خود ذمہ دار ہے۔(ابن ماجہ:۳۰۵۵، بتصحیح للألبانی) قرآن نے بھی اسی قانون کو بیان فرمایا تھا﴿لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔(الاسراء:۱۵) رسول اللہ ﷺ نے قانون کی نگاہ میں تمام انسانوں کو مساوی قرار دیا۔جرم چاہے قوی کرے یا کمزور اسے سزا ملے گی۔آپ ﷺ نے فرمایا:''لو أن فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت یدها'' (بخاری:۶۷۸۷)

فاطمہ بنت محمد بھی اگر چوری کرے
عدل کا دستور ہے کہ ہاتھ کاٹا جائے گا

۸-حقوق زوجین کا تحفظ:

ازدواجی زندگی میں جس طرح خاوند کے حقوق بیوی کے اوپر عائد ہوتے ہیں اسی طرح سے خاوند پر بیوی کے حقوق عائد ہوتے ہیں۔آپ ﷺ نے اپنے خطبہ مذکورہ میں اس کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا:''ولكم إليهن أن لا يؤطئن فرشكم أحدا تكرهونه فإن فعلن ذلك فاضربوهن ضربا غير مبرح ولهن عليكم رزقهن و كسوتهن بالمعروف''تمہارا ان پر حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جنہیں تم ناپسند کرو اگر وہ ایسا کریں تو تم انہیں ہلکا مار سکتے ہو اور ان کا تمہارے اوپر حق یہ ہے کہ تم دستور کے مطابق انہیں رزق اور لباس مہیا کرو۔(مسلم:۱۲۱۸)

۹-حقوق والدین واولاد کا تحفظ:

اولاد کے اوپر والدین کے حقوق ہیں اسی طرح والدین پر اولاد کے حقوق ہیں۔آپ ﷺ نے ان دونوں کے حقوق کے متعلق بیان فرمایا:''لا يجنى والد على ولده ولا مولود على والده''کوئی والد اپنی اولاد پر اور کوئی اولاد اپنے والد پر ظلم وزیادتی نہ کریں۔(ابن ماجہ بتصحیح البانیؒ:۳۰۵۵)

۱۰-نجی زندگی میں عدم مداخلت کا حق:

اسلام نے انسان کو اپنی ذاتی زندگی اور پرائیویٹ معاملے کو محفوظ رکھنے کا حق دیا ہے۔کسی کے پیچھے پڑھنے اور اس کی ٹوہ میں لگنے سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔اس بابت آپ ﷺ نے فرمایا:''ولا تجسسوا''کسی کی ٹوہ میں مت پڑو۔(بخاری:۶۰۶۶)

۱۱-اظہار رائے کا حق:

اسلام میں بُرائی کے خلاف آواز بلند کرنے،حق بات کو بیان کرنے اور سچی بات ظاہر کرنے پر کوئی قدغن نہیں لگایا ہے۔بلکہ سماج ومعاشرہ کے فلاح وبہبود کے بارے میں اظہار رائے کی پوری آزادی دیا ہے۔اور ایسا کرنے کو اول درجہ کا ایمان قرار دیا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا:''من راى منكم منكرا فليغيره بيده ومن لم يستطع فبلسانه و من لم يستطع فبقلبه و ذلك أضعف الإيمان''تم میں سے جو کسی بُرائی کو دیکھے تو چاہئے کہ وہ اس کو اپنے ہاتھ سے روکے۔اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اس کو زبان سے روکے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو اس کو

دل سے بُرا جانے۔اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے۔(مسلم:۴۹،ابوداؤد:۱۱۴۰)ایک حدیث میں آپ ﷺ نے حق بات کو ظاہر کرنا سب سے بڑا جہاد قرار دیا ہے۔فرمایا:''افضل الجهاد كلمة الحق عند سلطان جائر'' (ابوداؤد:۴۳۴۴)

۱۲-اقلیتوں کے حقوق:

مسلم سماج میں رہنے والے غیر مسلم افراد جو معمولی جزیہ اور ٹیکس ادا کرتے ہیں اسلام نے اس کے بدلے میں ان کے جانی و مالی تحفظ کو یقینی بنایا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا:''من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنة و إن ريحها ليوجد من مسيرة أربعين عاما''جس نے کسی معاہد کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو نہیں پائے گا حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت تک ہوگی۔(بخاری،کتاب الدیات)

۱۳-آزادی مذہب کا حق:

مذہب اسلام میں داخل ہونے کے لیے کسی انسان کے اوپر شریعت کی جانب سے کوئی زور زبردستی اور جبر واکراہ نہیں ہے۔بلکہ انسان کو اختیار حاصل ہے کہ وہ جس مذہب کو چاہے اختیار کرے۔چنانچہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''لا إكراه فى الدين''دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔(سورۃ بقرۃ:۲۵۶)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:قبیلہ بنوسالم کا ایک شخص حسین نامی تھا جو مسلمان ہوگیا تھا،اس کے دو لڑکے نصرانی تھے اس نے نبی ﷺ کی خدمت میں ایک بار عرض کیا مجھے اجازت دی جائے کہ میں ان لڑکوں کو جبرا مسلمان بنالوں،وہ عیسائیت سے ہٹتے نہیں۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔(تفسیر ابن کثیر جلد اول:۹)اور نبی ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا:''اتركوهم وما يدينون''ان کو ان کے مذہب پر چھوڑ دو۔(بدائع الصنائع: جلد/۷، ص:۱۰۰)

۱۴-حصول تعلیم کا حق:

مذہب اسلام میں انسان کو تعلیم حاصل کرنا حق ہی نہیں بلکہ ان کا ایک فریضہ بھی ہے۔ہر شخص کو تعلیم حاصل کرنے میں چاہے دینی تعلیم ہو یا عصری پوری آزادی حاصل ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا:''طلب العلم فريضة على كل مسلم''(ابن ماجہ:۲۲۴)اور ایک روایت میں ہے:'' من سلك طريقا يلتمس فيه علما سهل الله له طريقا إلى الجنة''جو علم کی تلاش میں چلتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ ہموار کر دیتا ہے۔(مسلم)

۱۵-نکاح وطلاق کا حق:

اسلام میں مرد عورت کے درمیان پاکیزہ رشتہ قائم کرنے کے لیے نکاح کو مشروع قرار دیا گیا ہے۔اور ہر مرد اور عورت کو ازدواجی زندگی سے لطف اندوز ہونے کا حق دیا گیا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا:''یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج ''اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو شادی کرنے کی قدرت رکھتا ہو چاہئے کہ وہ شادی کرے۔(بخاری: ۶۶۰۰) مگر ازدواجی زندگی جب ناخوشگوار ومکدر ہوجائے تو مرد کو عورت سے علیحدگی حاصل کرنے کے لیے طلاق کا حق دیا گیا ہے۔عبداللہ ابن عمر روایت کرتے ہیں: آپ ﷺ نے فرمایا: ''أبغض الحلال إلی الله الطلاق'' تمام حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسند طلاق ہے۔(ابوداؤد: ۲۱۸۷) اور عورت کو بھی ناگزیر حالت میں شوہر سے خلوخلاصی حاصل کرنے کے لیے خلع کا حق دیا گیا ہے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:''خیرنا رسول الله ﷺ فاخترناہ''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اختیار دیا تو ہم نے آپ کو اختیار کیا۔(مسلم: ۱۴۷۷)

عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں ثابت بن قیس کی بیوی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی، اے اللہ کے رسول! مجھے ثابت کے اخلاق اور دین کے لحاظ سے کوئی شکایت نہیں لیکن میں اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں۔آپ ﷺ نے فرمایا:''اتر دین علیه حدیقته؟'' کیا تم اس کا باغ واپس کردوگی؟ اس نے کہا جی ہاں۔ آپ ﷺ نے ثابت سے فرمایا:''اقبل الحدیقة و طلقها تطلیقا''باغ لے لو اور اسے طلاق دے دو''(بخاری کتاب الطلاق)

۱۶-معاشرہ وملک کے تین شخصی ذمہ داریوں کا حق:

ہر انسان اسلام میں اپنے معاشرہ وسوسائٹی اور ملک وملت کے تئیں ذمہ دار ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا:''کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته، فالإمام راع وهو مسئول عن رعیته، والرجل راع فی أهله وهو مسئول عن رعیته، والمرأة راعیة فی بیت زوجها وهو مسؤلة عن رعیتها ..... فکلکم راع و کلکم مسؤل عن رعیته''تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر شخص سے اس کی ذمہ داری کے متعلق پوچھ گچھ ہوگی۔لہذا وقت کا حکمراں ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں سوال کیا

جائے گا۔ اور آدمی اپنے گھر والوں کا ذمہ دار ہے اور اس سے بھی اس کی ذمہ داری کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ اور عورت اپنے خاوند کے گھر میں ذمہ دار ہے اور اس سے بھی اس کی ذمہ داری کے بارے میں پوچھا جائے گا..... سو تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر شخص سے اس کی ذمہ داری کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ (بخاری: ۸۹۳، مسلم: ۱۸۲۹)

خاتمہ:

اقوام متحدہ کے عالمی منشور اور اسلام کے عالمی منشور کے تجزیہ سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حقوق انسانی کا اعلان اس وقت کیا جب مغربی دنیا حقوق کے نام سے نا آشنا تھی اور مغربی ممالک نے انھیں حقوق کا اعتراف کیا جن کا تصور اسلام نے پیش کیا تھا۔ اور ان حقوق کو اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں نافذ بھی کیا گیا، جس کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں، جن کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ جب کہ اقوام متحدہ نے جن حقوق کا اعتراف کیا وہ صرف کاغذی دستاویز ثابت ہوئے۔ نہ ان کو قوت نافذہ کی پشت پناہی حاصل ہے اور نہ ان پر عمل درآمد ہے۔

آج انسانی حقوق کی پامالی سب سے زیادہ اس کے علمبردار ممالک ہی کر رہے ہیں۔ ایک خاص مذہب اور اس کے ماننے والوں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ ان کے حقوق غصب کئے جا رہے ہیں، ان کی عزت و ناموس سے کھلواڑ کیا جا رہا ہے، ان کے اموال پر ڈاکے جا رہے ہیں اور ان کے ملک کو تخت و تاراج کیا جا رہا ہے، مگر اقوام متحدہ، اس کی ایجنسیاں اور تنظیمیں خاموش تماشائی بنی ہوئی ہیں۔ ہر سال ۱۰/ دسمبر کو پوری دنیا میں انسانی حقوق کا دن بڑے زور و شور سے منایا جاتا ہے، مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا صرف انسانی حقوق کا دن منانے سے حقوق کی بحالی ہو جائے گی؟ ہرگز نہیں!!! بلکہ ضرورت ہے کہ حقوق انسانی کی قرارداد میں شامل حقوق کے تحفظ کے لیے ٹھوس کاروائیاں کی جائیں، اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سخت سے سخت سزائیں دی جائیں اور حقوق انسانی کمیشن کو خود مختار و فعال ادارہ بنایا جائے تب جا کر اقوام متحدہ کے عالمی منشور کا مقصد پورا ہوگا۔

☆☆☆

نظام احتساب: سنت نبوی کی روشنی میں

مولانا عبدالمبین ندوی
استاذ جامعہ ریاض العلوم، دہلی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿ ولتكن منكم امة يدعون إلى الخير و يأمرون بالمعروف و ينهون عن المنكر و اولئك هم المفلحون﴾ [آل عمران: ١٠٤]

تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف بلائے اور بُرے کاموں سے روکے یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ دوسری جگہ اللہ ارشاد ہے:﴿إن الله يأمركم أن تؤدوا الامٰنت إلى أهلها و إذا حكمتم بين الناس أن تحكموا بالعدل إن الله نعما يعظكم به إن الله كان سميعام بصيرا﴾ [النساء: ٥٨]

اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں پہنچا دو اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل و انصاف سے فیصلہ کرو، یقیناً وہ بہتر چیز ہے جس کی نصیحت تمہیں اللہ کر رہا ہے۔

احتساب کی تعریف:

موضوع پر بحث کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ احتساب کا معنی متعین کرلیا جائے۔

احتساب کا لغوی معنی:

لسان العرب کے مطابق احتساب ''حسب'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی گننا اور شمار کرنا (یعنی جو شخص اپنے عمل کے ذریعہ اللہ سے نیکی کی نیت رکھے) [1]

اور مطلق احتساب سے لغت میں مختلف معنی مراد ہیں:

۱-اللہ سے اجر طلب کرنا ۲-انکار ۳-تدبیر ۴-حسب احتساب کا اسم حساب ہے

احتساب اصطلاح میں:

معروف (نیکی) کا حکم دینا جب نیکی کا ترک عام ہوجائے اور منکر سے روکنا جب اس کا صدور اور ظہور ہو، اس سے معلوم ہوا کہ لفظ احتساب سے مراد ''الامر بالمعروف والنهى عن المنكر'' ہے۔ اور ''معروف'' وہ اسم

[1] لسان العرب

جامع ہے جو عقائد حسنہ اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ کو شامل ہے اور بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ہر وہ فعل جس کو عقل و شرع میں اچھا کہا جائے اور معروف ہی سے ایمان باللہ، ایمان بالرسول، ایمان بالملائکہ کا تعلق ہے، نیز یوم آخرت، تقدیر کے خیر وشر، پنج وقتہ فرض نمازیں، زکوۃ، روزہ، حج، وفائے عہد، ادائیگی امانت، صلہ رحمی، برالوالدین، تعاون علی البر والتقوی معروف ہی کے معنی میں آتے ہیں۔[۱]

بعثت نبوی اور احتساب کا تصور

احتساب کا معنی متعین کرنے کے بعد ہم نظر ڈالتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی سنت کے ذریعہ کیسا نظام احتساب قائم کیا۔ چنانچہ بعثت نبوی اور ظہور اسلام کے زمانے پر نگاہ ڈالتے ہی یہ پتہ چلتا ہے کہ تمام عرب اور پوری دنیا میں وحشت و جہالت کا دور دورہ تھا، اچھائی و برائی اور حق و ناحق کی تمیز معدوم تھی، اگر کسی نظام سلطنت اور نظام احتساب کا ذکر آتا تو صرف ایرانی و رومی تاریخ وتمدن میں اور اس کا تصور عربوں کے ذہن سے بالاتر تھا، قبل بعثت نبوی شخصی حکمرانی تھی، عدل و انصاف مفقود تھا، طاقت ور کمزور کو جینے کا حق نہیں دیتا اور نہ ہی کسی بدعنوانی پر کوئی مواخذہ ومحاسبہ تھا۔ ایسے حالات و ماحول میں نبی کریم ﷺ نے جو نظام احتساب اور جواب دہی کا اصول قائم کیا اس کے لیے صرف یہی کافی نہ تھا کہ عرب کی قدیم جہالت کو مٹا کر اسلامی احکام نافذ فرماتے، بلکہ سب سے زیادہ ضروری یہ تھا کہ نہ صرف عرب بلکہ پوری دنیا کو بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ واحد کا بندہ بنایا جائے، اور ان کو باور کرایا جائے کہ قانون الٰہی تمام قوانین انسانی سے بالاتر ہے۔ جس میں ہر ایک کے حقوق کی ادائیگی ہو، معروف کا حکم ہو، منکر سے روکا جائے، اس لیے شارع اسلام نے جو نظام احتساب قائم کیا وہ ایک ایسا صاف ستھرا معاشرہ تھا جس میں محاسبۂ عمل کے ساتھ امن وامان، خیر و برکت، نصح و خیر خواہی، محبت و مودت، تعاون علی البر والتقویٰ، امر بالمعروف والنھی عن المنکر پر مبنی تھا۔ جس میں کوئی فرد کسی کا حق پامال نہ کرے نہ اس پر کسی طرح کی ظلم و زیادتی ہو بلکہ باہم شیر وشکر ہو کر زندگی گذاریں۔ ان میں جو حکمرانی کے مناصب پر فائز ہوں ان کی ذمہ داری ہے کہ ماتحت کے ساتھ عدل وانصاف کا برتاؤ کریں، اور عوام کا فرض ہے کہ ان کی اطاعت کریں، نبی کریم ﷺ نے ایک حدیث میں اس کی وضاحت یوں فرمائی ہے: ''الدین النصیحة قال لمن یا رسول الله قال: لله ولکتابه و لرسوله و لائمة المسلمین وعامتهم''۔[۲]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دین خیر خواہی کا نام ہے صحابہ نے فرمایا کس کے لیے یا رسول اللہ، آپ نے فرمایا اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول کے لیے، مسلمانوں کے حکمرانوں اور عوام کے لیے۔

---

[۱] الأمر بالمعروف والنھی عن المنکر از علامہ ابن تیمیہؒ ص: ۱۵-۱۶ [۲] صحیح بخاری ومسلم

احتساب میں حاکم ومحکوم برابر

چنانچہ آپ نے اپنی زندگی میں ایسے عادلانہ نظام احتساب کی بنیاد ڈالی جس میں ہر شخص ایک طرح سے خود ہی حاکم اور خود ہی محکوم تھا، بالفاظ دیگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے جو نظام احتساب قائم کیا اس میں ہر شخص اپنی جگہ پر اپنی رعایا کا نگراں وحاکم تھا، شوہر اپنے اہل وعیال کا، بیوی شوہر کے گھر کی، استاذ اپنے شاگردوں کا، آقا اپنے خادموں کا، خادم اپنے متعلقہ کاموں کا یہی مطلب آپ کے اس ارشاد مبارک سے واضح ہوتا ہے:

كلكم راعٍ و كلكم مسئول عن رعيته فالإمام الذى على الناس راع وهو مسئول عن رعيته، المرأة راعية فى بيت زوجها وهى مسئولة عن رعيتها، والولد راع فى مال أبيه وهو مسئول عن رعيته، والعبد راع فى مال سيده وهو مسئول عن رعيته۔ [1]

ایک اور روایت میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''ما من راع يسترعيه الله رعية يموت يوم يموت وهو غاش لها إلا حرم الله عليه رائحة الجنة''۔ [2]

امام ابومسلم الخولانی امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے دربار میں تشریف لے گیے تو کہا: ''السلام عليكم أيها الأجير فقالوا قل السلام عليكم أيها الأمير فقال: السلام عليكم أيهاالأجير'' (کہا! السلام علیکم اے مزدور! تو درباریوں نے کہا کہ کہیے السلام علیکم اے امیر) اس طرح چار مرتبہ دہرایا تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ انھیں چھوڑ دو ابومسلم جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ زیادہ جانتے ہیں، امام نے کہا آپ صرف ایک چرواہا ہیں اپنی ریوڑ کے، اگر ان کی اچھی دیکھ بھال کرتے ہیں ان کی بیماریوں کا علاج کرتے ہیں تو ٹھیک ہے اس کے مالک سے اجر کے مستحق ہیں اور اگر نہیں کرتے ہیں تو ریوڑ کا مالک آپ کو سزا دے گا۔ [3]

امر بالمعروف والنھی عن المنکر اور محکمۂ احتساب کا قیام

نظام احتساب کا یہ مرکزی محور ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کے ذریعہ کسی بھی ریاست کے نظم ونسق کو صحیح ڈھنگ سے چلایا جاسکتا ہے جس میں امر بالمعروف کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ دنیاوی معاملات کی درستگی اسی پر موقوف ہے۔ اس کی اسی اہمیت کی وجہ سے اسلامی مملکت کی ذمہ داری قرار دی گئی ہے کہ وہ اپنے یہاں ایک ایسا محکمہ قائم کرے جو معاشرہ کی سلامت روی کی جانچ کرتا رہے۔ معاشرہ کے جس فرد یا طبقہ میں دینی معاملہ میں کوتاہی دیکھے، تو بروقت اس سے متنبہ کرے، اور اصلاح کی کوشش کرے، محکمۂ احتساب اسلامی مملکت کا ایک اہم شعبہ ہوتا ہے جو اس کے مزاج اور

[1] صحیح بخاری ومسلم [2] رواہ مسلم [3] السیاسیۃ الشرعیہ، ص: ۱۰-۱۲

ہدف سے پوری طرح ہم آہنگ ہوتا ہے۔ علامہ ابن خلدون ضرورت احتساب پر لکھتے ہیں: کہ ''احتساب'' ''امر بالمعروف والنھی عن المنکر'' کے سلسلے کی ایک دینی ذمہ داری ہے یہ مسلمانوں کے سر براہ پر فرض ہے۔ اس کے لیے اپنے مددگار رکھے، منکرات کے بارے میں چھان بین کرتا رہے، حسب ضرورت ان کی تادیب کرے، محکمۂ احتساب کی ذمہ داری کا خلاصہ یہ ہے:

۱- دینی واخلاقی اصلاح: جیسے لوگوں کو نماز کا حکم دینا، امام ومؤذن کی نگرانی غیر شرعی حرکتوں پر گرفت۔

۲- ایسے معاملات میں اقدام جو عدالت کے دارۂ کار سے باہر ہو، جیسے ناپ تول میں کمی، کاروبار میں دھوکہ، اشیائے خوردنی میں ملاوٹ، غیر شرعی امور کی خلاف ورزی نیز ذخیرہ اندوزی۔

۳- مصالحہ عامہ کی نگرانی جیسے آبادی میں پانی کا مناسب انتظام، مسافروں کے لیے سہولیات کی فراہمی وغیرہ۔

اس سلسلے میں مختلف انتظامی مناصب پر باصلاحیت افراد کی تقرری سے عہد نبوی میں اس شعبہ کو مضبوط انتظامی ڈھانچہ مل گیا جن کی کڑی نگرانی سے معاملات میں بہتری آئی۔ جس کا خوشگوار نتیجہ یہ تھا کہ ریاست کے معمولات جس طرح رسول اللہ ﷺ کی دارالحکومت کی موجودگی میں چلتے تھے اسی طرح مدینہ سے باہر رہنے کی صورت میں بھی حسب معمول جاری رہتے تھے، رسول اللہ ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ جب آپ مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تو اپنا نائب مقرر فرمادیتے تاکہ نظم ونسق میں کوئی بدنظمی یا خلل واقع نہ ہو، رسول اللہ ﷺ کی نیابت کا حق مختلف اوقات میں مختلف صحابہ کو ملتا رہا، مثلاً: ابن ام مکتوم کو رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر، غزوۂ احد، غزوۂ خندق وغزوۂ بنی قریظہ کے مواقع پر مدینہ میں متعین فرمایا تھا۔ [۱] اسی طرح عبداللہ بن ابی السرح العامری (کاتب وحی) حضرت ابی بن کعب، عبداللہ بن مسعود، عقبہ بن عامر حذیفہ بن الیمان وغیرہ بھی رسول اللہ ﷺ کے نائبین تھے ان میں بیشتر حضرات معمر تجربہ کار تربیت یافتہ مہاجرین میں سے تھے۔ [۲]

مرکزی دفتر:

آیئے شعبۂ احتساب پر نظر ڈالنے سے پہلے ایک نگاہ ان شعبۂ جات پر ڈالتے ہیں جن کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ معاشرے کا نظم ونسق چلاتے تھے، چنانچہ یہ بات واضح ہے کہ کسی بھی نظم ونسق کو چلانے کے لیے افراد کے علاوہ ایک سکریٹریٹ یا مرکزی دفتر کی کس قدر ضرورت واہمیت ہوتی ہے، خواہ اس کی شکل کچھ بھی ہو، چنانچہ رسول اللہ ﷺ

[۱] سیرت ابن ہشام، ج:۲،ص: ۲۴۸، ۲۶۳ [۲] سیرت ابن ہشام، ج:۲،ص:۲۳۱

کے زمانے میں مرکزی دفتر کی وہ شکل تو نہیں تھی جو بعد کے ادوار میں متشکل ہوئی، البتہ اتنا ضرور تھا کہ علاحدہ علاحدہ امور کے لیے الگ الگ افراد ذمہ دار بنائے جاتے تھے اور وہ متعلقہ شعبہ کا ریکارڈ رکھتے تھے۔ جو علاحدہ شعبۂ جات قائم تھے ان میں شعبۂ احتساب کے علاوہ چند اہم و بنیادی شعبہ یہ تھے:

۱-شعبہ خاص:

یہ شعبہ رسول اللہ ﷺ کی مصروفیات ذاتی و نجی معاملات، آپ ﷺ کی ذاتی اشیاء کی نگرانی، اسفار و سواری کا انتظام، خفیہ خبریں پہنچانے کے انتظام، ذاتی اخراجات، ازواج مطہرات کی حفاظت و دیکھ بھال، کسی خبر کی منادی وغیرہ کا کام دیکھتا تھا۔

۲-اجراء احکام و فرامین سلطنت/حکومت:

ہر قسم کے فرامین مردم شماری، محصلین زکوۃ کے لیے تحریری فرامین کا اجرا آنحضور اور اہل عرب کے مابین خط و کتابت، لین دین کے معاملات، اموال صدقات اور کھجور کے باغات کی آمدنی کی دیکھ بھال اسی شعبہ کے ذمہ تھا۔

۳-امور داخلہ:

استقبال و مہمان نوازی، جاسوسی، شرطہ وغیرہ کا انتظام اسی شعبہ کے تحت آتا تھا۔ [۱]

۴-امور خارجہ:

آنحضور ﷺ کی کوشش صرف داخلی امن و امان کے قیام، نظامِ عدل کے فروغ اور فتنہ و فساد کے دفاع تک ہی محدود نہ تھی، بلکہ آپ کی کاوشیں تمام انسانوں کی فلاح و نجات کے لیے ہیں، آپ نے داخلی و خارجی سطح پر چھوٹی و بڑی طاقتوں بادشاہوں رؤساء و امراء سے روابط اسی شعبہ کے ذریعہ پیدا کئے، انھیں دین حق کی دعوت دی، خط و کتابت کے ذریعہ انھیں امن و سلامتی کا پیغام بھیجا، بعد ہجرت بنوضمرہ، جہینہ، نجاشی کے خطوط سے تبادلہ ہوا، ہرقل کے نام خطوط لکھے اس کے لیے عبداللہ بن ارقم مامور تھے رسول اللہ ﷺ کی ان سرگرمیوں کا تعلق اسی امور خارجہ سے تھا۔ [۲]

۵-شعبہ مالیات:

آپ کے پیش نظر ایک ایسے معاشرے کا قیام تھا جہاں اچھائیاں فروغ پائیں اور برائیوں کا استیصال ہو:

﴿الذین ان مکنٰھم فی الأرض أقاموا الصلوۃ وأٰتوا الزکوۃ﴾ [الحج: ٤١]

لوگوں کے حقوق محفوظ ہوں، معاشی ظلم و ناانصافی کا خاتمہ ہو، اور یہ سب کام بغیر مالی فنڈ کے ممکن نہیں، اس کے

---

[۱] نقوش رسول نمبر، ج:۵، ص:۲۰۴، دسمبر ۱۹۸۳ء [۲] نقوش رسول نمبر، ج:۵، ص:۲۰۴، دسمبر ۱۹۸۳ء

لیے باقاعدہ صیغۂ محاصل قائم تھا جو ریاست کی آمدنی وخرچ کا حساب کتاب رکھتا، صدقات وزکوۃ کی وصولی، اموال غنیمت کی تقسیم، (اس کا الگ ریکارڈ رکھا جاتا تھا) اسی شعبہ کے ذمہ تھا، اس کے آفیسر زبیر بن العوام اور الجہم ابن الصلت تھے، یہ نہایت اہم شعبہ تھا۔[۱]

محتسب احتساب کیسے کرے؟

اس سلسلے میں علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: ''فلا بد من هذه الثلاثة العلم والرفق والصبر، العلم قبل الأمر والنهي، والرفق معه، والصبر بعده و إن كان كل من الثلاثة لا بد أن يكون مستصحبا في هذه الأحوال'' [۲]

احتساب کے لیے علم، نرمی اور صبر کی ضرورت ہوتی ہے، علم امر ونہی سے پہلے اور نرمی اس کے ساتھ معاملہ کرنے کے وقت، اور صبر معاملہ کے بعد اور ان تینوں صفات کا ایک ساتھ ہونا محتسب کے لیے ضروری ہے''۔

صفات محتسب میں یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مخلص ہو اور علم وحکمت سے آراستہ ہو اور نرمی وبردباری اختیار کرے، اور جو شخص یہ امور انجام دے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ مسلمان ہو، اور ذمہ دار ہو اور اس کے کرنے کی استطاعت رکھتا ہو، جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ''ينبغي لمن يأمر فيما ينهى عنه، رفيقا فيما يأمر به رفيقا فيما ينهى عنه، حليما فيما يأمر به و حليما فيما ينهى عنه،" قال تعال: ﴿وأمر بالمعروف وانه عن المنكر واصبر على ما أصابك﴾ [لقمان: ۱۷]

شعبہ احتساب اور سنت نبوی

یہ عہد نبوی کا نہایت اہم شعبہ تھا اس کی نگرانی براہ راست خود رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے۔ آپ کے روبرو اہم مقدمات ومعاملات پیش کیے جاتے جس پر آپ ﷺ غور فرماتے پھر فیصلے صادر فرماتے، اس کے تحت عام لوگوں کے اخلاق کی نگرانی، عمال کی تربیت، ان کا محاسبہ نیز تجارتی بدعنوانی کا انسداد شامل تھا، عوام الناس کے اخلاق کی نگرانی کا کام اسی شعبہ کے ذریعہ ہوتا تھا، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: ﴿الذين إن مكنٰهم في الأرض أقاموا الصلوة وأتوا الزكوة وامروا بالمعروف ونهوا عن المنكر﴾ [الحج: ٤١]

اگر ہم ان کو زمین میں اقتدار دے دیں تو یہ نماز قائم کریں گے اور زکوۃ دیں گے اور لوگوں کو اچھائیوں کا حکم دیں گے اور برائیوں سے روکیں گے۔

---

[۱] الاستقامۃ، ج:۲، ۲۳۳ [۲] مجموع فتاوی شیخ الاسلام، ج:۱۵، ص:۱۶۹

دنیاوی معاملات کی درستگی اسی امر بالمعروف (احتساب) پر موقوف ہے، جو معاشرے کے لیے بریک کے مانند ہے اگر خوف احتساب نہ ہوتو پورے معاشرے کا نظم ونسق درہم برہم ہوجائے، اس کی مثال اس گاڑی کی سی ہے جس کا بریک فیل ہوجائے اور وہ کہیں بھی کھڈ میں جا گرے، اور امت مسلمہ کو اسی کام پر مامور کیا گیا ہے، بقول علامہ ابن تیمیہ ''انسانوں کے معاملات اسی صورت میں درست رہ سکتے ہیں جب انھیں معروف کا حکم دیا جائے اور منکر سے روکا جائے، اور دنیاوی سدھار اسی پر موقوف ہے۔'' [1]

چنانچہ رسول اللہ ﷺ عام طور پر لوگوں کے اخلاق اور فرائض مذہبی کے متعلق وقتاً فوقتاً محاسبہ ودارو گیر فرماتے رہتے اور ساتھ ہی اس چیز کی طرف توجہ دلاتے کہ وہ احکام خداوندی کی پوری پابندی کریں چنانچہ اسلام کی بنیاد واصولی تعلیم وتربیت کے لیے رسول اللہ ﷺ نے تمام قبائل سے کہا کہ ان میں سے ہر قبیلہ کے کچھ لوگوں کو منتخب کر کے مدینہ بھیجیں اس میں اللہ کے اس حکم کی تعمیل تھی: ﴿فلو لا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا فى الدين ولينذروا قومهم إذا رجعوا إليهم﴾ [التوبة: ۱۲۲]

جہاں تک عمال کی تربیت اور ان کے محاسبہ کا تعلق ہے تو اس کے دو پہلو کیے جاسکتے ہیں ایک تو یہ کہ جن لوگوں کو کوئی اہم ذمہ داری سونپی جاتی مثلاً صدقہ وزکوۃ کی ذمہ داری کے لیے بھیجا جاتا ان سے رسول اللہ ﷺ اس بات کی پوچھ گچھ کرتے کہ کہیں وصولی میں انھوں نے بے جا ظلم وزیادتی یا ناجائز طریقہ تو نہیں اختیار کیا ہے۔

چنانچہ مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے ابن اللتیہ کو بنوسلیم کے صدقات پر عامل بنا کر بھیجا جب وصول کر کے واپس آئے تو دو قسم کا مال رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ کہہ کر رکھ دیا کہ یہ مال مسلمانوں کا ہے اور یہ مال مجھ کو تحفتہ ملا ہے، اس پر آپ نے فرمایا کہ گھر بیٹھے تم کو یہ ہدیہ کیوں نہ ملا؟ اس کے بعد آپ ﷺ نے ایک خطبہ میں اس قسم کے لین دین کی ممانعت فرمادی۔ [2] یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ اسی شعبہ میں سب سے زیادہ بدعنوانی کا اوکان ہوتا ہے۔ اور اس مالی خیانت وبددیانتی سے بہت سے جرائم جنم لیتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ ایک مصلح دین وبیدار مغز حکمراں تھے آپ کو یہ خیال تھا کہ اپنے فرائض وواجبات کی بجا آوری صحیح طور پر کریں اس سے زیادہ اہتمام اس بات کا تھا کہ عمال وحکام زیور اخلاق سے آراستہ ہوں، تاکہ جہاں بھی ان کا تقرر کیا جائے وہ کامیاب ثابت ہوں کم از کم وہاں کے باشندے ان کے اخلاق کے شاکی نہ ہوں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت موسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو فرمایا ''يسرا و لا تعسرا بشرا و لا

[1] مجموع فتاوی شیخ الاسلام، ج:۲۸، ص:۳۰۶ [2] صحیح بخاری:۲/۱۰۶۴ تا ۱۰۶۸، کتانی:۱/۲۴۷

تنفرا'' [۱]

یعنی تم سختی نہ کرنا بلکہ آسانی سے کام لینا اور لوگوں کو خوش خبری بھی سنانا صرف نفرت نہ دلانا۔

رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے صاف اشارہ ملتا ہے کہ آپ کے عہد میں یہ نظام جاری وساری تھا کہ عہدے داروں کی اہلیت وقابلیت کا اندازہ لگاتے، خواہ وہ گورنر ہو یا قاضی، معلم ہو یا مبلغ، امام ہو یا مفتی اس کے لیے بنیادی شرط یہ تھی کہ نظریۂ حیات سے گہری واقفیت رکھتا ہو اس سلسلے میں احادیث وسیر کی یہ روایت بہت مشہور ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے معاذ بن جبل کو یمن کا گورنر مقرر کیا تو رخصت کرنے سے پہلے ان کے تبحر علمی اور واقفیتِ شرع کا امتحان لیا حتی کہ آپ ﷺ مطمئن ہو گئے۔ [۲]

گورنر یا والی کے تعیین کے وقت نہ صرف زبانی بلکہ تحریری ہدایات اور فرامین رسول اللہ ﷺ کی طرف سے عطا کیے جاتے، افسران محاصل کو ہر قسم کے محاصل کی تقسیم اور نصاب کی تعلیم دی جاتی، اس طرح قضاۃ کو فرائض عدل وقضا سے مطلع کیا جاتا، اور انھیں دیوانی وفوج داری مقدمات میں طرز عمل کی ہدایت رسول اللہ بہ نفس نفیس عطا فرماتے تھے۔ [۳]

اب رہا معاملہ تجارتی بدعنوانی کے انسداد کا تو اس سلسلے میں نگرانی واہتمام سے رسول اللہ ﷺ غافل نہ رہتے تھے، بدعنوان تاجروں کو دین ودنیا کی وعید سنانے کے علاوہ آپ نے اچھے اور ایمان دار تاجروں کو اخروی اجر کی بشارت بھی سنائی ہے، ارشاد فرمایا: ''التاجر الصدوق الأمين مع النبيين والصديقين والشهداء'' [۴] سچا امانتدار تاجر، نبیوں، صدیقوں اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

نیز تاجروں کے خرید وفروخت کے سلسلہ میں آپ نے بات بات پر حلف اٹھانے جھوٹی قسمیں کھانے ناپ تول میں کمی کرنے اور اس قسم کے نازیبا حرکات کی سخت ممانعت فرمائی ہے احادیث میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ [۵]

تنبیہ وترغیب کے ساتھ عملی اقدامات بھی فرمائے مثلاً رسول اللہ ﷺ بعض اوقات بازاروں اور منڈیوں کا دورہ فرماتے اور موقع ہی پر تحقیق وتفتیش فرما کر ضروری تنبیہ یا کاروائی فرماتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ بازار تشریف لے گئے تو غلہ کے ایک ڈھیر میں ہاتھ ڈال کر دیکھا کہ اوپر سے اچھا اور اندر سے گیلا دانہ تھا، دوکاندر سے دریافت کیا فرمایا یہ کیا

---

[۱] صحیح بخاری: ۲/۶۲۳، کتاب الأحکام [۲] ترمذی: ۱/۱۵۹، أبواب الأحکام

[۳] The Goverment of th holy Prophet 2nd the Islamic Rivie England June 1942 Page No: 282

[۴] ابن ماجہ: ۲۳۸، ابواب التجارۃ [۵] بخاری: ۱/۲۷۸، کتاب البیوع، أبوداؤد: ۲/۵۰۷

ہے؟اس نے جواب دیا: بارش سے بھیگ گیا ہے، آپ نے فرمایا: پھر اس کو اوپر کیوں نہیں رکھا تا کہ ہر شخص کو نظر آجائے پھر فرمایا: ''من غشنا فليس منا'' [۱]

وزن اور ناپ تول کو ٹھیک رکھنا قرآن کی بنیادی تعلیمات میں شامل ہے۔(الاعراف: ۵۸، الرحمٰن ۸۹، مطففین ۱تا۳) اللہ نے ویل اللمطفین فرمایا جبکہ رسول اللہ ﷺ نے اشیاء کو محض اندازہ کے بجائے تول سے دینے اور وزن کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ [۲]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ منڈیوں اور بازاروں کی مجموعی نگہداشت اور تجار کے بے جا تصرف سے لوگوں کو محفوظ رکھنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے بازاروں کے لیے باقاعدہ محتسب (Market Inspector) مقرر کر رکھے تھے۔مثلاً سوق مکہ کے نگراں سعد بن سعید بن العاص اور سوق مدینہ کے نگراں ومحتسب حضرت عمر بن الخطاب تھے۔ [۳]

ان اقدامات سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نظام احتساب کو کس قدر اہمیت دیتے اور کس عمدگی کے ساتھ نافذ کرتے جس سے عوام کی فلاح و بہبود کے لیے اشیائے صرف کی مناسب داموں پر فراہمی ہو سکے، اور کوئی شخص بھی خواہ کسی بھی طبقہ یا شعبہ سے متعلق ہو من مانی نہ کر سکے، آج جو معاشرہ میں انارکی ولاقانونیت پھیلی ہوئی ہے وہ اسی عدم احتساب کا نتیجہ ہے، اور حکام کی رشوت خوری اور بے ایمانی سے ملکوں کا کروڑوں کا وارانیارا ہو رہا ہے جس کا براہ راست اثر معاشرہ کے ہر فرد پر پڑتا ہے۔اور یہ نتیجہ ہے سنت نبوی سے دوری اور عدم تعمیل کا، کیونکہ آپ ہی کے فرامین واحکام اخلاق واعمال سے انسان کا مردہ ضمیر جاگ اٹھا تھا اور اس میں حرکت وزندگی پیدا ہوگئی تھی، نفس انسانی جو صدیوں سے نفس امارہ بنا ہوا تھا اب وہی نفس، ''نفس لوامہ'' میں تبدیل ہوگیا۔اور ''نفس لوامہ'' دیکھتے دیکھتے ''نفس مطمئنہ'' بن گیا۔اس حد تک کہ گنہگار ومجرم از خود رسول اللہ کے سامنے اپنے گناہ کا اظہار واقرار کر کے اپنے لیے سخت سزا کا اصرار کرنے لگے، یہ غامدیہ قبیلے کی ایک گنہگار عورت ہے جس سے زنا کا گناہ سرزد ہوتا ہے تو اپنے لیے سنگ ساری کی سزا کی درخواست کرتی ہے، عذر شرعی (حاملہ) کی وجہ سے حضور ﷺ مؤخر کر کے بعد میں اسے سزا دیتے ہیں۔اسی طرح ایک اور مخزومیہ قبیلہ کی عورت فاطمہ بنت قیس جو معزز اور شریف گھرانے کی تھی نے چوری کی تو آپ کے محبوب اسامہ بن زید سفارشی بن کر آئے تو آپ نے فرمایا کہ تم حدود اللہ میں سفارش کیوں کرتے ہو؟ تم سے پہلے کی قومیں اس لیے تباہ ہوئیں کہ معمولی آدمی گناہ کرتا تو سزا پاتا اور وہی جرم جب مالدار کرتا تو چھوڑ دیا جاتا اور فرمایا: ''لو أن

---

۱ مسلم ۱/۷۰، کتاب الإیمان ۲ کتانی: ۱/۴۱۲
۳ المحلی: ۳/۳۶۵ ۴ کتانی: ۱/۲۸۵

فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها'' (متفق علیہ) اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔ [1] چنانچہ مخزومیہ عورت پر قطع ید کی حد جاری کی گئی اور گناہ سے تائب ہوگئی۔

اسی طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے ایک اور واقعہ ذکر کیا ہے کہ صفوان بن امیہ اپنی چادر اوڑھے مسجد نبوی میں سوئے ہوئے تھے کہ ایک چور آیا اور ان کی چادر چرالے گیا اس کو پکڑ لیا گیا اور نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا چنانچہ آپ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا۔ حضرت صفوان نے کہا یا رسول اللہ کیا میری چادر پر اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا؟ میں اس چادر کو اسے ہبہ کر دیتا ہوں، آپ نے فرمایا: ''فهلا قبل أن تأتيني به'' میرے پاس لانے سے پہلے کیوں نہ اسے ہبہ کر دیا تھا؟ یعنی تم میرے پاس لانے سے پہلے معاف کر دیتے تو ممکن تھا، اب معاملہ پیش ہونے کے بعد نہ حد معطل ہوگا اور نہ معاف ہوگا۔ اور نہ سفارش قبول ہوگی اور نہ ہی ہبہ کر سکتے ہو۔ [2]

اس نص پر قیاس کرتے ہوئے علماء کا اتفاق ہے کہ چور اور ڈاکو کا قضیہ جب ولی امر کے سامنے پیش ہو جائے اور وہ توبہ کر لے تب بھی ان سے حد ساقط نہیں ہوگی بلکہ حد جاری کرنا واجب ہے اگر وہ صدق دل سے توبہ کرتے ہیں تو یہ حدان کے لیے کفارہ ثابت ہوگی۔

اس سے واضح ہوا کہ آپ نے جو نظام احتساب قائم کیا تو اس سے مجرم از خود سزا کے لیے حاضر ہو جاتے اور اپنے جرم کا اعتراف کرتے جہاں نہ جج ہیں نہ قاضی، نہ پولیس کا پہرہ، نہ ہی گرفتاری کا خوف اور اس ضمن میں بہت سارے واقعات تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اسی طرح جب ہم اس وقت شاہانہ حکومت کے احوال پر نظر ڈالتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ شاہی خاندان کے افراد قانون کی زد سے مستثنیٰ ہوتے تھے مگر یہاں حال یہ تھا کہ ہر قانون الٰہی کا اصل نمونہ رسول اللہ ﷺ اور اہل بیت تھے۔ اللہ کا حکم کہ نعوذ باللہ اگر اہل بیت اللہ کی نافرمانی کریں تو ان کے لیے دہری سزا ہے چونکہ رسول اللہ ﷺ کی حیثیت اور آپ کی ذمہ داریاں زیادہ تھیں اس لیے ضروری تھا کہ حکم الٰہی کو آپ سب سے پہلے تسلیم کریں جیسا کہ قرآن اس کی صراحت اس طرح کرتا ہے ﴿انی امرت ان أكون أول من اسلم﴾ [الانعام: ١٤]

مجھے یہ حکم ہوا کہ میں سب سے پہلے تابعداری اختیار کروں دوسری جگہ قرآن میں ﴿ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئك هم الكفرون﴾ [المائدة: ٤٤ — ٤٥] ان ہدایات کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ نے شارح

---

[1] السياسة الشرعية: ۵۳

[2] رواہ أھل السنن، السياسة الشرعية، ص: ۵۳

اسلام ہونے کے باوجود قانون الٰہی کے نفاذ سے اپنے آپ کو بھی مستثنیٰ قرار نہیں دیا بلکہ سب سے پہلے ان احکام کا اطلاق اپنی ذات پر کیا خود اپنے ہی خلاف لوگوں سے یہ کہہ کر مقدمہ کرنے کی دعوت دی کہ اگر ان کی طرف سے کوئی زیادتی ہوئی ہے تو اس کا بدلہ لے لیا جائے۔ [۱]

حضرت عمر بن الخطاب شہادت دیتے ہیں کہ: ''رأیت رسول الله ﷺ یقص من نفسه'' میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ اپنی ذات سے قصاص لیتے تھے۔ [۲]

ابن سعد کی ایک اور روایت میں ہے کہ مرض الموت میں رسول اللہ ﷺ فضل بن عباس کے سہارے مسجد نبوی میں داخل ہوئے حمد وثنا کے بعد فرمایا تم میں سے بعض کے حقوق مجھ سے وابستہ ہیں میں بھی ایک بشر ہوں لہذا جس شخص کو میں نے کچھ نقصان پہنچایا ہے تو وہ مجھ سے بدلہ لے لے اور فرمایا میں نے کسی کی پیٹھ پر اگر کوڑا مارا ہو تو یہ میری پیٹھ حاضر ہے بدلہ لے لے۔ [۳]

غور کیا جائے تو یہ کوئی معمولی کردار کا مظاہرہ نہیں تھا آپ نے ایک طرف بادشاہوں اور حکمرانوں کے خدائی حقوق کی جڑ کاٹ دی تو دوسری طرف ریاست میں قانون الٰہی اور نظام احتساب کو پوری قوت کے ساتھ نافذ فرمایا، اور اپنی ذات کو بھی مستثنیٰ نہیں کیا۔

سلطنت کے مفتوحات ومحاصل کو دنیاوی بادشاہوں نے ہمیشہ اپنی ذاتی ملکیت سمجھا اور ذاتی وخاندانی عیش وتنعم کے سوا کوئی دوسرا مصرف ان کے نزدیک نہ تھا اگر کسی کو اس میں سے کچھ دیتے تو احسان سمجھتے جب کہ رسول اللہ ﷺ نے سارے محاصل مثلاً زکوۃ، صدقہ، خراج، جزیہ سب کو مال اللہ کہتے اور بحیثیت منتظم اعلی سب کا سب رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں آتا لیکن آپ اس کو اپنا نہیں کہتے وہ صرف بیت المال کی ملکیت قرار دیتے اور مستحق مسلمانوں میں تقسیم فرما دیتے۔ اور اپنے ذاتی تصرف میں نہ لاکر زکوۃ کی ساری رقم اپنے اہل وعیال اور اپنے خاندان بنو ہاشم پر حرام فرمادی اس کو غرباء وحاجت مندوں کا حق قرار دیا فرمایا: ''إن أنا إلا خازن أضع حيث أمرت'' [۴] میں صرف ایک خازن ہوں جہاں خرچ کرنے کا حکم دیا جاتا ہے وہاں صرف کرتا ہوں۔

فوائد احتساب:

رسول اللہ ﷺ نے بذریعہ احتساب جو معاشرہ تشکیل دیا اس سے بے شمار فوائد سامنے آئے جو حسب ذیل ہیں:

---

[۱] طبقات ابن سعد: ۲/ ۲۵۵، ابوداؤد کتاب الدیات
[۲] کتاب الخراج أبو یوسف، ص: ۱۱۵
[۳] أبوداؤد ۲/ ۱۵ کتاب الخراج والامارة
[۴] رواہ ابوداؤد: ۲/ ۱۵، کتاب الخراج والإمارة

☆ سب سے پہلے اللہ وآخرت کے حساب پر ایمان استوار ہوا۔

☆ اللہ کے دین کی حمایت کے ساتھ عوام وخواص کی زندگی کی ضمانت محفوظ ہوئی، ایک ایسا صالح معاشرہ تیار ہوا جو نیکیوں وفضائل کا ثمرہ تھا۔

☆ خوبیوں کو پروان چڑھا کر رذائل و بدخلقی کا خاتمہ ہوا، غیرت مند ضمیر سے ہتک آمیز حرکتوں کا خاتمہ ہوا، اللہ کے عذاب کو ٹالنے کے لیے نیکی کی اور شر وفساد سے بچنے کا جذبہ پیدا ہوا۔

☆ عدل وانصاف کا بول بالا ہوا بے انصافی و بدمعاملگی کم سے کم تر ہوئیں۔

☆ جھوٹی شہادتیں اور ظالمانہ فیصلے ناپید ہوگئے، خاندانی معاملات باپ بیٹے میاں بیوی کے درمیان ناچاقی ختم ہوئی۔

☆ حاکم ورعیت کے مابین تعلقات میں بہتری آئی، ہر ایک کا حال یہ تھا کہ اپنا حق کسی حال میں چھوڑنا اور دوسرے کا حق دینا گوارہ نہ تھا، اس میں اعتدال پیدا ہوا، اگر کوئی چیز خریدنی ہوتی تو ناپ تول میں دقت نظری سے کام لیتا ہے اور اگر کسی سے بیچنا ہو تو ناپ تول میں ڈنڈی مارتا جیسے قرآن نے یوں بیان کیا ہے: ﴿الذین إذا کتالوا علی الناس یستوفون و إذا کالوھم اووزنوھم یخسرون﴾ [المطففین: ۲-۳]

جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب خود ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں، (یعنی لینے دینے کے لیے الگ الگ پیمانے تھے) جسے رسول اللہ ﷺ نے ختم کیا۔

☆ آپ نے خاندان ومعاشرہ میں احتساب کے ذریعہ ایمان کی نئی جوت جگائی اللہ سے ڈرنے کا ارشاد سنایا: ﴿یایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ و خلق منھا زوجھا و بث منھما رجالا کثیرا و نساء واتقواالله الذی تساء لون به والارحام إن الله کان علیکم رقیبا﴾ [النساء: ۱]

اے لوگو اللہ سے ڈرو جس نے تم سب کو ایک نفس سے پیدا کیا آپ نے معاشرہ کو اعلی درجہ کا عدل شعار امانت داری کا گہرا شعور اور خدا ترسی کا شدید احساس دلایا، جس سے معاشرہ کے امراء وذمہ داران تک سادگی و پرہیزگاری کا بہترین نمونہ بن گئے، قوم کے سردار اپنے کو قوم کا خادم تصور کرنے لگے والیان سلطنت اپنی حیثیت یتیموں کے سرپرست سے زیادہ نہیں سمجھتے، مالداروں اور تاجروں میں آپ نے آخرت سے دلچسپی اور دنیا سے بے رغبتی پیدا کی، چنانچہ بعد از نظام احتساب:

☆ تاجر میدان تجارت میں اترتا تو نہایت ایماندار اور سچا ہوتا۔

☆ مزدور پیشہ مزدوری میں نہایت محنتی و بہی خواہ ثابت ہوتا اگر مالدار ہوتا دوسروں پر رحم دل اور فیاض ثابت ہوتا۔

☆ اگر غریب کرسیٔ عدالت پر جلوہ افروز ہوتا تو زیرک انصاف پسند جج بن جاتا۔

☆ اگر صاحب سلطنت ہوتا تو مخلص و بے لوث حکمراں ثابت ہوتا۔[1]

یہی وہ بنیادی ستون تھے جن سے اسلامی حکومت کی امارت کھڑی ہوئی اور بڑے پیمانے پر فرد سے لے کر جماعت تک کے اخلاقی نفسیات اور طرز حیات میں تبدیلی آئی۔

عدم احتساب کے نقصانات:

نظام احتساب کے ڈھیلا پڑنے سے معاشرے میں سنگین جرائم جنم لیتے ہیں جو اس طرح منتج ہوتے ہیں:

☆ اگر فرد تاجر ہے تو اور زیادہ لالچی بن جاتا ہے اور ذخیرہ اندوزی کا مرتکب ہوتا ہے، اور صدقہ وزکوۃ کو بھول جاتا ہے۔

☆ اشیاء کو سستے داموں میں خرید کر مہنگے داموں میں بیچتا ہے اور سامان کو گرانی کے دنوں میں نکال کر عوام کے بھوک و پیاس کا باعث بنتا۔

☆ اگر مفلس ہوتا ہے تو دوسروں کی کمائی کا پھل مفت کھاتا ہے۔

☆ اگر مزدور ہے تو فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے مگر مزدوری پوری لینا چاہتا ہے۔

☆ اگر دولت مند ہوتا ہے تو حد درجہ کنجوس اور سنگ دل بن جاتا ہے۔

☆ اگر صاحب اقتدار ہو تو لٹیرا اور بد دیانت ثابت ہوتا ہے۔

☆ مالک، ظالم وخونخوار بن جاتا ہے اپنے مفاد ذاتی اور آرام جاں کے سوا کچھ نہیں سوچتا ہے۔

☆ اگر حکومت کا صدر یا وزیر ہوتا ہے تو شکم پرور اور بے خبر ثابت ہوتا ہے جس کو صرف اپنی پارٹی کے مفادات عزیز ہوتے ہیں، اگر قانون سازی کا اختیار ملتا ہے تو ظالمانہ قانون بنا کر بڑے بڑے ٹیکس مسلط کرتا ہے۔ وغیرہ

ان احوال سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ احتساب کو کس قدر اہمیت دیتے تھے جس سے نظام کو چست درست رکھنے میں مدد ملتی تھی۔ جو سراسر عوام کی فلاح و بہبود کے لیے تھا آج بھی سنت نبوی کی روشنی میں معاشرے کو درست کرنے کے لیے اسی نظام احتساب کی سخت ضرورت ہے۔ ☆☆

[1] ماخوذ کاروان مدینہ، از: مولانا ابوالحسن علی ندوی

سنت کا مفہوم اور اس کی حجیت

مولانا محمد جعفر انوار الحق الہندی
جامعہ اسلامیہ دریاباد

اللہ تعالیٰ نے جن وانس کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے، فرمایا: ﴿وما خلقت الجن والانس إلا ليعبدون﴾ [الذاريات:٥٦] (میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لیے پیدا کیا کہ وہ صرف میری عبادت کریں)۔

جن وانس کی تخلیق کا مقصد اصلی چونکہ عبادت ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے عبادت کا طریقہ اور اس کی کیفیت بتانے کے لیے انبیائے کرام کا سلسلہ قائم فرمایا۔ کیوں کہ کون سا عمل اور کون سی عبادت اللہ کو پسند اور کون سا عمل اور کون سی عبادت اللہ کو ناپسند ہے یہ بندے کو اس وقت تک معلوم نہیں ہوسکتی جب تک کہ اللہ تعالیٰ خود نہ بتائے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کے ذریعہ اپنی خوشی اور ناراضگی کے امور کی اطلاع دی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ولقد بعثنا فی کل امة رسولا ان اعبدوالله واجتنبوا الطاغوت﴾ [النحل:٣٦]

ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (لوگو!) صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمام معبودوں سے بچو۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہر قوم پر یہ فرض کیا کہ اپنے رسولوں کی بات مانیں، ان کی اطاعت کریں اور انہیں اپنا اسوہ تسلیم کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وما ارسلنا من رسول إلا ليطاع باذن الله﴾ [النساء: ٦٤] (ہم نے ہر ہر رسول کو صرف اسی لیے بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی فرمانبرداری کی جائے)۔

نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھ سے قبل جتنے بھی انبیاء بھیجے ہر ایک کے کچھ خاص ساتھی، مددگار اور صحابہ ہوا کرتے تھے، جو نبی کی باتوں کو مانتے اور ان کی سنت کو اپناتے تھے'' [مسلم/۵۰] یعنی ہر زمانے کے انبیائے کرام کی امتوں پر فرض تھا کہ اپنے نبی کی باتوں پر ایمان لائیں اور ان کی اطاعت کریں جنہوں نے ایسا کیا وہ کامیابی سے ہمکنار ہوئے اور جنہوں نے انبیائے کرام کی ہدایت اور ان کے طریقے کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا وہ مستحق ہلاکت قرار پائے۔

اس تمہید کے بعد اب ہم سنت کی لغوی اور اصطلاحی تعریف اور اس کی حقیقت ومعنویت پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں:

انبیائے کرام کے طریقے اور ان کی سیرت کو سنت کہا جاتا ہے، کیوں کہ لغت کے اعتبار سے سنت سیرت، طریقہ اور طرزِ عمل کا نام ہے جوہری نے کہا: ''السنن: الطريقة، والسنة: السيرة'' [الصحاح ۵/ ۱۷۵۲، ۵۷۲، دیکھیں لسان العرب ۱۳/ ۲۲۶]۔

ابن سیدہ نے کہا: ''والسنة: السيرة حسنة كانت أو قبيحة، و سنة الله: أحكامه و أمره و نهيه، والسنة: الطبيعة'' [المحکم ۸/ ۴۱۷، دیکھیں لسان العرب ۱۳/ ۲۲۵]۔

ابن منظور نے کہا: ''و قد تكرر فى الحديث ذكر السنة و ما تصرف منها والأصل فيه: الطريقة والسيرة، و إذا أطلقت فى الشرع فإنما يراد بها ما أمر به النبى ﷺ و نهى عنه، و ندب إليه قولا و فعلا مما لم ينطق به الكتاب العزيز ولهذا يقال فى أدلة الشرع: الكتاب والسنة أى القرآن والحديث'' [لسان العرب ۱۳/ ۲۲۵]

مطلب یہ ہے کہ طریقِ زندگی اور کردار و سیرت کا نام سنت ہے، البتہ لغت کے اعتبار سے اس کا قابل تعریف ہونا ضروری نہیں ہے نبی ﷺ نے فرمایا: ''من سن فى الإسلام سنة حسنة فله أجرها و أجر من عمل بها ولا ينقص من أجورهم شيئا، ومن سن فى الإسلام سنة سيئة فله و زرها و وزر من عمل بها ولا ينقص ذلك من أوزارهم شيئا'' [مسلم: ۱۰۱۷]۔

اصطلاح میں سنت کا استعمال متعدد معنوں کے لیے ہوتا ہے، اصولِ حدیث، اصولِ فقہ، فقہ اور عقائد میں اس کے الگ الگ اطلاقات ہیں، سنت کا اطلاق سلف کے یہاں عقائد پر کیا جاتا تھا اسی لیے عقیدے کی بہت سی کتابیں اسی نام سے ہیں: السنة للإمام أحمد بن حنبل، السنة للمروزى، السنة للخلال، شرح أصول السنة للالكائى، شرح السنة للبربهارى وغيره۔

اور سنت کو بدعت کے مقابل میں بھی بولا جاتا ہے: '' فلان من أهل السنة أى ليس من أهل البدعة'' شاطبی نے کہا: ''و يطلق أيضا فى مقابلة البدعة فيقال: "فلان على سنة" إذا عمل على وفق ما عمل به النبى ﷺ كان ذلك مما نص عليه فى الكتاب أم لا، و يقال: "فلان على بدعة" إذا عمل خلاف ذلك، وكأن هذا الإطلاق إنما اعتبرفيه عمل صاحب الشريعة، فأطلق عليه لفظ السنة من تلك الجهة و إن كان العمل بمقتضى الكتاب۔'' [الموافقات ۴/ ۲۹۰، ت: مشہور حسن سلمان]۔

امام شوکانیؒ نے کہا:''و تطلق علی ما یقال البدعة کقولهم فلان من أهل السنة''[ارشاد الفحول/۵۳، نیز دیکھیں الحدیث والمحدثون/۱۰]۔

اصولیوں کے نزدیک سنت کی تعریف یہ ہے کہ نبی ﷺ سے جو صادر ہو قرآن کے سوا خواہ قول، فعل ہو یا تقریر ہو، شوکانیؒ نے کہا:''ما صدر عن النبی ﷺ من غیرالقرآن من قول أو فعل أو تقریر و هذا هوالمقصود بالبحث عنه فی هذا العلم''[ارشادالفحول/۵۳]۔

آمدی نے کہا:''وقد تطلق علی ما صدر عن الرسول من الأدلة الشرعیة مما لیس بمتلوو لا هو معجز ولا داخل فی المعجز وهذا النوع هوالمقصود بالبیان ههنا، و یدخل فی ذلك أقوال النبی ﷺ و أفعاله و تقاریره'' [الاحکام فی اصول الاحکام ۱/ ۱۴۵]۔

شاطبیؒ نے کہا:''یطلق لفظ السنة علی ماجاء منقولا عن النبی ﷺ علی الخصوص مما لم ینص علیه فی الکتاب العزیز بل إنما نص علیه من جهته علیه الصلاة والسلام کان بیانا لما فی الکتاب أولا''[الموافقات ۴/ ۲۸۹-۲۹۰]

طاہر جزائری نے کہا:''و أما السنة فتطلق فی الأکثر ما أضیف إلی النبی علیه الصلاة والسلام من قول أو فعل أو تقریر فهی مرادفة للحدیث عند علماء الأصول'' [توجیہ النظر/۳، دیکھیں الحدیث والمحدثون/۹]۔

اور فقہ میں سنت اسے کہتے ہیں جو فرض وواجب نہ ہو، آمدی نے کہا:''و إما فی الشرع فقد تطلق علی ما کان من العبادات نافلة منقولة عن النبی علیه السلام''[الاحکام ۱/ ۱۴۵] شوکانی نے کہا:'' و أما فی عرف أهل الفقه فإنما یطلقونها علی ما لیس بواجب'' [ارشادالفحول/۵۳]۔

دکتور سباعی نے کہا: وفی اصطلاح الفقهاء:'' ما ثبت عن النبی ﷺ من غیر افتراض ولا وجوب، و تقابل الواجب وغیره من الأحکام الخمسة''[السنۃ ومکانتھا فی التشریع الإسلامی / ۴۸، دیکھیں الحدیث والمحدثون/۱۰]۔

اصولِ حدیث اور محدثین کی اصطلاح میں سنت: وہ قول یا فعل یا تقریر، اخلاق اور حلیۂ مبارکہ جو نبی ﷺ کی طرف منسوب ہو، سخاوی نے کہا: السنن: المضافة للنبی ﷺ قولا له أو فعلا أو تقریرا و کذا وصفا و أیاما''[فتح المغیث ۱/۱۳]۔

محمد محمد ابوزہو نے کہا: ''وعلماء الحديث يريدون بالسنة (على ما ذهب إليه جمهورهم) أقوال النبى ﷺ وأفعاله وتقريراته وصفاته الخلقية والخلقية....'' [الحدیث والمحدثون/۱۰، دیکھیں: توجیہ النظر للجزائری/۲، والسنۃ ومکانتھا للسباعی/ ۴۷]۔

سنت کی مذکورہ تعریفات اور اس کے اطلاقات دیکھنے کے بعد اہل اسلام کے نزدیک اس کی اہمیت واضح ہوجاتی ہے کہ ہر علم وفن کے لوگوں نے اسے مرکز توجہ قرار دیا ہے، اس مضمون میں زیر بحث محدثین کی تعریف ہے یعنی نبی ﷺ کی ذات سے منسوب تمام اقوال وافعال اور اخلاق وتقاریر کا مجموعہ سنت اور حدیث کہلائے گا اور اسی پر یہ بحث قائم ہے کہ اسے حجت تسلیم کیا جائے اور قابل عمل گردانا جائے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر اپنا دین نازل فرمایا اور اپنے نبی کو حکم دیا ﴿يا يها الرسول بلغ ما انزل إليك من ربك، و إن لم تفعل فما بلغت رسالته﴾ [المائدة: ٦٧] (اے رسول جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے پہنچا دیجئے، اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت ادا نہیں کی)۔

یعنی یہ نبی کی ذمہ داری تھی کہ وہ اللہ کا پیغام اور اس کا دین اس کے بندوں تک بلا کم وکاست پہنچا دیں، اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو تسلی دی کہ یہ پیغمبر جو کچھ پہنچائیں گے اور جو کچھ تمہیں بتائیں گے وہ سب میری طرف سے ہوگا، وہ اپنی طرف سے کوئی بات گھڑ کر بیان نہیں کرسکتے، فرمایا: ﴿ولو تقول علينا بعض الأقاويل. لاخذنا منه باليمين. ثم لقطنا منه الوتين﴾ [الحاقة: ٤٤-٤٦] (اور اگر یہ ہم پر کوئی بھی بات بنالیتا تو البتہ ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے پھر اس کی شہ رگ کاٹ دیتے)۔

اور فرمایا: ﴿وما ينطق عن الهوى. ان هو إلا وحي يوحى﴾ [النجم: ٣-٤] (اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے)۔

یعنی نبی ﷺ تشریعی حیثیت سے جتنی بات بھی بتاتے ہیں وہ سب اللہ کی طرف سے وحی کی جاتی ہے اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق نبی ﷺ کوئی بات نہیں کہتے۔ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ نبی ﷺ نے قرآن کے ساتھ حدیث وسنت کو بھی بیان کیا ہے، اور دینی احکام جس طرح قرآن میں ہیں اسی طرح سیرتِ نبوی اور سنتِ نبویہ ﷺ میں بھی موجود ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح قرآن وحی ہے اسی طرح سنت بھی وحی ہے، جس طرح قرآن کی اتباع ضروری ہے اسی طرح وحی کی دوسری قسم سنت کی اتباع بھی ضروری ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ألا إنى أوتيت الكتاب و مثله معه'' [ابوداؤد: ۶۴۰۴، بسند صحیح] اور حسان بن عطیہ رحمۃ اللہ

علیہ نے کہا: ''كان جبريل ينزل على النبى ﷺ بالسنة كما ينزل بالقرآن و يعلمه إياها كما يعلمه القرآن'' [الدارمی ۱/۱۴۵، لالکائی ۹۹ وغیرہ بسند صحیح، دیکھیں فتح المنان ۲/۳۹۲ (۶۱۷) والموافقات ۴/۳۴۵ حاشیہ]۔

یعنی جبریل علیہ السلام قرآن وسنت دونوں وحی لے کر نازل ہوتے تھے اور دونوں نبی ﷺ کو سکھاتے تھے، حدیث کے ذخیرے میں اس کی متعدد مثالیں ہیں کہ نبی ﷺ سے کوئی سوال پوچھا گیا تو آپ نے وحی کے نزول کا انتظار کیا مثلاً: کیا محرم خوشبو اور زعفران لگا سکتا ہے؟ آپ نے وحی آجانے کے بعد جواب دیا [بخاری (۱۵۳۶)]۔ اور کیا خیر شر کا سبب بنتا ہے؟ جب نبی ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ چپ رہے اور پھر بعد میں وحی ملنے پر جواب دیا، بخاری (۶۴۲۷)۔

متذکرہ مثالوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حدیث بھی وحی الٰہی ہے، لہذا جس طرح وحی قرآنی، حجت ہے اسی طرح وحی حدیث بھی حجت ہے اور اس سے بڑی بات یہ ہے کہ جس طرح قرآن محفوظ ہے اسی طرح حدیث کو بھی حفاظت الٰہی کا وعدہ شامل ہے۔ ابن حزم نے کہا: '' إن الوحى ينقسم من الله عزوجل إلى رسوله ﷺ على قسمين: أحدهما: وهى متلو مؤلف تاليفا معجز النظام وهوالقرآن، والثانى: وحى مروى منقول غير مؤلف ولا معجز النظام ولا متلو ولكنه مقروء وهوالخبر الوارد عن رسول الله ﷺ وهوالمبين عن الله عزوجل مراده منا'' اور فرمایا: ''فأخبر تعالىٰ – كما قدمنا– أن كلام نبيه ﷺ كله وحى والوحى بال خلاف ذكر والذكر محفوظ بنص القرآن، فصح بذلك أن كلامه ﷺ كله محفوظ بحفظ الله عزوجل، مضمون لنا أنه لا يضيع منه شئ.....'' [الاحکام ۱/۹۵، ۹۶، ۹۷]۔

اب جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ قرآن وحدیث دونوں وحی ہیں اور دونوں ہی محفوظ ہیں لہذا دونوں حجت ہیں۔ یعنی جس طرح دونوں وحی اور حفاظت میں شامل ہیں اسی طرح دونوں حجیت میں بھی مشترک ہیں اور حجیت کے بارے میں دونوں میں کچھ بھی فرق نہیں ہے۔

اسی لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم نبی ﷺ سے دین سیکھتے اور آپ کے بیان کردہ حکم پر عمل کرتے اور آپ کے اسوہ کو زندگی میں نافذ کرنے کی کوشش کرتے بلکہ آپ کی ہر چھوٹی وبڑی ادا اور آپ کے ہر عمل اور اشارے کو حرزِ جاں بنانے میں پہل کرتے انہیں کبھی یہ اشکال نہیں ہوا کہ یہ قرآن ہے اس لیے حجت ہے اور یہ قرآن نہیں

ہے اس لیے حجت نہیں ہے، بلکہ انہیں جب بھی نبی ﷺ کی طرف سے کوئی پیغام، کوئی عمل، کوئی شریعت اور کوئی ہدایت ملی انہوں نے فوراً اس پر عمل کیا یہ جاننے تک کی کوشش نہیں کی کہ حدیث وقرآن کے درمیان تفریق تو ان کے تصور سے بھی ماوراتھی۔

نبی ﷺ نے سونے کی انگوٹھی بنائی تو صحابہ نے بھی بنالی اور جب نبی ﷺ نے پھینک دی تو صحابہ نے بھی پھینک دی (بخاری ۵۸۶۵)] اور نبی ﷺ نے نماز میں جب جوتا نکالا تو صحابۂ کرام نے بھی نکال دیا۔ [ابوداؤد (۶۵۰)]۔

صحابۂ کرام کا یہ اجتماعی طرزِ عمل اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ نبی ﷺ کی سنتیں بہر حال حجت اور لائق اتباع ہیں، اور اسی لیے جب نبی ﷺ کسی بات کا حکم دیتے اور اس پر عمل کرنے سے لوگ کتراتے تو آپ ناراض ہوتے جیسا کہ صلحِ حدیبیہ میں پیش آیا[بخاری ۲۷۳۱)۔ اور جب کوئی آپ کے عمل کو اپنے لیے کافی نہیں سمجھتا تو بھی آپ شدید ناراضگی ظاہر کرتے جیسا کہ ان تین آدمیوں کے ساتھ کیا جنہوں نے آپ کی روزمرہ کی عبادت کو ناکافی سمجھا تو آپ نے خطبہ دیا اور فرمایا: ''من رغب عن سنتی فلیس منی'' [بخاری (۵۰۶۳) مسلم (۱۴۰۱)]۔ اور جب ایک آدمی کو حالتِ روزہ میں ازواجِ مطہرات کو نبی ﷺ کے بوسہ دینے کی خبر پہنچی اور اس نے کہا: ''لست مثلك يا رسول الله ﷺ و قد غفرالله لك ما تقدم من ذنبك'' تو آپ غصہ ہوئے اور فرمایا: ''والله إلى لأرجو أن أكون أخشاكم لله و أعلمكم بما أتقى'' [مسلم (۱۱۱۰)، ابوداؤد (۲۳۸۹)]۔

ویسے نبی ﷺ کی بعثت کا مقصد بھی یہی ہے کہ آپ کی اطاعت واتباع کی جائے اور آپ کے نقشِ قدم پر چلا جائے، ورنہ اللہ تعالیٰ صرف کتاب نازل کرنے پر اکتفا کرتا اور فرشتے کے ذریعہ یا اور کسی ذریعے سے لکھی ہوئی کتاب بندوں تک بھیج دیتا اور ان کو اس پر عمل کا حکم دے دیتا، مگر اللہ نے پیغمبروں کے ذریعہ اپنی شریعت اسی لیے بھیجی ہے تاکہ شریعت کی عملی تطبیق لوگوں کے سامنے آجائے اور لوگ اسے آئیڈیل اور اسوہ مان کر اپنی زندگی اسی کے مطابق ڈھالیں، اب اگر رسول کو درمیان سے نکال دیا جائے تو نہ قرآن، قرآن رہ جائے گا اور نہ شریعت، شریعت رہ جائے گی کیوں کہ قرآن بھی تو نبی ﷺ کے ذریعہ سے ہم تک پہنچا ہے۔ سچ کہا ہے علامہ محمد اسماعیل گجرانوالہ نے ''قرآن کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی نگاہ میں یہ مسئلہ ایمان کے لیے ایک اساس اور بنیادی حیثیت رکھتا ہے، پیغمبر کو درمیان سے ہٹا دیا جائے تو قرآن اور اسلام دونوں مسکین اور یتیم ہو

کررہ جائیں گے'' اور فرمایا: ''اور رسول کی شخصیت کو نظر انداز کرنے کے بعد سارا کارخانہ اور دیانت کا یہ معمل پورے کا پورا غارت ہوجاتا ہے''۔[حجیت حدیث/۲۲،۲۳، ط: الفہیم]۔

قرآن کریم میں غور کیا جائے تو واضح طور سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ سنت حجت ہے اور واجب الاتباع ہے اگر صرف آیات جمع کی جائیں تو بھی اس قدر کثیر ہیں کہ ایک اچھا خاصا مجموعہ تیار ہوجائے، بطورِ مثال میں چند دلیلیں ذکر کرنے پر اکتفا کروں گا:

۱- اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وما اتكم الرسول فخذوه۔ وما نهاكم عنه فانتهوا﴾ [الحشر: ۷]۔(اور تمہیں جو کچھ رسول دیں لے لو، اور جس سے روکیں رک جاؤ)۔

علامہ محمد اسمعیل گجرانوالہ نے کہا: ''اتاکم'' کو یہاں ''نہاکم'' کے مقابلے میں رکھا گیا ہے اور نہی کے مقابلے میں امر ہوتا ہے اس لیے اتکم کے معنی أمرکم ہوں گے یعنی نبی ﷺ کے امر پر سختی سے عمل کرو اور اُمر کا مفاد وجوب ہے، اور نہی کا تقاضا حرمت، یعنی نبی ﷺ جس چیز کا حکم فرمادیں اس کی پابندی واجب ہوگی اور جس چیز سے روکیں اس کا کرنا حرام ہوگا۔ آیت کا عموم نبی ﷺ کی اطاعت کے وجوب پر مشتمل ہے۔[حجیت حدیث/۱۵۱]۔

۲- ﴿ وانزلنا اليك الذكر لتبين للناس ما نزل إليهم﴾ [النحل: ٦٤] یہ ذکر (کتاب) ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کردیں۔

اور کہا: ﴿وما انزلنا عليك الكتاب إلا لتبين لهم الذى اختلفوا فيه﴾ [النحل: ٦٤] (اس کتاب کو ہم نے آپ پر اس لیے اتارا ہے کہ آپ ان کے لیے ہر اس چیز کو واضح کردیں جس میں وہ اختلاف کررہے ہیں)۔

ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو بیان اور توضیح کی ذمہ داری سونپی ہے اور اگر بیان اور شرح حجت نہ ہو تو پھر اصل اور متن کی افادیت اور حجیت کس طرح قائم رہ سکے گی۔

۳- ﴿يايها الذين آمنوا اطيعوا الله واطيعوالرسول واولى الامر منكم۔ فان تنازعتم فى شئ فردوه إلى الله والرسول إن كنتم تؤمنون بالله واليوم الأخر﴾ [النساء: ٥٩] (اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول ﷺ کی اور تم میں سے

اختیار والوں کی، پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے)۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نزاع کی صورت میں قرآن وحدیث کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے، اللہ کی طرف رجوع کرنا قرآن کی طرف رجوع کرنا ہے، اور رسول کی طرف رجوع کرنا آپ کی وفات کے بعد احادیث کی طرف رجوع کرنا ہے۔

میمون بن مہران رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ''الرد إلى الله هوالرجوع إلى كتابه والرد إلى الرسول هوالرجوع إليه فى حياته و إلى سنته بعد وفاته'' [تفسیر ابن جریر ۵/۹۶، ابن بطہ (۵۸، ۵۹) وغیرہ بسند حسن، دیکھیں الموافقات ۴/۱۹۱ حاشیہ]۔

شاطبی اور ابن حزم نے بھی یہی بات کہی ہے کہ بلکہ ابن القیم نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ [دیکھیں الموافقات ۴/۳۲۱، الاحکام ۱/۹۶، اعلام الموقعین ۱/۴۹، ۵۰: طہ سعد]۔

خصومات اور نزاعات کے تصفیہ کے لیے رسول کی طرف لوٹنے کا حکم اس بات کی دلیل ہے کہ وہاں سے جو فیصلہ صادر ہو وہ واجب الاطاعت والقبول ہے ورنہ رجوع کا کوئی مطلب نہ ہوگا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا:

۴- ﴿فلا و ربك لا يومنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا فى أنفسهم حرجا مما قضيت و يسلموا تسليما﴾ [النساء: ٦٥] (سو قسم ہے تیرے پروردگار کی یہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں)۔

اور واضح ہے کہ نبی ﷺ کا فیصلہ حدیث کی شکل میں ہے۔ اب جو اسے قبول نہ کرے اور اس سے راضی نہ ہو وہ مسلمان کیسے ہوگا؟ [دیکھیں: الاحکام ۱/۹۷، دفاع عن السنۃ/۱۳]۔

اس آیت پر ایک عمدہ گفتگو کرنے کے بعد علامہ محمد اسمعیل نے کہا: ''اس لیے یہ آیت حجیت حدیث میں نص ہے''۔ [حجیت حدیث/۱۵۲]۔

۵- ﴿وما كان لمومن ولا مومنة إذا قضى الله و رسوله امرا ان يكون لهم الخيرة من امرهم﴾ [الأحزاب: ٣٦]۔ (اور (دیکھو) کسی مومن مرد وعورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے بعد اپنے

کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا)۔

اس آیت میں جس طرح اللہ کے فیصلے کے بعد مومنوں کا اختیار ختم کر دیا گیا ہے، اسی طرح نبی ﷺ کے فیصلے کے بعد بھی مومن کو کسی طرح کا اختیار نہیں دیا گیا ہے جو اس کے حجت ہونے کی قطعی دلیل ہے۔ حیرت ہے کہ ''ہر صاحبِ امر کا حکم اپنے حلقۂ اثر میں حجت تصور کیا جائے لیکن رسول اللہ ﷺ کو اس معقول اور واجبی حق سے محروم رکھا جائے، کیوں؟'' [دیکھیں حجیت حدیث/۱۵۳]۔

۶- ﴿فليحذر الذين يخالفون عن أمره أن تصيبهم فتنة أو يصيبهم عذاب اليم﴾ [النور: ٦٣]۔ (سنو! جو لوگ حکم رسول کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرنا چاہئے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آپڑے یا انہیں دردناک عذاب نہ پہنچے)۔

محمد محمد ابو شہبہ نے کہا: '' فلولا أن أمره حجة ولازم لما توعد على مخالفته بالنار'' [دفاع عن السنۃ/۱۳]۔ اور علامہ محمد اسماعیل نے کہا: ''جو لوگ نبی ﷺ کے احکام کی مخالفت کرتے ہیں (انہیں حجت نہیں سمجھتے) وہ عذابِ الیم کے مستحق ہیں۔ [حجیت حدیث/۱۵۴]

۷- ﴿من يطع الرسول فقد اطاع الله﴾ [النساء: ٨٠]۔ (اس رسول (ﷺ) کی جو اطاعت کرے اسی نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی)۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔ جس سے یہ بات بخوبی معلوم ہوتی ہے کہ نبی ﷺ کی بات تسلیم کیے بغیر اللہ کی مرضی حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی متعدد آیتیں ہیں، جنہیں بخوفِ طوالت یہاں ذکر نہیں کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح متعدد احادیث میں بھی نبی ﷺ کی اطاعت اور اتباع کا حکم وارد ہے اور آپ کی سنتوں سے اعراض کرنے والے کو جہنم کی وعید سنائی گئی ہے، جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سنت کی اتباع ہی قرآن کی منشاء ہے، سنت کے بغیر قرآن فہمی اور قرآن پر عمل کرنے کا دعویٰ بالکل بے بنیاد اور جھوٹا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تركت فيكم أمرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما كتاب الله و سنتي'' [یہ حدیث متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے۔ دیکھیں: الصحیحۃ/۱۷۶۱]۔

(میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک تم انہیں مضبوطی سے پکڑے رہو گے گمراہ نہ ہو گے)۔ اور فرمایا: ''میری امت کا ہر فرد جنت میں داخل ہوگا سوائے اس کے جس نے انکار کیا، صحابۂ کرام

نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول! انکار کرنے والا کون ہے؟ فرمایا: جو میری اطاعت کرے گا جنت میں جائے گا اور جو میری نافرمانی کرے گا وہی انکار کرنے والا ہے۔ [بخاری (۷۲۸۰)]۔ اور فرمایا: ''من أطاعني فقد أطاع الله و من عصاني فقد عصى الله'' [بخاری (۲۹۵۷)]، مسلم (۱۸۳۵)]۔ (جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی)۔

اگر حدیثوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو قرآن پر عمل کرنا ممکن نہ ہوگا۔ قرآن کے احکام پر عمل کرنا اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنا سنت کے بغیر ناممکن ہے، اور سنت کی حجیت کا انکار کرنا خود قرآن کے انکار کے مترادف ہے، ورنہ نماز کی تفصیلات، زکوۃ کی تفصیلات، اشہر حرم کی تفصیلات، چور کا ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے، اور چوری کا نصاب کیا ہے، تیمّم میں ہاتھ کا مسح کہاں تک ہو، حج کیسے کیا جائے وغیرہ، کو معلوم کرنا اور ان پر عمل کرنا سنت کے بغیر کس طرح ممکن ہوگا؟

اصل بات یہ ہے کہ سنت کی حجیت کا انکار ایک فتنہ ہے، جو اہلِ ایمان کی آزمائش کا ایک ذریعہ بھی ہے، کیوں کہ نبی ﷺ نے یہ پیشن گوئی کی تھی ''ألا رجل شبعان على أريكته يقول: حسبنا كتاب الله فما وجدنا فيه من حلال أحللناه وما وجدنا من حرام حرمناه ألا إن ما حرم رسول الله مثل ما حرم الله'' [ابوداؤد (۴۶۰۴)، ترمذی (۲۶۶۴)، ابن ماجہ (۱۲)، احمد ۴/۱۳۰-۱۳۱، اس کی تخریج دیکھیں: الموافقات ۴/۱۹۰ حاشیہ]۔

اللہ و رسول دونوں کی تحلیل و تحریم یکساں ہے، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو بھی اس بات کا ڈر تھا: ''إني أخشى إن طال بالناس زمان أن يقول قائل لا نجد الرجم في كتاب الله فيضلوا بترك فريضة أنزلها الله'' [بخاری (۶۸۲۹)، مسلم (۱۶۹۱)]۔ بیہقی نے کہا: ''وهذا خبر من رسول الله ﷺ عما يكون بعده من رد المبتدعة حديثه فوجد تصديقه فيما بعده'' [مفتاح الجنۃ/۹]۔

اس لیے نبی ﷺ کی پیشین گوئی حرف بہ حرف صادق نکلی اور لوگوں نے قرآن پر اکتفا کرنے کی بات کہی مگر وہ یہ بھول گئے کہ قرآن کی شرح و بیان کی ضرورت تو پھر بھی قائم رہے گی اگر توضیحات نبویہ کو رد کر دیا جائے تو دوسروں کی تشریحات کو تو لینا ہی پڑے گا یا خود ہر انسان اپنی ہوائے نفس کے مطابق اس کی شرح کرتا پھرے گا اور اس طرح دین بازیچۂ اطفال بن کر رہ جائے گا، اتباعِ سنت اور حجیت حدیث کے انکار سے بھاگ کر امتیوں کی حجیت تسلیم کر لی گئی گویا کہ ''فر من المطر و قام تحت الميزاب'' والا بھیانک منظر پیش آ گیا۔

واضح کردوں کہ حدیث کو قرآن پر پیش کرنے کے سلسلے میں ایک موضوع حدیث ذکر کی جاتی ہے کہ جب حدیث قرآن کے مطابق ہو تو قبول کرو ورنہ رد کردو۔ مگر یہ حدیث گھڑی ہوئی اور موضوع ہے۔ [اللآلی المصنوعۃ ۱/۲۱۳، وتنزیھہ الشریعۃ/۲۶۴، والموافقات ۴/۳۲۹-۳۳۰، حاشیہ]۔

عبدالرحمٰن بن مہدی نے کہا: ''الزنادقه والخوارج و ضعوا ذلك الحديث'' ابن مدینی نے کہا: ليس لذلك الحديث أصل، والزنادقة و ضعت هذا الحديث'' [اس حدیث پر کلام دیکھیں جامع بیان العلم وفضلہ ۲/۱۱۹۱ (۲۳۴۷) الابانۃ لابن بطۃ ۱/۲۶۶-۲۶۷، الاحکام لابن حزم ۱/۲۱۱-۲۱۳، دفاع عن السنۃ/۱۷، الحدیث والمحدثون/۲۳، السنۃ ومکانتھا/۱۶۱، مفتاح الجنۃ فی الاحتجاج بالسنۃ/۵، ۲۱، ۲۳]۔

پوری گفتگو کا حاصل اور نچوڑ یہ ہے کہ سنت، نبی ﷺ کی طرف منسوب قول وفعل اور تقریر واخلاق کا نام ہے، اور وہ شرعی حجت ہے اور جو اس کی حجیت کو تسلیم نہ کرے وہ نہ صرف حدیث کا منکر ہے بلکہ وہ قرآن کا بھی منکر ہے۔ اسحٰق بن راہویہ نے کہا ہے: '' من بلغه عن رسول الله ﷺ خبر يقر بصحته ثم رده بغير تقيه فهو كافر'' [الاحکام ۱/۹۷] ابن حزم نے کہا: ''اما من فعله مستحلا للخروج عن أمرهما و موجبا لطاعة أحد دونهما فهو كافر لاشك عندنا فى ذلك....'' و إنما احتججنا فى تكفيرنا من استحل خلاف ما صح عنده عن رسول الله ﷺ بقول الله تعالىٰ '' [الاحکام ۱/۹۷]۔

شوکانیؒ نے کہا: ''إعلم أنه قد اتفق من يعتد به من أهل العلم على ان السنة المطهرة مستقلة بتشريع الأحكام و أنها كالقرآن فى تحليل الحلال و تحريم الحرام....'' اور کہا: '' والحاصل أن ثبوت حجية السنة المطهرة والستقلالها بتشريع الأحكام ضرورة دينية ولا يخالف فى ذلك إلا من لا حظ له فى دين الإسلام''۔ [ارشاد الفحول/۵۳، ۵۴]۔

محمد محمد ابوشہبہ نے کہا: ''وصدق الشوكانى'' [دفاع عن السنۃ/۱۳]۔ سیوطی نے کہا: ''فاعلموا رحمكم الله من أنكر كون حديث النبى ﷺ قولا كان أو فعلا – بشرطه المعروف فى الأصول – حجة، كفر وخرج عن دائرة الإسلام'' [مفتاح الجنۃ/۵]۔ کیوں کہ حقیقت ہے:

بمصطفٰے برساں خویش کہ دیں ہمہ است
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

☆☆☆

آپ ﷺ کے خلاف سازشیں اور آپ کا طرز عمل
(واقعات وحادثات کی روشنی میں)

مولانا محمد اسلم مبارک پوری
استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

نبی کریم ﷺ حسن اخلاق کے پیکر تھے۔ دنیائے انسانیت کے لیے بہترین آئیڈیل اور نمونہ تھے۔ سہل خو اور نرم پہلو تھے۔ جفا جو اور سخت خو نہ تھے۔ آپ ﷺ سب سے زیادہ سخی، سب سے زیادہ کریم، سب سے زیادہ باوقار اور سب سے بڑھ کر حیادار تھے۔ سب سے زیادہ عادل، پاک طینت، پاک نفس اور صدق ووفا کے علم بردار تھے۔ آپ ﷺ نہایت متواضع تھے۔ ان تمام رذائل اور صفات سے مبرا تھے، جو آپ کی شخصیت اور آپ کے عمدہ اخلاق کے لیے قادح تھی۔ آپ سب سے زیادہ عظیم، شفقت ورحمت میں بے مثال، رأفت ومودت میں کریم، اور سب سے زیادہ کشادہ اخلاق کے حامل تھے۔ جملہ مناقب وفضائل میں نابغہ روزگار، اور کمال اخلاق میں نمایاں تھے۔ آپ ﷺ امانت داری میں یگانہ روزگار تھے۔ اور پوری عرب سوسائٹی میں ''صدیق'' و''امین'' جیسے عمدہ القاب سے ملقب تھے۔ حجر اسود کے نصب کرنے کے بارے میں ہونے والی جنگ وجدال کو جس خوش اسلوبی اور بصیرت افروزی سے آپ ﷺ نے حل کیا، وہ آپ کی فراست وفرزانگی کا بین ثبوت ہے۔ [۱]

یہ تھا نبوت سے پہلے عرب سوسائٹی میں بالاختصار آپ ﷺ کا مقام ومرتبہ۔

آپ ﷺ ان تمام خوبیوں اور کمالات کے جامع تھے جو متفرق طور پر لوگوں میں پائے جاتے تھے۔ اصابت فکر، دور بینی، دوررسی، اور حق پرستی اور حق پسندی کے بلند مینار تھے۔ حسن فراست، شادابی عقل روشن فطرت، شیریں کردار، فاضلانہ اخلاق اور کریمانہ عادات میں ممتاز تھے۔ نبوت کے ابتدائی تین سال جو کہ خفیہ دعوت کے تین سال تھے، یہاں تک تو معاملہ ٹھیک ٹھاک رہا۔ مگر نبوت کے چوتھے سال جب اظہار دعوت کا پہلا حکم آیا، وہاں سے لے کر رفیق اعلیٰ سے جا ملنے تک آپ ﷺ پر ظلم وتعدی، مصائب وشدائد کے بادل چھا گئے۔ آپ کو شدید سے شدید تر مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اور اس راہ میں آپ ﷺ کو انبیاء سابقین علیہم الصلاۃ والسلام کے بالمقابل زیادہ ستایا گیا۔ [۲]

---

[۱] ابن ہشام ۱/۱۹۲-۱۹۷، تاریخ طبری ۲/۲۸۹، مجمع الزوائد ۸/۲۲۹، صحیح السیرۃ النبویہ لابراہیم العلي، ص: ۶۴

[۲] سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۲۲۲۲، السراج المنیر ۱/۶۶۴

آپ ﷺ نے ان سارے مصائب ومشکلات کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا۔ اور اپنی ذات کے لیے کبھی انتقام نہ لیا۔[۱] اور اپنے بہترین و بے نظیر طرز عمل کا مظاہرہ کیا۔ اور عفو ودرگذر سے کام لیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں'' ولا يجزي بالسيئة ولكن يعفو و يصفح '' [۲] آپ ﷺ بُرائی کا بدلہ بُرائی سے نہیں دیتے بلکہ آپ معاف کرتے اور درگذر کرتے۔ آپ ﷺ نے کبھی بددعا نہ کی بلکہ ان کو راہِ ضلالت سے نکال کر راہِ ہدایت پر لگانے کے لیے اللہ رب العالمین کی بارگاہ میں دست بہ دعا رہے۔

درج ذیل سطور میں اشاعت دین کی راہ میں آپ ﷺ کے ساتھ پیش آنے والے شدائد ومصائب اور سازشوں کا ایک خاکہ قارئین کرام کی سیرت سہولت کے لیے اسے تاریخ وسنین کی ترتیب کے ساتھ حوالہ قرطاس کیا جارہا ہے۔ تاکہ واقعات کی کڑیاں جوڑنے سے آپ ﷺ کے اخلاق وکردار کی بہترین تصویر سامنے آئے۔ اور اشاعتِ دین کی راہ میں پیش آنے والے مشکلات اور سازشوں پر غیر معمولی صبر، جو انبیاء کرام ہی کا خاصہ ہے، داعیان حق کے لیے مشعل راہ ہو۔ اور راہِ حق میں آنے والے روڑوں اور دقتوں کے سامنے ان کا جذبہ دعوت اور ولولہ وہمت ماند نہ پڑے۔

۱-نبوت کا دوسرا دور سن ۴ تا ہجرت حبشہ:

نبوت کے چوتھے سال جب نبی ﷺ نے حق کا واشگاف اعلان کیا۔ اور ﴿ وأنذر عشيرتك الأقربين ﴾ کے بموجب اپنے قرابت داروں کو ڈرایا۔ اور کوہِ صفا پر چڑھ کر یا صباحاہ (ہائے صبح) کی نداء لگائی تو قریش کے قبائل آپ کے پاس جمع ہوگئے۔ آپ ﷺ نے ان سے کہا: تم لوگ یہ بتاؤ! اگر میں یہ خبر دوں کہ ادھر وادی صفا میں شہسواروں کی ایک جماعت ہے جو تم پر حملہ کرنا چاہتی ہے تو کیا تم لوگ میری تصدیق کروگے؟ لوگوں نے کہا: ہاں ''ما جربنا عليك كذبا'' ہم نے کبھی آپ کو جھوٹا نہ پایا'' ما جربنا عليك إلا صدقا'' ہم نے آپ پر سچ ہی کا تجربہ کیا ہے۔ اس پر ابولہب نے نہایت تکلیف دہ لہجہ میں کہا: ''تبالك، ألهذا جمعتنا'' تو غارت ہو، کیا تو نے اسی لیے جمع کیا تھا۔ ابولہب کے اس جملہ پر رب ذوالجلال کو جلال آیا، اور سورہ ﴿ تبت يدا أبي لهب ﴾ نازل فرمائی۔ [۳]

---

[۱] بخاری: ۳۵۶۰، ۶۱۲۶، مسلم: ۲۳۲۷، ابوداؤد: ۴۷۸۵، شمائل ترمذی: ۳۰۰

[۲] ترمذی: ۲۰۱۶، شمائل الترمذی: ۲۹۸، نیز دیکھیں: دارمی، ۶

[۳] بخاری: ۴۷۷۰، ۴۹۷۱، ۴۹۷۲، مسلم: ۲۰۸، احمد ۱/ ۱۸۱، تفسیر ابن کثیر ۴/ ۸۲۸، صحیح السیرۃ النبویہ، ص: ۷۶

یہیں سے دشمنانِ اسلام آپ ﷺ کے خلاف حربے استعمال کرنے لگے اور محاذ آرائی کی۔ آپ اور آپ ﷺ کے جاں نثار صحابہ کرام کے خلاف سازشیں شروع کر دیں، اور اسلام کو ختم کرنے پر تل گئے۔ ابھی تھوڑا عرصہ گذرا تھا کہ حج کا موسم آ گیا۔ اور حاجیوں کے بارے میں ان دشمنان اسلام کو اضطراب وتشویش نے گھیر لیا کہ کہیں یہ لوگ آپ ﷺ کی دعوت سے متاثر نہ ہو جائیں۔ ان کی ایک جماعت ولید بن مغیرہ کے پاس آئی اور اس مسئلہ کے لیے ایک تجویز پاس کی کہ آپ ﷺ کے بارے میں ایسا کچھ مشہور کر دیا جائے جسے سن کر یہ لوگ متنفر ہو جائیں۔ چنانچہ کسی نے ''کاہن''، کسی نے ''پاگل''، کسی نے ''شاعر'' اور کسی نے ''ساحر'' (جادوگر) کا مشورہ دیا۔ بالآخر ولید بن مغیرہ کی رائے کے مطابق ''جادوگر'' کی تجویز پاس ہوئی۔ جب آپ ﷺ حجاج کو دعوت دیتے تو ابولہب آپ ﷺ کے آگے پیچھے لگا رہتا۔ اور تکلیفیں پہنچاتا۔ مگر آپ ﷺ اس پر خاموش رہتے [۱] حتی کہ آپ کو پورے عرب میں ''جادوگر'' سے مشہور کر دیا گیا۔

قریش نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ آپ ﷺ کے عزم واستقلال کو دیکھ کر اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر آپ کی دعوت کا قلع قمع کرنے کے لیے مختلف طریقے اور اسالیب اختیار کئے جن کا خلاصہ یہ ہے: ہنسی اڑانا، تحقیر کرنا، استہزاء کرنا، آپ کے خلاف آوازیں کسنا، اور بُری روش اپنانا، تاکہ آپ کے حوصلے ٹوٹ جائیں۔ چنانچہ آپ ﷺ کو کبھی ''پاگل'' کہتے [۲] تو کبھی جادوگر [۳] کہتے اور کبھی کہتے کہ انہوں نے خود قرآن گڑھ لیا ہے [۴] اور کبھی شاعر و کاہن کہتے تھے۔ [۵]

جب مشرکین وکفار نے دیکھا کہ یہ کارروائیاں اسلامی دعوت کی راہ میں مؤثر نہیں ہو رہی ہیں تو انہوں نے ظلم و جور کا بازار گرم کر دیا۔ اور ابولہب کی سربراہی میں پچیس صنادید قریش کی ایک کمیٹی تشکیل دی۔ اور باہمی مشورے اور کافی غور وخوض کے بعد یہ طے پایا کہ رسول اللہ ﷺ کی ایذاء رسانی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی جائے اور اسلام لانے والوں کو طرح طرح کے ظلم وتشدد اور جور وستم کا نشانہ بنایا جائے [۶] بالآخر آپ ﷺ اور آپ کے جاں نثار صحابہ کرام پر

---

[۱] ابن ہشام ۱/۲۷۱، مستدرک حاکم ۲/۵۰۷، وقال: صحیح علی شرط البخاری، ووافقہ الذہبی، بیہقی دلائل النبوۃ ۱/۵۵۶، تفسیر ابن کثیر ۴/۶۴۶، الرحیق المختوم، ص: ۱۲۴-۱۲۵

[۲] سورۃ الحجر: ۶، سورہ الذاریات: ۳۹، ۵۲

[۳] سورۃ یونس: ۲، سورۃ ص: ۴، سورۃ الذاریات: ۳۹، ۵۲

[۴] سورۃ الفرقان: ۴ نیز دیکھیں: ابن ہشام ۱/۲۹۹-۳۰۰ مختصر السیرۃ، ص: ۱۱۷-۱۱۸

[۵] سورۃ الانبیاء: ۵، سورۃ الحاقۃ: ۴۱-۴۲، سورۃ الطور: ۲۹

[۶] رحمۃ للعالمین: ۱/۵۹-۶۰

ظلم وتشدد کا آغاز کر دیا گیا۔ ابولہب جو آپ کی ایذاء رسانی میں پیش پیش تھا، آپ کا سخت مخالف اور دشمن تھا۔ اس کے بیٹے عتبہ اور عتیبہ کے عقد میں نبی ﷺ کی دو بیٹیاں رقیہ اور ام کلثوم تھیں۔ چنانچہ ابولہب نے ان کو سختی سے طلاق دلوایا۔[۱] اس کی بیوی ام جمیل اروی بنت حرب بن امیہ آپ ﷺ کو تکلیف اور اذیت پہنچانے میں کچھ کم نہ تھی۔ آپ ﷺ کی راہ میں کانٹے ڈالنا، بدزبانی کرنا، اور آپ ﷺ کو ''محمد'' کے بجائے ''مذمم'' (لائق مذمت) کہنا، لمبی چوڑی دسیسہ کاری، اور افتراء پردازی سے کام لینا، فتنے کی آگ بھڑکانا اس کا شیوہ اور محبوب مشغلہ تھا۔ اس لیے قرآن کریم نے اسے ﴿حمالة الحطب﴾ (لکڑی ڈھونے والی) کا لقب عطا کیا ہے۔[۲]

ان معاندین اسلام کا نبی ﷺ کو ستانے کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ آپ ﷺ کی عبادات میں خلل ڈالتے۔ ایک مرتبہ آپ طوافِ کعبہ کی غرض سے نکلے۔ قریش حرم میں اکٹھا تھے۔ آپ کو دیکھ کر کہنے لگے کہ تم ہی ہو جو ہمارے باپ دادا کے معبودوں سے روکتے ہو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: '' نعم! أنا الذي أقول ذلك ''ہاں میں ہی ہوں، یہ سنتے ہی سب کے سب آپ ﷺ پر پل پڑے اور عقبہ بن ابی معیط نے لپک کر آپ کا کپڑا پکڑ لیا اور گلے میں لپیٹ کر بل دیتے ہوئے نہایت سختی سے گلا گھونٹا۔[۳] یہی عقبہ بن أبی معیط (جس کے بارے میں ثمر بن عطیہ کے بقول ﴿إن شانئك هو الأبتر﴾ نازل ہوئی۔[۴] اپنی بدبختی اور خباثت میں بڑھا ہوا تھا۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ بیت اللہ شریف کے پاس نماز پڑھ رہے تھے کہ سجدے کی حالت میں عقبہ بن أبی معیط نے اونٹ کی اوجھڑی لا کر آپ ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان ڈال دیا۔[۵] اور ایک بار عقبہ بن أبی معیط نے نبی ﷺ کے پاس بیٹھ کر کچھ سنا۔ جب یہ بات اس کے دوست ابی بن خلف کو معلوم ہوئی تو عتاب وسرزنش کی اور کہا کہ جاؤ، نبی ﷺ کے چہرے پر تھوک آؤ، یہی اس کا کفارہ ہے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔[۶]

---

[۱] ابن ہشام ۱/۶۵۲، في ظلال القرآن ۶/۵۲۲، الرحیق المختوم ص:۱۳۲، الاصابۃ فی تمییز الصحابہ ۴/۴۰۳، ۶۵۵

[۲] سورۃ اللھب:۴

[۳] (مسند احمد ۲/۳۱۸ بسند صحیح ہیثمی مجمع الزوائد (۶/۱۶) میں لکھتے ہیں: رواه أحمد و قد صرح ابن إسحق بالسماع و بقية رجاله رجال الصحيح۔ پھر فرماتے ہیں: و فی الصحیح طرف منه اس حدیث کا ایک ٹکڑا بخاری میں موجود ہے۔ صحیح بخاری (۳۶۷۸، ۳۸۵۶) ابن کثیر ۳/۱۱۳، صحیح السیرۃ النبویۃ ص:۸۱)

[۴] بحوالہ ابن کثیر (۴/۸۲۰

[۵] بخاری: ۲۴۰، ۳۸۵۴ اللؤلؤ والمرجان: ۲/۱۱۷

[۶] ابن ہشام: ۱/۳۶۱-۳۶۳

امیہ بن خلف بھی کم نہ تھا، وہ اپنے پیش رو کی طرح نبی ﷺ کو ایذاء پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ اس کا وطیرہ تھا کہ جب نبی ﷺ کو دیکھتا تو لعن طعن کرتا، اس کے متعلق ﴿ویل لکل همزة﴾ سورت نازل ہوئی۔[۱]

اخنس بن شریق بھی آپ ﷺ پر زیادتیاں کرتا تھا۔ نبی ﷺ پر زیادتی کرنے میں صنادید قریش کے ساتھ ابوجہل بھی شریک وسہیم تھا۔ گویا اس نے اللہ کی راہ سے روکنے کا بیڑا اٹھا رکھا تھا۔ وہ نبی ﷺ کو اپنی باتوں سے اذیت پہنچاتا۔ نماز سے روکتا۔[۲] ایک روز نبی ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو دشمنی اور سختی پر اتر آیا۔ دھمکیاں دینے لگا۔ اور اس زعم میں آپ کی طرف چلا کہ آپ کی گردن روند دے گا۔[۳] آپ ﷺ کے قریب ہوا کہ فوراً ایڑی کے بل پلٹنے لگا قریش کے لوگوں نے جب اس کی یہ حرکت دیکھی تو پوچھا کہ ابوالحکم (ابوجہل کی کنیت) تمہیں کیا ہوا؟ کہنے لگا: میرے اور اس کے (یعنی نبی ﷺ کے) درمیان آگ کا ایک خندق ہے۔ ہولناکیوں اور پروں کے بازو ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لودنا مني لا ختطفه الملائكة عضوا عضوا'' اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کا ایک ایک عضو اچک لیتے۔[۴] ان کے علاوہ جن لوگوں نے نبی ﷺ کو استہزاء اور سخریہ کا نشانہ بنایا ان میں اسود بن عبد یغوث زہری، ابوزمعہ اسود بن عبدالمطلب اسدي، حارث بن قیس خزاعی اور عاص بن وائل سہمی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک پر ایسی بلا نازل ہوئی جو دیدۂ عبرت اور نصیحت سے بھرپور تھی۔[۵]

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ وہ گروہ جو گھر کے اندر نبی ﷺ کو اذیت دیا کرتا تھا، یہ تھا: ابولہب، حکم بن ابوالعاص بن امیہ، عقبہ بن أبی معیط، عدی بن حمراء ثقفی، ابن الاصداء ھذلی، یہ سب کے سب آپ ﷺ کے پڑوسی تھے۔ ان میں سے حکم بن ابوالعاص کے علاوہ کوئی مشرف بہ اسلام نہ ہوا۔[۶]

۲- نبی ﷺ کے قتل کی تجویز اور بائیکاٹ کا زمانہ:

جور وستم کا یہ سلسلہ نبوت کے چوتھے سال شروع ہوا تھا، اور ابتداء معمولی تھا، مگر دن بہ دن اور ماہ بہ ماہ اس میں شدت آتی گئی یہاں تک کہ نبوت کے پانچویں سال میں اپنے شباب کو پہنچ گیا۔ بالآخر جب قریش کی تمام سازشیں آپ کی ذات مقدس کو مجروح کرنے، اور آپ کو شکست دینے اور دعوتِ اسلامی کو دبانے میں ناکام ہوگئیں تو آپ کے چچا ابوطالب کے پاس آئے اور آپ کا ساتھ چھوڑنے کو کہا۔ ایسا نہ کرنے پر جنگ کی دھمکی دی۔ اور یہ حل پیش کیا کہ ہم

---

۱ ابن ہشام ۱/۳۵۶ ۲ صحیح ترمذی: ۲۶۶۸
۳ بخاری: ۱۹۵۸ ۴ مسلم: ۲۷۹۷، احمد ۲/۳۷۰ الصحیحہ: ۳۲۹۶
۵ تجلیات نبوت، ص: ۹۵ ۶ ابن ہشام ۱/۴۱۶

آپ کو ایک خوبصورت نوجوان دیتے ہیں، آپ اس کو اپنا لڑکا بنا لیجئے اور محمد (ﷺ) کو ہمارے حوالے کر دیجئے تا کہ ہم اسے قتل کر دیں، تا کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ ابو طالب نے اس سے یکسر انکار کر دیا۔[۱] جب قریش اس سازش میں بھی ہر طرح خائب وخاسر اور ناکام ونامراد ہو گئے اور ان کی دھمکی کام نہ آئی تو انہوں نے ایذاء رسانی کا سلسلہ پہلے سے فزوں تر اور سخت تر کر دیا۔ اور آپ ﷺ کے قتل کی ناپاک سازش کرنے لگے اور آپ کے قتل کا عزم مصمم کر لیا۔ یہاں تک کہ ابی بن خلف نے آپ ﷺ کو قتل کرنے کی دھمکی دے ہی دی۔ مگر عرش والے نے اس ناپاک سازش سے آپ ﷺ کو باخبر کیا۔ ﴿أم أبرموا أمرا فإنا مبرمون﴾ [الزخرف: ۷۹] اگر انہوں نے تہیہ کر لیا ہے تو ہم بھی تہیہ کیے ہوئے ہیں۔

اس ناپاک سازش کا ڈر ابو طالب کو بھی ہو رہا تھا۔ چنانچہ انہوں نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کو جمع کر کے یہ عہد و پیمان لیا کہ وہ لوگ اپنے بھتیجے کی حفاظت کریں۔ سوائے ابولہب کے سارے لوگوں نے عہد و پیمان کیا، جس سے مشرکین انگشت بدنداں اور حواس باختہ ہو گئے۔ اور ان کے خلاف خیف بن کنانہ میں سر جوڑ کر ایک ظالمانہ عہد و پیمان کیا کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کا مکمل بائیکاٹ کیا جائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بنو ہاشم اور بنو مطلب کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا گیا۔ اور یہ بائیکاٹ مسلسل تین سال تک باقی رہا۔[۲]

اس کے بعد بھی ظلم وتشدد کا بازار گرم رہا بلکہ اس میں شدت آ گئی۔ اور ابو معیط نامی شخص نے جس نے اب تک نبی ﷺ پر تشدد نہیں کیا تھا، اور نہ ہی آپ ﷺ کو بُرا بھلا کہا تھا اب اس کی یہ جرأت ہو گئی کہ اس نے اپنے ایک دوست کے کہنے پر نبی ﷺ کے چہرۂ انور پر تھوک دیا۔ اور بڑی بھوہڑ گالی دی۔ نبی ﷺ نے اپنے چہرے سے تھوک صاف کیا۔[۳]

۳-ابو طالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات سے ہجرتِ مدینہ تک:

چچا ابو طالب اور جاں نثار وغم گسار بیوی ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد آپ ﷺ نے طائف کا قصد کیا کہ شاید یہ لوگ میری اسلامی دعوت قبول کریں۔ لیکن یہ نہایت نکمے اور بد بخت نکلے اور آپ ﷺ کو اتنا لہولہان کیا کہ جوتے خون سے تر ہو گئے۔ ان تمام مصائب وآلام کے باوجود آپ اپنے مشن میں لگے رہے جس کی

---

[۱] سیرت کے مآخذ میں اس کی تعیین نہیں ملتی۔ قرائن وشواہد سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ۶ نبوت کے وسط کا واقعہ ہے۔ ابن ہشام ۱/۲۶۶-۲۶۷

[۲] بخاری: ۱۳۱۴، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۳۸۸۲، ۴۲۸۴، ۴۲۸۵، ۴۷۴۹، تجلیات نبوت (ص:۱۲۲) الرحیق المختوم (ص:۱۷۱-۱۷۳) صحیح السیرۃ النبویۃ (ص:۱۱۳)

[۳] دلائل النبوۃ لأبی نعیم (۴۰۱) بسند صحیح

وجہ سے مسلمانوں کی تعداد دن بہ دن بڑھتی جارہی تھی۔ جسے دیکھ کر قریش پر جنون طاری ہوگیا۔ چنانچہ یہ لوگ جمعرات ۲۶/صفر سن ۱۴ نبوت کو قریشی پارلیمنٹ ''دارالندوۃ'' میں اکٹھا ہوئے جس میں ابلیس بھی نجد کے ایک شیخ جلیل کی صورت میں موجود تھا۔ لوگوں نے طرح طرح کے مشورے دیئے لیکن شیخ نجدی (شیطان) نے سب کا انکار کردیا پھر ابوجہل نے کہا کہ ہر قبیلے کا ایک شخص تلوار لے کر آپ ﷺ پر بیک وقت وار کرے تاکہ ان کا خون سارے قبیلے پر تقسیم ہوجائے اور عبد مناف سارے قریش سے جنگ نہ کرسکیں گے۔ چنانچہ شیخ نجدی نے اس کی تائید کی اور اس مقصد کے ساتھ سازشی حضرات نے آپ ﷺ کے گھر کا گھیراؤ کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے شر سے بچالیا۔ اور آپ ﷺ اللہ کے حکم سے مدینہ کی طرف ہجرت فرما گئے۔ لیکن اس کے بعد بھی قریش نے آپ کے خلاف سازشیں رچنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا حتی کہ اسلام کا قلع قمع کرنے کے لیے آپ ﷺ سے بڑی بڑی جنگیں لڑیں جن کی تعداد ۱۹ ہیں۔[۱]

۴-ایک ہجری تا صلح حدیبیہ ۶ ہجری:

جب نبی ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو ظلم وستم، جور والم اور سازشوں کے بازار سرد پڑ گئے جن مشکلات اور موامرات کا سامنا آپ ﷺ نے مکہ اور اس کے اطراف میں کیا تھا، وہ آپ کے ذہن سے محو نہیں ہورہا تھا۔ ہجرت کے بعد نبی ﷺ صحابہ کرام کی جھرمٹ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اس موضوع پر گفتگو جاری تھی کہ آپ ﷺ نے فرمایا: '' ولقد أوذيت في الله وما يؤذَى أحد '' مجھے اللہ کی راہ میں جتنی اذیت دی گئی، اتنی اذیت کسی نبی کو نہیں دی گئی۔ تیس ایسے دن گذرے جس میں میرے اور میرے ہمدم بلال رضی اللہ عنہ کے پاس کھانے کے لیے کچھ نہ تھا صرف اتنا اناج تھا جو بلال کی بغل میں اچھی طرح سما سکتا تھا۔[۲]

مدینہ آکر نبی ﷺ نے کچھ راحت کی سانس لی۔ استہزاء وتمسخر کا نشانہ بننے سے قدرے نجات تو حاصل ہوگئی لیکن منافقین[۳] اور یہود کی دسیسہ کاریوں اور سازشوں سے آپ ﷺ نہ بچ سکے۔ بالآخر ان سے تعلقات کو وسیع کرنے کے لیے معاہدہ کرنا پڑا۔ ادھر کفار قریش کو یہ غم کھائے جارہا تھا کہ مسلمان ان کے چنگل سے نکل گئے اور ان کی ستم رانیوں کے تخت مشق نہیں رہے اس لیے بپھرے ہوئے شیر کے مانند مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع

---

[۱] متفق علیہ، اللؤلؤ والمرجان ۱۱۸۸، بخاری: ۳۹۴۹، ۴۴۷۱، مسلم: ۱۲۵۴، صحیح السیرۃ النبویۃ، ص: ۲۱۴

[۲] ترمذی: ۲۴۷۲، ابن ماجہ: ۱۵۱، احمد ۳/۱۳۰، ۲۸۶، ابن حبان ۳۴۲۳، شمائل ترمذی: ۱۱۶، الصحیحۃ: ۲۲۲۲

[۳] بخاری: ۴۵۶۶، مسلم: ۱۷۹۸

کردیں۔[۱] اور نبی ﷺ کے اوپر خطرات کے بادل منڈلانے لگے اسی درمیان اللہ تعالیٰ نے جنگ کی اجازت دے دی۔[۲] اس کے بعد دوہجری میں پہلا معرکہ جوحق و باطل کے درمیان فیصلہ کن معرکہ تھا، پیش آیا جس میں اہل مکہ پوری تیاری اور ساز وسامان کے ساتھ آئے تھے، جس میں معاندین اسلام کو ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا، اور ابوجہل اور امیہ بن خلف سمیت بڑے بڑے صنادید قریش قتل کئے گئے۔[۳] اور بہت سے قید کیے گئے انہی قیدیوں میں سہیل بن عمر وبھی تھا جو بڑا زبان آور خطیب تھا اور آپ ﷺ کو زبانی اذیت پہنچاتا تھا اور آپ کی ہجو کرتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے کہا کہ اس کے اگلے دو دانت تڑوا دیجئے تاکہ آپ کے خلاف کبھی کھڑا نہ ہو سکے لیکن رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ گزارش مسترد کردی کیوں کہ یہ مثلہ کے ضمن میں آتا ہے۔[۴]

جنگ بدر میں شکست کھانے کے بعد پورا مکہ غصہ سے بے تاب تھا اور نبی ﷺ کے دوبارہ قتل کی سازش ہونے لگی۔ غزوہ بدر کے چند دنوں کے بعد کعب بن اشرف کے قتل کا واقعہ پیش آیا۔ فإنه آذى الله ورسوله اس نے اللہ اور اس کے رسول کو سخت تکلیفیں پہنچائی تھیں۔[۵] بعدہ غزوہ احد میں راس المنافقین عبداللہ بن ابی نے تمرد اختیار کیا اور آپ ﷺ سے عین غزوہ کے وقت چھٹک گیا اور تاریخ کے صفحات پر اپنی تمرد وعیاری کے انمٹ نشان چھوڑ گیا۔[۶]

۵ ہجری کے اوائل میں چند یہودی جو قریش سے سانٹھ گانٹھ رکھتے تھے، دھیرے دھیرے ان کی سازشیں اور دسیسہ کاریاں طشت از بام ہونے لگیں۔ وہ بھی آپ ﷺ کے قتل کے درپہ ہوگئے، جو بنونضیر سے معرکہ آرائی کا سبب بنا۔[۷] ان ابتدائی غزوات کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان دھیرے دھیرے مضبوط ہونے لگے اور معاندین اسلام تھک ہار گئے۔ اب ان کے اندر وہ جوش وہ ولولہ اور وہ قوت نہیں رہی جو شروع شروع میں اسلام کی بیخ کنی کے لیے تھی لیکن ایسا بھی نہیں کہ وہ ہتھیار ڈال دیں بلکہ جہاں موقع پاتے اسے بھنانے کے چکر میں پڑ جاتے۔ واقعۂ افک عبداللہ بن ابی

---

[۱] رحمۃ للعالمین ۱/۱۱۶

[۲] نسائی: ۳۰۸۷ بسند صحیح فتح الباری ۷/۲۸۰، صحیح السیرۃ النبویۃ: ۲۱۱]

[۳] بخاری: ۳۹۸۸، مسلم: ۱۷۵۲، ابن ہشام: ۱/۶۳۲، صحیح السیرۃ النبویہ، ص: ۲۴۳

[۴] ابن ہشام ۱/۴۹۹

[۵] بخاری: ۴۰۳۷، مسلم: ۱۸۰۱، ابوداؤد: ۴۰۰۰، مجمع الزوائد ۶/۱۹۵

[۶] بخاری: ۴۰۷۲، مسلم: ۱۷۹۰، اللؤلؤ والمرجان: ۱۱۶۹

[۷] ابوداؤد: ۳۰۰۴ صحیح الاسناد

جیسے منافقین کی کارستانیوں کی ایک کڑی تھی۔[۱]

۵-صلح حدیبیہ ۶ ہجری تا فتح مکہ ۸ ہجری:

صلح حدیبیہ کے ایک سال بعد ۷ ہجری میں مدینہ سے شمال کی جانب کوئی ۸۰ میل کے فاصلہ پر خیبر مقام آباد تھا، جو یہود کی آبادی اور فوجی انگیخت کا مرکز تھا۔ یہاں کے یہودی بھی سر اٹھانے لگے اور آپ ﷺ کو قتل کرنے کی سازش کرنے لگے بایں طریقہ کی نبی ﷺ کو گوشت میں زہر ملا کر کھلا دیا۔[۲] جس سے آپ ﷺ کے ایک صحابی بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ داغ مفارقت دے گئے۔[۳] اس زہر کی تاثیر اتنی شدید تھی کہ آپ ﷺ مرض الموت میں بھی محسوس کرتے رہے۔[۴]

اور اسی سال غزوۃ ذات الرقاع میں آپ ﷺ نے غورث بن حارث کو بھی معاف فرما دیا جس نے نبی ﷺ پر ننگی تلوار سونت کر کہا کہ من يمنعك مني اب تجھ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ بالآخر نبی ﷺ نے اس کے ساتھ عفو و کرم کا معاملہ کیا۔ اور کوئی انتقام نہیں لیا۔[۵]

بالآخر اللہ رب العالمین نے حق کو لوگوں کے لیے واضح کر دیا اور فتح مکہ کے موقع پر اپنے رسول ﷺ کی زبانی اعلان کرا دیا کہ ﴿ جاء الحق و زهق الباطل إن الباطل كان زهوقا﴾ [الإسراء: ۸۱] حق آ گیا اور باطل چلا گیا اور باطل جانے ہی والا ہے۔

آپ ﷺ اسی مکہ میں جہاں سے آپ کی قوم نے نکالا تھا، فاتحانہ انداز میں داخل ہو رہے ہیں اور پورے مکہ کا اقتدار آپ کے دستِ مبارک میں ہے۔ اسلام کا علم خانہ کعبہ کے اوپر لہرا رہا ہے۔ اذان بلالی کی صدا گونج رہی ہے۔ آپ کے ساتھ ظلم و ستم اور زیادتی کا معاملہ کرنے والے سارے دشمنان اسلام بے بس سر جھکائے قطار میں کھڑے ہیں۔ آپ ﷺ نے کوئی انتقام نہیں لیا نہ ہی ان لوگوں کا شیوہ اختیار کیا جن کے بارے میں قرآن کہتا ہے: ﴿ إن الملوك إذا دخلوا قرية أفسدوها وجعلوا أعزة أهلها أذلة﴾ [النمل: ۳٤] بے شک بادشاہ جب کسی

---

[۱] سورۃ النور: ۱۱-۲۰، بخاری: ۴۱۴۱، مسلم: ۲۷۷۰، ترمذی: ۳۱۸۰

[۲] بخاری: ۳۱۶۹، ۴۲۴۹، ۵۷۷۷

[۳] ابوداؤد: ۴۵۱۱، ۴۵۱۲ حسن صحیح

[۴] بخاری: ۴۴۲۸، احمد ۶/ ۱۸

[۵] بخاری: ۲۹۱۰، ۲۹۱۳، ۴۱۳۴، ۴۱۳۵، ۴۱۳۶ مسلم: ۸۴۳، اللولو والمرجان: ۴۸۴

بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے تاراج کر دیتے ہیں، اور وہاں کے باعزت لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔ اس کے برخلاف آپ ﷺ نے وہ طریقہ اختیار کیا جو آپ کے رحمۃ للعالمین ہونے کا ثبوت اور پوری دنیا کے لیے آپ کے اخلاق کا آئینہ دار ہے۔ آپ نے تمام مجرموں کو معاف کر دیا اور ببانگ دہل اعلان کیا۔ اور وہی الفاظ آپ ﷺ کی زبان سے ادا ہوئے جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے لیے کہا تھا﴿ لا تثريب عليكم، وهو أرحم الراحمين﴾ [يوسف: ٩٢]

٦-فتح مکہ کے بعد سے وفات تک:

فتح مکہ کے بعد اسلام کا غلبہ ہو گیا اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔ مگر وہ لوگ جن کے رگ و ریشے میں عداوتِ رسول گھٹی کی طرح گھول دی گئی تھی چین سے نہ بیٹھے اور تیسری بار نبی ﷺ کو اغوا اور قتل کرنے کی سازش کرنے لگے۔ یہ المناک واقعہ تبوک ۹ ہجری سے واپسی پر پیش آیا۔ اس وقت آپ کے ہمراہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ تھے۔[1] اس واقعہ سے متعلق اللہ رب العالمین کا یہ ارشاد نازل ہوا۔﴿وهموا بما لم ينالوا﴾ [التوبة: ٧٤] انہوں نے اس کام کا قصد کیا جسے وہ نہ پا سکے۔

اب تمام امور سے فارغ ہو کر نبی کریم ﷺ ۱۰ ہجری میں حجۃ الوداع کی ادائیگی کے لیے نکلے۔ حج ادا کیا۔ اس کے چند ماہ بعد آپ ﷺ بیمار ہوئے اور پھر نزع کی حالت طاری ہو گئی اور سوموار ۱۲/ ربیع الاول ۱۱ ہجری کو آپ ﷺ اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے، اس وقت آپ ﷺ کی عمر ۶۳ سال تھی۔[2] صلى الله عليه وسلم۔

☆☆☆

[1] احمد ۵/۴۵۳، رجالہ ثقات، مجمع الزوائد ۶/ ۱۹۵، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے تفسیر (۲/ ۵۵۰) میں شواہد کی بنیاد پر صحیح قرار دیا ہے۔ شواہد کے لیے دیکھیں مسلم: ۲۷۷۹]

[2] بخاری: ۳۵۳۶، ۴۴۶۶، مسلم: ۲۳۴۹

اسلامی عدل کی ہمہ گیری

تحریر: عبدالسمیع محمد ہارون انصاری سلفی
مدھوبنی، بہار

عدل اسلام کی اہم ترین اساسی تعلیمات میں سے ہے۔ یہ بے حد وسیع معنی ومفہوم کا حامل ہے اسی اعتبار سے اس کی ہمہ گیریت بھی ہے۔ بغیر کسی تمہید کے اس کی ہمہ گیریت و وسعت کو سمجھنے کے لیے ہم اسے جستہ جستہ چند اہم عناوین کے تحت اس کی تقسیم و وضاحت ضروری سمجھتے ہیں۔ مثلا

۱- عدل کا معنی ومفہوم
۲- اسلام میں عدل کی اہمیت: **الف**: قرآنی آیات، اور **ب**: احادیث نبویہ کی روشنی میں
۳- اسلامی عدل: اسلامی حکومت کی بنیاد
۴- اسلامی عدل نہ صنف نازک اور سماج کے کمزور افراد
۵- اسلامی عدل پر مبنی مسلم حکمرانوں کے بعض واقعات
۶- اسلامی عدل اور غیر مسلم رعایا
۷- اسلامی عدل اور موجودہ جرائم
۸- اسلامی عدل موجودہ دور کی ضرورت
۹- خلاصہ

۱- عدل کا معنی ومفہوم:

عدل کا معنی انصاف ہے، جو دوست و دشمن، اپنے، بیگانے اور قوی وضعیف ہر ایک کے ساتھ کیا جائے۔ اس میں طرفداری نہ ہو۔ اس کا ایک معنی اعتدال بھی ہے اس کی رو سے کسی بھی معاملہ میں افراط وتفریط سے کام نہ لیا جائے حتی کہ دین کے معاملے میں بھی نہیں کہ دین میں افراط غلو ہے اور تفریط کوتاہی اور یہ دونوں ہی از حد مہلک ہیں۔ صاحب ترتیب القاموس المحیط رقمطراز ہیں: اَلْعَدْلُ ضِدُّ الجَوْرِ۔ یعنی عدل ظلم کی ضد ہے۔ (ظلم یہ ہے کہ ایک شئ کو اس کے مناسب مقام کے بجائے غیر مناسب مقام پر رکھا جائے۔ یوں عدل کا معنی مزید واضح ہو جاتا ہے کہ عدل شئ کو

اس کی صحیح جگہ پر رکھا جائے اور حقدار کو اس کا حق دیدیا جائے)۔آگے لکھتے ہیں: عدل الحكم تعديلا: أقامة، الميزان: سواه۔ اسی سے اعتدال ہے جس کا مطلب افراط وتفریط سے پاک ہونا ہے۔نہ کسی کے حق میں کمی و زیادتی اور نہ کسی کے حق میں طرفداری وغلو۔(ملخصاج ۳،ص:۱۷۲)

امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ سورہ فاتحہ کی تفسیر میں رقمطراز ہیں: عدل کے معنی ہیں برابر ہونا، کم زیادہ نہ ہونا۔ اسی لیے فیصلہ کردینے کو عدالت کہتے ہیں۔ترازو کی تول کو معادلت کہتے ہیں کیونکہ وہ دو پلّوں کا وزن برابر کردیتا ہے۔ پھر لکھتے ہیں: ''اب غور کرو کارخانۂ ہستی میں بناؤ اور خوبی کے جس قدر مظاہر ہیں کس طرح اسی حقیقت سے ظہور میں آئے ہیں۔وجود کیا ہے؟ حکیم بتلاتا ہے کہ عناصر کی ترکیب کا اعتدال ہے۔اگر اس اعتدالی حالت میں ذرا بھی فتور واقع ہوجائے وجود کی نمود معدوم ہوجائے۔جسم کیا ہے؟ جسمانی مواد کیا ایک خاص اعتدالی حالت ہے۔اگر اس کا کوئی ایک جزء بھی غیر معتدل ہوجائے جسم کی ہیئت بگڑ جائے۔صحت کیا ہے؟ اخلاط کا اعتدال ہے۔حسن و جمال کیا ہے؟ اعتدال کی ایک کیفیت ہے۔اگر انسان میں ہے تو وہ خوبصورت ہے۔نباتات میں ہے تو وہ پھول ہے۔عمارت میں ہے تو وہ تاج محل ہے۔یہی حال کارخانۂ ہستی کا ہے۔اگر یہ نہ ہوتو سارا نظام کائنات درہم برہم ہوجائے۔آگے لکھتے ہیں: قرآن کہتا ہے جب عدالت کا یہ قانون جب پوری کائنات کو محیط ہے تو انسانی افکار واعمال کیوں کر مستثنیٰ ہو۔پس اس گوشہ میں وہی عمل مقبول ہے جو عدل پر مبنی ہو اور اسی کو عمل صالح کہا گیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن نے بدعملی اور برائی کے لئے جتنی بھی تعبیرات اختیار کی ہیں سب ایسی ہیں کہ اگر ان کے معانی پر غور کیا جائے تو عدل وتوازن کی ضد اور مخالف ثابت ہوں گی۔گویا قرآن کے نزدیک برائی کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ حقیقت عدل سے انحراف ہو مثلاً ظلم، طغیان، اسراف، تبذیر، فساد، اعتداء اور عدوان۔(وف،ص:۱۱۹)

۲-اسلام میں عدل کی اہمیت:

احکام اسلام میں عدل کو اساسی اہمیت حاصل ہے۔پھر عدل کی مختصر تشریح سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام میں اس کی وسعت وہمہ گیریت کتنی ہے۔اللہ نے جب یہ فرمایا: ﴿إن الله يأمر بالعدل﴾ [١٦/ ٩٠] اور نبی ﷺ کی زبانی یہ کہا گیا: ''و أمرت لا عدل بينكم'' (۴۲/ ۱۵) تو اس سے بھی معلوم ہوا کہ بعثت نبوی ﷺ کا ایک بنیادی مقصد قیام عدل ہے۔آگے چند قرآنی آیات اور پھر احادیث نبویہ کی روشنی میں عدل کی اہمیت وعظمت اور فضیلت کا بیان ہوتا ہے:

۱- اللہ نے فرمایا: ﴿إن الله يامر بالعدل والإحسان..... إلى قوله تعالىٰ .....لعلكم

تذکرون﴾ [۱۶/ ۹۰] ''یعنی اللہ تعالیٰ عدل کا بھلائی کا اور قرابت داروں کے ساتھ (حسن) سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی کے کاموں، ناشائستہ حرکتوں اور ظلم وزیادتی سے روکتا ہے۔ وہ خود تمہیں نصیحت کررہا ہے کہ تم نصیحت حاصل کرو۔'' حافظ ابن کثیرؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ یہ قرآن کی ایک جامع ترین آیت ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اللہ نے یہاں تمام اچھے اخلاق کا حکم اور بُرے اخلاق سے بچنے کی تاکید کی ہے۔ اہم اور بے حد جامع اخلاق میں عدل کا حکم سب سے پہلے ہے۔ اس سے عدل کی جامعیت وہمہ گیریت اور اہمیت دونوں معلوم ہوتی ہے۔

۲- نبی ﷺ سے اللہ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وقل آمنت بالله بما انزل الله من كتاب وامرت لا عدل بينكم ....إلى قوله تعالى.....وإليه المصير﴾ [۴۲/ ۱۵] ''یعنی اور کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں میرا ان پر ایمان ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تم میں انصاف کروں، کرتا رہوں، ہمارا اور تم سب کا رب اللہ ہی ہے۔ ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے ہیں۔ ہم تم میں کوئی کٹ حجتی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی کی طرف لوٹنا ہے''۔ صاحب تفہیم کے مطابق ''وامرت لاعدل بينكم'' انتہائی جامع فقرہ ہے، اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ میں ساری گروہ بندیوں سے الگ رہ کر انصاف پسندی اختیار کرنے پر مامور ہوں۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ میں جس حق کو تمہارے سامنے پیش کرنے پر مامور ہوں اس میں کسی کے لیے کوئی امتیاز نہیں۔ تیسرا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں عدل قائم کرنے پر مامور ہوں۔ ایک مطلب یہ ہے کہ میں اللہ کا مقرر کردہ جج اور قاضی ہوں جن پر ہر کسی کے ساتھ انصاف کرنے کی ذمہ داری ہے''۔ (ص: ۹۷۷)

۳- عام مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ ہر کسی کے ساتھ انصاف کرنے کی تاکید کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿يا ايهاالذين آمنوا كونوا قوامين لله شهداء بالقسط ولا يجرمنكم شنأن قوم على ان لا تعدلوا اعدلوا هو أقرب للتقوىٰ....﴾ [۵/ ۸] ''یعنی اے ایمان والو! تم اللہ کی خاطر انصاف کے ساتھ حق پر قائم ہوجاؤ۔ راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ۔ کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل وانصاف پر نہ آمادہ کرے۔ عدل کیا کرو جو پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ یقین مانو کہ اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔''

۴- اور فرمایا: ﴿يا ايهاالذين آمنوا كونوا قوامين بالقسط شهداء لله ولو على انفسكم

اوالوالدین والأقربین... الآیة﴾ [٤/ ١٣٥] ''یعنی اے ایمان والو! عدل وانصاف پر مضبوطی سے جم جانے والے اور مرضیٔ مولا کے لیے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ، گو وہ خود تمہارے اپنے خلاف ہو یا اپنے والدین کے یا رشتہ دار عزیزوں کے، وہ شخص اگر امیر یا فقیر ہو تو دونوں کے ساتھ اللہ کو زیادہ تعلق ہے اس لیے تم خواہش نفس کے پیچھے پڑ کر انصاف نہ چھوڑ دینا اور اگر تم نے کج بیانی یا پہلو تہی کی تو جان لو کہ تم جو کچھ کرو گے اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے''۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے عدل کے تعلق سے بڑا وسیع اور متعدد احکامات دیئے ہیں، حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ رقمطراز ہیں: اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: (۱) ہر حال میں عدل کرو اس سے سرِ مو انحراف نہ کرو، کسی ملامت گر کی ملامت اس میں رکاوٹ نہ بنے بلکہ اس کے قیام میں ایک دوسرے کے معاون بنو (۲) اس میں صرف اللہ کی رضا تمہارے سامنے ہو کیونکہ اسی صورت میں تم تحریف وتبدیل اور کتمان سے گریز کرو گے اور پورا پورا انصاف کرسکو گے۔ (۳) عدل کی زد اگر تم پر یا تمہارے والدین یا دیگر قریبی رشتہ داروں پر بھی پڑے، تب بھی تم پرواہ مت کرو اور اپنی اور ان کی رعایت کے مقابلے میں عدل کے تقاضوں کو اہمیت دو (۴) کسی مالدار کو اسکی تونگری کی وجہ سے رعایت نہ کرو اور کسی تنگ دست کے فقر سے خوف نہ کھاؤ۔ کیونکہ وہی جانتا ہے کہ ان دونوں کی بہتری کس میں ہے؟ (۵) فیصلے میں خواہش نفس، عصبیت اور دشمن آڑے نہیں آئیں۔ ان سب کو نظر انداز کر کے بے لاگ عدل کرو۔ (ظاہر ہے یہ ہمہ گیر اور ہمہ جہت عدل ہے جو جنت نظیر معاشرہ کی اساس ہے) (ص:۲۷۱)

۵- ایک اور جگہ حکم ہے: ﴿إن الله يأمركم ان تؤدوا الامانات إلى أهلها و إذا حكمتم بين الناس ان تحكموا بالعدل﴾ [٤/ ٨] ''یعنی بے شک اللہ تم لوگوں کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ۔ اللہ تم کو نہایت عمدہ نصیحت کرتا ہے اور یقیناً اللہ سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے۔'' آیت کا شان نزول معروف ہے کہ فتح مکہ کے موقع سے خانہ کعبہ کی کلید برداری کا معاملہ آیا۔ عثمان بن طلحہ جو اس وقت کافر تھے ان سے کلید لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ نے مسلمانوں کے حوالے کرنے کی نبی ﷺ سے گذارش کی۔ آپ ﷺ نے عدل وامانت کا لحاظ کرتے ہوئے ایک کافر مشرک کو بہ تقاضائے انصاف اس کے حوالے کر دیا۔

٦- انصاف ہر کسی کے ساتھ ہو اور ہر طرح سے ہو اور وہ عمل سے بھی ہو اور قول سے بھی۔ اللہ نے فرمایا: ﴿واوفوا المكيال والميزان بالقسط۔ لانكلف نفسا إلا وسعها و إذا قلتم فاعدلوا ولوكان ذا قربى...﴾ [٦/ ١٥٢] ''یعنی اور ناپ تول پوری کرو انصاف کے ساتھ ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ

مکلّف نہیں کرتے۔اور جب تم بات کرو تو انصاف کرو گو وہ قرابت دار ہی کیوں نہ ہو۔''

۷- سورۃ رحمان میں ارشاد ہے: ﴿والسماء رفعها ووضع الميزان۔ وأقيموالوزن ولا تخسروالميزان﴾ ''یعنی آسمان کو اس نے بلند کیا اور میزان قائم کردی۔اس کا تقاضا یہ ہے کہ تم میزان میں خلل نہ ڈالو۔انصاف کے ساتھ تولو اور ڈنڈی نہ مارو۔''

صاحب تفہیم مولانا مودودیؒ رقمطراز ہیں کہ قریب تمام مفسرین نے یہاں میزان سے عدل مراد لیا ہے۔ مطلب ہے کہ اللہ نے پورے نظام کائنات کو عدل پر قائم کیا ہے۔آسمان، زمین، سورج، چاند، تارے، سیارے اور دیگر تمام مخلوقات کے درمیان عدل واعتدال ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو سارا نظام درہم برہم ہو جاتا۔اس لیے اے مسلمانو تم کو بھی اپنی حقیقی اور وسیع فلاح کے لیے عدل پر قائم رہنا چاہئے بصورت دیگر تم بھی خسران وبحران سے دوچار ہوگے۔ (ملخصا،ص:۹۹) قرآن میں یوں متعدد جگہ عدل کا حکم آیا ہے مثلا: ۶۰/ ۸،۴/ ۱۵،۱۱/ ۸۵،۵/ ۴۱،۴۹/ ۹،۴/ ۱۷۷، ۴/۱۱۴،۲۳/ ۶۲،۲/ ۱۲۸،۸/ ۱۵۰ وغیرہ وغیرہ۔ مشتے نمونہ کے مطابق عدل کی اہمیت ووسعت ان چند قرآنی آیات سے معلوم ہوتی ہے۔آگے چند احادیث نبویﷺ کا ذکر ہوتا ہے:

نبیﷺ نے عدل وانصاف کا حکم ہر کسی کے ساتھ کرنے اور ظلم سے بچنے کی بکثرت تاکید کی ہے۔عادل کے اعلیٰ وبالا مقام اور ظالم کے از حد بدترین انجام کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہاں ان کا احاطہ تو ناممکن ہے تاہم چند کا بیان ہوتا ہے۔

۱- صحیحین میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیﷺ نے فرمایا: ''سبعة يظلهم الله فى ظله يوم لا ظل إلا ظله....'' یعنی اس دن جب اللہ کے سوا کسی کا سایہ نہ ہو اللہ اپنے سائے میں سات خوش نصیبوں کو سایہ فراہم کرے گا۔(ان میں سب سے پہلے آپ نے امام عادل کا نام لیا) دوسرے لوگوں میں نوجوان عابد، اللہ کے لیے محبت وعداوت رکھنے والا، وہ جس کا دل ہر وقت مسجد سے مُعلق رہتا ہے۔اللہ کے ڈر سے بدکاری ترک کرنے والا، خفیہ طور پر صدقہ کرنے والا اور تنہائی میں اللہ کو یاد کرکے رونے والا)۔

۲- صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیﷺ نے فرمایا: ''إن المقسطين عندالله على منار من نورالذين يعدلون فى حكمهم و أهليهم وما ولوا'' یعنی بے شک انصاف کرنے والے اللہ نے نزدیک قیامت کے دن نور کے منبروں پر ہوں گے.....الحدیث۔صحیحین کی دوسری حدیث میں انصاف کرنے والے کا مقام یوں بھی بتایا گیا ہے۔

۳-حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''إنما الإمام جنة يقاتل من ورائه ويتقى به فإن امر بتقوى الله وعدل فإن له بذلك أجران وان قال بغيره ''یعنی بے شک امام ڈھال ہے اس کی قیادت میں قتال کیا جاتا ہے اور اس کے ذریعہ بچاؤ کیا جاتا ہے اگر وہ تقوی الٰہی اور عدل کا حکم کرتا ہے تو اس کے لیے اجر ہے، برعکس صورت میں وبال ہے۔

عدل اور عادل کے مقام اور ہر کسی کے ساتھ اسے برتنے کی تاکید یہاں تک کہ خود کے اعضاء جسمانی کے ساتھ بھی انصاف اور ادائیگی حق کی تاکید سے حدیثیں بھری پڑی ہیں، وہیں عدل کا گلا گھوٹنے والے، ظالم ومفسد کا انجام بد کا بھی بار بار ذکر ہے۔ مثلاً صحیح مسلم کی معروف حدیث ہے آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے پوچھا کہ: أ تدرون المفلس.....الحديث یعنی مفلس جانتے ہو کون ہے؟ صحابہؓ نے بتایا ہم میں مفلس وہ ہے جن کے پاس مال ودولت نہ ہو۔ آپ نے فرمایا نہیں، میری امت میں مفلس وہ ہے جس نے دنیا میں کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی کیا ہوگا اور وہ قیامت کے دن ڈھیر سارے اعمال کے ساتھ آئے گا، اللہ اس کے نیک اعمال چھین کر مظلوموں کو دیدے گا۔ مظلوموں کا بدلہ پھر بھی اگر باقی رہ جائے گا تو ظالم کے اوپر ان کے گناہوں کا بوجھ لاد دیا جائے گا اور یوں وہ قلاّش ومفلس نیکیوں سے خالی اور برائیوں کا بوجھ لئے جہنم میں ڈالا جائے گا۔ احادیث نبویہ کی روشنی میں عدل کی اہمیت ووسعت کا اندازہ آئندہ سطور میں مزید ہوگا۔

عدل اسلامی حکومت کی بنیاد:

عدل وانصاف کو اسلام میں اساس کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے معنی ومفہوم اور چند آیات واحادیث سے اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے جس دین وشریعت کے ساتھ حضرت محمد ﷺ کو مبعوث کیا اور آپ ﷺ نے اور پھر آپ ﷺ کے بعد جس نے اسلامی حکومت کی قیادت کی اس کو حکم الٰہی ہے کہ وہ اس کی بنیاد عدل وانصاف پر رکھیں، یہی نہیں ہر دور اور ہر معاشرہ میں مسلم حکومت اور اسلامی معاشرہ سے یہی مطلوب ہے اور وہ اس پر عامل بھی رہا ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ کی سیرت میں واضح نقوش جا بجا موجود ہیں کہ آپ ﷺ نے دوست دشمن، اپنے بیگانے، مسلم غیر مسلم، قریب بعید اور مرد عورت سب کے ساتھ قولاً وعملاً ہر طرح سے انصاف برتا۔ آپ ﷺ انسان تھے عالم الغیب نہیں۔ قضا وفیصلہ کے موقع پر آپ ﷺ فرماتے تھے کہ میں انسان ہوں ظاہر ثبوت کی بنیاد پر فیصلہ کرتا ہوں پھر بھی اگر کوئی ظالم انصاف پا جائے تو وہ یہ نہ سمجھے کہ اس کے ساتھ انصاف ہوا اور وہ حق پر ہے۔ بخدا اس سے قیامت کے دن سخت باز پُرس ہوگی۔ نبی ﷺ کا یہ فرمان کہ سنو تم میں سے ہر کوئی ذمہ دار ہے اور اس سے اس

کی ذمہ داری کی بابت سوال ہوگا۔ یہ جامع فرمان بتلاتا ہے کہ آپ ﷺ نے ہر کسی کو دوسرے کے تئیں اس کے اوپر عائد ہونے والے حق اور ذمہ داری سے متنبہ کرتے ہوئے اس کی ادائیگی اور اس میں عدل وانصاف برتنے کا حکم دیا ہے وہ بلاشبہ ہمہ گیر وہمہ جہت ہے اور پورے اسلامی معاشرہ کو محیط کئے ہوئے ہے۔ اسی پر بس نہیں ہے والدین، اولاد، قرابت دار، ہمسایہ، غیر مسلم، غرباء فقراء، مسافر ومحتاج وغیرہ کے حقوق کی بابت کتاب وسنت میں بے حد تفصیل اور تاکید ہے وہ سبھی اس حقیقت کو مزید واضح کرتے ہیں۔ آنے والے سطور میں اس کی مزید وضاحت ہوگی کہ حقیقت میں اسلامی حکومت کا وہ دور جو خیر القرون تھا وہ بلاشبہ عدل کی برکت سے بھی تھا۔

اسلامی عدل اور صنف نازک:

عدل وانصاف کی حمایت ہر کوئی کرتا ہے، کرنا چاہئے اور لوگ کوشش بھی کرتے ہیں۔ یہ عام حالات میں سہل ضرور ہیں مگر اس وقت مشکل صورت ہوتی ہے جب انصاف کا متقاضی دشمن، کمزور یا پھر بیگانہ ہو۔ اور یہیں پر عدل کی بابت اصل آزمائش ہے اور یہیں پر اصلاً مطلوب بھی ہے۔ گذشتہ سطور میں چند قرآنی آیات میں واضح طور پر مسلمانوں کو ان تمام باتوں کی خصوصی تاکید ہے کہ تم ہر کسی کے ساتھ انصاف کرو خواہ دوست ہو یا دشمن، اپنا ہو یا بیگانہ، قوی ہو یا ضعیف اور مرد ہو یا عورت۔ عورت انسانی معاشری کا نصف حصہ ہے۔ اُردو میں اس کی خوبصورت تعبیر صنف نازک کے لفظ سے کیا گیا ہے جو اس کی نزاکت اور ضعف کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور انسانی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ماضی سے حال تک کے بیشتر ادوار میں صنف نازک عموماً ظلم وزیادتی اور انصاف کی شکار ہوئی ہے۔ اسلام کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس نے اس کمزور صنف کے ساتھ مکمل انصاف برتا، مظالم سے نجات دی اور ہمیشہ اپنے ماننے والوں کو اس کے ساتھ انصاف برتنے کی تاکید کی۔ مگر کور چشم اور بصیرت سے محروم اعداء اسلام شریعت الٰہیہ پر جو چند بڑے اعتراضات کرتے اور الزامات عائد کرتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اسلام نے عورتوں کے ساتھ سخت ناانصافی برتی ہے اور اس پر جا بہ جا ظلم وزیادتی کی ہے۔ العیاذ باللہ

اسلام نے عورتوں کو ماں، بہن، بیوی اور بیٹی وغیرہ ہر شکل میں جس قدر حسن سلوک کی تاکید کی ہے اس کی تفصیل کتاب وسنت میں موجود ہے اور اس بنیاد پر اولاً ٹھونک کر یہ دعویٰ تو کیا ہی جاسکتا ہے کہ بلاشبہ اسلام نے اس نازک صنف کو وہ تمام حقوق دیئے ہیں جو عدل کا متقاضی ہے۔ غور کریں عرب معاشرہ میں جہاں عورت انتہائی ذلیل تھی، ظلم اور ناانصافی کی شکار تھی آپ ﷺ کا یہ فرمان ''حب إلی من دنیاکم ثلاث الطیب والبناء و جعلت قرت عین فی الصلاۃ'' اسے کتنا عظیم مقامِ عزت بخشتا ہے۔ رب کی بے شمار نعمتوں سے بھری اس دنیا میں خوشبو

کے ساتھ عورت آپ کو سب سے زیادہ محبوب تھی۔عورت کو اس کے مختلف روپ میں انصاف اور عزت بخشنے کا جو کام اسلام نے کیا ہے کیا دوسرا کوئی تصورت بھی کرسکتا ہے؟ عورتوں کو اس کے ہر ایک روپ میں اسلام نے جو حق اور انصاف دیا ہے اس کی سرسری تفصیل بھی یہاں ناممکن ہے ہم آگے سرسید احمد خاں کے ایک مضمون سے چند نکات نقل کر رہے ہیں جس میں انہوں نے قدرے شرح وبسط کے ساتھ اس بابت اسلام اور اغیار کے تناظر میں اس کا تقابلی جائزہ پیش کیا ہے اور بتایا ہے کہ کل بھی اور آج بھی جب کہ انسانی سماج خود کو تعلیم یافتہ، ترقی یافتہ اور بیدار و منصف تصور کرتا ہے حقیقت میں عورتوں کے ساتھ کھلی ناانصافی کرتا ہے۔سرسید احمد خاںؒ رقمطراز ہیں:

۱-اسلامی عورت کمتر اور حقیر کبھی نہیں رہی اسلام نے دونوں کو انصاف کے ساتھ برابر کا درجہ دیا۔(شادی سے قبل ''اتقوا الله و اعدلوا بين اولادكم'' کا جس طرح حکم ہے اور لڑکے کی طرح لڑکی کے ساتھ بھی انصاف کی، اور اللہ سے ڈرنے کی تاکید ہے شادی کے بعد بھی اس کا حکم اس کے والدین کو ہو)۔

۲-نابالغ مرد کی طرح نابالغ عورت بھی بے اختیار اور ناقابل معاہدہ ہے۔

۳-شادی کے معاملے میں مرد اور عورت دونوں کو برابر کا اختیار ہے۔

۴-عورت کو اپنی جائداد اور ملکیت پر اختیار ہے وہ خود اس کی مالک ومختار ہے۔خواہ شادی سے قبل ہو یا بعد۔

۵-وہ اپنے مال میں سے ہر ایک چیز اپنے اختیار سے خرید اور بیچ سکتی ہے۔

۶-وہ مثل مرد کے ہر قسم کے معاہدے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

۷-وہ مثل مرد کے ہر قسم کی جائیداد کو ہبہ اور وصیت کرسکتی ہے۔

۸-وہ مثل مرد کے دعوی کرسکتی ہے اور اس پر دعویٰ بھی ہوسکتا ہے۔

۹-وہ شوہر اور رشتہ داروں کی جائیداد میں سے بہ ترتیب حق میراث پاسکتی ہے۔

۱۰-وہ تمام گناہوں کی سزا اور نیکیوں کا بدلہ دنیا اور آخرت دونوں میں پاسکتی ہے جو مرد پاسکتا ہے۔(فاروقی تنظیم ۹/۳/۱۳) یوں اسلام نے اس نازک صنف کے ساتھ اسے ہر روپ میں انصاف بہم پہونچایا ہے۔

اسلامی عدل پر مبنی مسلم حکمرانوں کے چند واقعات:

صحیح مسلم میں اسلامی تاریخ کا یہ مشہور واقعہ مذکور ہے کہ نبی ﷺ کے دور میں ایک اعلیٰ خاندان کے کسی فرد نے چوری کی۔آپ ﷺ نے از روئے عدل اسلامی اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا۔کچھ لوگ آپ ﷺ کے پاس سفارش لے کر آئے۔خاندان اور حیثیت کا حوالہ دیکر معافی کی درخواست کی۔بات نہیں بنی۔بعد میں ان لوگوں نے

آپ ﷺ کے محبوب صحابی حضرت اسامہؓ کو بھیجا شاید محبوبیت کے سبب مان جائیں مگر نہیں۔ آپ ﷺ نے اسلامی عدل کا وہ فرمان جاری کیا جو اسلامی تاریخ میں ہمیشہ تاباں و درخشندہ بن کر رہے گا آپ ﷺ نے فرمایا: ''لو أن فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت یدھا'' اگر فاطمہؓ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو انصاف کی رو سے میں اس کا بھی ہاتھ کاٹتا'' (ہم سے قبل جو لوگ ہلاک ہوئے اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان میں جب بڑے اور طاقت ور لوگ جرم کرتے تو اس کی گرفت نہیں ہوتی ہے۔ انصاف کی لاٹھی صرف کمزوروں پر چلتی تھی) یوں آپ ﷺ نے چور کا ہاتھ کاٹ کر انصاف کیا۔ نبی ﷺ کی سیرت میں اس طرح کی اور بھی مثالیں موجود ہیں۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے علاوہ حضرت عمر بن خطاب اور بعد کے خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی سیرت میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ خیر سے یہ سب ادوار خیر القرون تھے۔ اس لیے عام لوگوں کے لیے خاص بات نہ ہو۔ مگر نہیں بعد کے سلاطین کے دور میں جب کہیں نہ کہیں مسلمانوں کے ایمان میں ضعف داخل ہو گیا تھا تب بھی وہ حکمراں اسلامی عدل پر قائم و دائم رہتے تھے۔ ان متعدد و بے شمار واقعات میں ایک یہاں نقل ہوتا ہے جو بلاشبہ بصیرت افروز بھی ہے اور عبرت آموز بھی:

بنوامیہ کے دو خلافت میں محمد بن علی ایک بہت بڑے عالم تھے۔ یہ سلطنت کے قاضی القضاۃ تھے۔ عام و خاص ہر کوئی ان کی عزت کرتے اور بے حد عقیدت رکھتے تھے کہ یہ انصاف کرنے میں بڑے مشہور تھے۔ ان کا ایک لڑکا عبداللہ نام کا تھا۔ اسپین کی ایک خوبصورت عیسائی لڑکی عذرا کے عشق میں گرفتار ہو گئے۔ لڑکی بھی اسے بہت چاہتی تھی وہ اپنے خاندان والوں سے فرار ہو کر عبداللہ کے پاس آ گئی۔ اس کا سارا خاندان عبداللہ کا دشمن ہو گیا۔ انہوں نے یہ طے کیا کہ عبداللہ کو قتل کر ڈالیں۔ عبداللہ نادم ہونے کے بجائے ان کے مقابلے کے لیے کمر بستہ ہو گیا۔ ایک دن موقع پا کر عذرا کے باپ کو قتل کر ڈالا، اس سے ہر سُو ہنگامہ برپا ہو گیا۔ عبداللہ گرفتار کر لیا گیا۔ یہ سنگین مقدمہ چیف جسٹس محمد بن علی کے پاس پہونچا۔ یہ مقدمہ معمولی نہ تھا۔ سارے اندلس والے اس مقدمہ سے دلچسپی لے رہے تھے۔ آخری فیصلہ کے لیے لوگوں کا ہجوم تھا۔ عدالت میں تِل رکھنے کی جگہ نہ تھی۔ رجب کی ۲۵/ تاریخ تھی عبداللہ سامنے کھڑا تھا۔ قاضی صاحب نے سر اٹھایا اور عبداللہ سے پوچھا کہ تم اس مقدمہ کے بارے میں کیا کہنا چاہتے ہو۔ عبداللہ نے جواب دیا: اے میرے محترم باپ! ابھی وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ قاضی نے بڑی گرجدار آواز میں ڈانٹا اور کہا کہ یہاں تم اپنے باپ سے باتیں کرنے کے لیے نہیں بلائے گئے ہو۔ یہ کمرۂ عدالت ہے، تب عبداللہ نے بڑی عاجزی سے کہا قاضی صاحب میں عدالت سے رحم کی درخواست کرتا ہوں۔

جواب میں قاضی صاحب نے بلند آواز میں فرمایا کہ اسلام کے قانون میں چھوٹے بڑے سب کے لیے برابر

ہیں۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹتا۔ پھر قاضی صاحب نے کہا میں بھی اللہ کا کمترین بندہ ہوں اور اس کے رسول کا ادنی ترین خادم ہوں اگر چہ میرے دل میں میرے اکلوتے بیٹے عبداللہ کی بے حد محبت ہے لیکن میں عدل وانصاف کے خلاف کچھ نہیں کرسکتا۔ اللہ کا حکم ہے خون کا بدلہ خون۔ عبداللہ پر چونکہ قتل ثابت ہے اس لیے میں اس کے لیے موت کی سزا سناتا ہوں اِلا یہ کہ مقتول کے ورثاء خون بہانے لینے پر راضی ہوں۔ مقتول کے ورثا اس پر راضی نہیں ہوئے اور آخر کار اسلامی عدل کے مطابق عبداللہ کو سزائے موت دیدی گئی۔ (ایمان وعمل، ص:۴۸۲)

اسلامی عدل اور غیر مسلم رعایا وہمسایہ:

اسلامی عدل کی وسعت اور ہمہ گیریت کو اس حقیقت کے ذکر کئے بغیر ادھورا ہی سمجھا جائے گا۔ اس تعلق سے بھی کتاب وسنت میں واضح فرامین موجود ہیں۔ ہم یہاں چند واقعات کے ذکر پر اس کو اکتفا کرنا مناسب بلکہ کافی سمجھتے ہیں:

حافظ ابن کثیرؒ سورۃ نساء آیت: ۵۸ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ متعدد مفسرین کے مطابق مذکورہ آیت عثمان بن طلحہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ خانہ کعبہ کے کلید بردار تھے۔ فتح مکہ کا موقع ہے۔ آپ ﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہونا چاہتے ہیں مگر عثمان (جو اس وقت ایمان نہیں لائے تھے) نے چابی دینے سے انکار کیا۔ حضرت علیؓ نے عثمان سے چابی چھین لی اور بیت اللہ کا دروازہ کھولا۔ پھر آپ ﷺ اس میں داخل ہوئے۔ جب آپ ﷺ وہاں سے نکلنے لگے تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! بیت اللہ کی کلید برداری کی سعادت اب ہمیں ملنی چاہئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے عثمان بن طلحہ کو بلا کر خانہ کعبہ کی کنجی تھمادی۔ اسی موقع سے یہ آیت نازل ہوئی۔ غور کریں۔ فتح مکہ کا دن ہے۔ آپ ﷺ غالب اور فاتح کی حیثیت میں ہیں۔ دشمن اور مخالف بالکل شکستہ اور پست ہیں۔ خانہ کعبہ کی کلید آپ ﷺ اپنے صحابہ میں جسے چاہتے ان کو دیدیتے۔ مگر اللہ کا حکم ہوا کہ جو جس کا حق ہے اس کو انصاف کے ساتھ ادا کردو، خواہ وہ سخت دشمن ہی کیوں نہ ہو۔ ﴿ولا یجرمنکم شنان قوم علی ان لا تعدلوا﴾

حافظ ابن کثیرؒ نے (ج ۲/ ۳۳۱) میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک مسلمان اور ایک یہودی میں کسی زمین کو لیکر تنازعہ ہوا۔ فیصلہ اور انصاف کے لیے مسلمان کعب بن اشرف کے پاس جانا چاہتا تھا اور یہودی محمد ﷺ کے پاس جانا چاہتا تھا آخر کار دونوں نبی ﷺ کے پاس گئے۔ آپ ﷺ نے ثبوت وشواہد کی روشنی میں یہودی کے حق میں فیصلہ دیدیا۔ یہ بات مسلمان کو ناگوار گذری۔ اس نے فیصلہ نہیں مانا اور پھر حضرت عمرؓ کے پاس چلنے کے لیے یہودی کو کہا اس

زعم میں کہ وہ سخت اور کٹر مسلمان ہیں شاید ہمارے حق میں ہی فیصلہ کردیں۔ دونوں وہاں پہونچے سارا ماجرا سنایا۔ اسی اثناء میں یہودی نے کہہ دیا کہ اس بابت نبی ﷺ نے ہمارے حق میں فیصلہ دیدیا ہے اور یہ مسلمان ہے کہ اس کو تسلیم نہیں کررہا ہے۔ حضرت عمرؓ نے جب اس کی اس مسلمان سے تصدیق کرلی تو فرمایا کہ ذرا رکو میں آتا ہوں اور گھر سے تلوار لائے اور اس مسلمان کا کام تمام کردیا اور فرمایا: هذا قضاء منا لم يومن بقضاء رسول الله ﷺ ''یہ اس آدمی کے حق میں فیصلہ ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو تسلیم نہیں کیا۔

ایک اور واقعہ دیکھئے۔ یہودی اسلام کے کٹر دشمن تھے۔ جب خیبر فتح ہوا تو طے ہوا کہ اب تو یہ اسلام کی ملکیت ہے، جب مسلمان ضرورت سمجھے خیبر کو یہودیوں سے خالی کرالے مگر تب تک یہودی یہاں رہیں اور یہاں کے پیداوار کا نصف حصہ اسلامی حکومت کو ادا کرے۔ ایک مرتبہ اسی کو وصول کرنے کے لیے نبی ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو بھیجا۔ یہودیوں نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو انہیں زیادہ سے زیادہ نفع دینے کے غرض سے رشوت کی پیش کش کی تو صحابی رسول ﷺ نے کہا: ''اللہ کی قسم میں تمہارے پاس روئے زمین کی سب سے محبوب ہستی کے پاس سے آیا ہوں اور تم میری نظر میں میں سب سے زیادہ مبغوض ہو۔ لیکن حضرت محمد ﷺ سے میری بے پناہ محبت اور تم سے اللہ کے واسطے بے پناہ عداوت بھی مجھے اس بات کے لیے مجبور نہیں کرسکتی کہ میں تمہارے ساتھ انصاف نہ کروں''۔ یہودیوں نے جب حق وانصاف کی ایسی گھن گرج سنی تو بیک آواز اعتراف کیا اور کہا: یہی وہ عدل وانصاف ہے جس کی برکت سے آسمان وزمین کا نظام قائم ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج:ا سورۃ النساء: ۱۳۵) اور حقیقت یہی ہے کہ اسلامی عدل جب تک اس دنیا میں قائم تھا انسانی معاشرہ کا امن وسکون قائم تھا اور دنیا جنت نظیر تھی۔ اس کا اعتراف اور اپنے اور بیگانے سب کو ہے۔ مثالیں اسلامی تاریخ میں کئی ایک ہیں۔ یہ مشتے نمونہ از خروار ہیں۔

تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

اسلامی عدل اور موجودہ جرائم:

موجودہ دور کو جرائم کا دور کہیں تو اس میں کچھ بھی مبالغہ نہیں ہے۔ دنیا کا خطہ خطہ قتل وخون، نہب وسلب، چوری ڈکیتی، بدکاری وزنا بالجبر اور دنگا فساد کے علاوہ نہ جانے کتنے جرائم ہیں جو روز افزوں بڑھتے جارہے ہیں۔ متعدد قوانین اور سزائیں وضع کرنے کے باوجود ان میں کہیں سے کوئی کمی نہیں ہورہی ہے۔ جرائم کے سد باب اور روک تھام کے لیے مختلف دین و مذہب او رتہذیب میں اصول وقوانین کم وبیش موجود ہیں۔ دین اسلام میں بھی ہے۔ حقیقت وواقعیت اور تجربات ومشاہدات کی روشنی میں اسلام نے اس کے لیے اصول وقوانین بتائے ہیں وہ بلاشبہ مبنی بر عدل و

اعتدال ہے۔ جامع اور ہمہ گیر ہے۔ بے مثل وعدیم النظیر ہے اور اسی میں انسانی سماج کی بھلائی اور امن وآشتی مضمر ہے۔ ہر چند کہ جرائم کا خاتمہ کُلی طور پر ممکن نہیں کہ یہ ہر دور میں رہا ہے حتی کہ مثالی ادوار میں بھی۔ تاہم اسلامی عدل و قوانین جرائم کے سدّ باب اور کم تر کرنے میں مؤثر طور پر معاون رہا ہے۔ ماضی میں خیر القرون اس کی نمایاں مثال ہے اور حال میں کم وبیش مملکت سعودیہ عربیہ اس کی ایک مثال ہے۔ بہر حال اسلامی عدل میں قیام امن وفلاح کیسے ممکن ہے۔ ذرا سنجیدگی سے غور کریں۔

قتل وخون کی سزا عموماً غیر اسلامی قانون میں چند سالوں یا پھر عمر قید کے نام پر محدود سالوں کی جیل کی سزا ہے۔ اس میں بھی اکثر وبیشتر ضمانت پر رہا ہو کر آزاد زندگی گذارتے ہیں۔ ہر چند کہ کیس جاری رہتا ہے۔ اسلام میں اس کی سزا دنیا میں خون کا بدلہ خون ہے اور آخرت میں دائمی جہنم ہے۔ (۱۷/۳۳، ۴/۹۲-۹۳ وغیرہ) دنیا والے اسلامی سزا کو بھلے جو نام دیں، اسلام اسے زندگی بخشنے کا نام دیتا ہے۔ اور حقیقت میں اسی میں حیاتِ زندگی ہے اور یہی صحیح انصاف ہے۔ تفصیل کے لیے کتب تفسیر موجود ہے۔ یہ اس کا موقع نہیں۔ غور کریں دونوں سزا اور عدل میں کتنا فرق ہے۔ انسانی قانون کی رو سے آدمی قتل سے نہیں ڈرتا کہ اس کے لیے چند سالوں کی سزا یا پھر ضمانت کی راہ سامنے ہوتی ہے، اس کے مقابلے میں اسلامی سزا آدمی کو قتل کرنے سے پہلے بار بار سوچتا ہے کہ بعد میں اسے اپنی موت کا یقین ہوتا ہے۔ اوّل الذکر دوسرے کو موت کے گھاٹ اتارنے پر جتنا جَری ہوگا ثانی الذکر اسی قدر ترساں ولرزاں۔ یہیں سے دونوں قانون کے انصاف کی حقیقت اور افادیت واضح طور پر سامنے آجاتی ہے۔

زنا کاری، بدکاری اور ریپ آج کی دنیا میں عام ہے۔ ریپ کے روز افزوں بڑھتے واقعات سے ہر صنف نازک اور اس کے اہل خانہ سہمے ہوئے ہیں۔ کیا تعلیم گاہ، کیا جائے ملازمت وتجارت یا خرید وفروخت کا میدان، صنف نازک جہاں جاتی ہے اس کے کم وبیش اپنی عصمت کے لٹنے کا خوف اور دہشت اسے ترساں کئے ہوتی ہے۔ یہ آج مسلمہ حقیقت ہے، انکار ممکن نہیں۔ یہ صورتحال کسی سماج کے لیے کیونکر اور کیسے مفید ومثالی ہوسکتی ہے۔ ہرگز نہیں، سخت سے سخت دنیاوی قوانین بھی اس کو کچھ بھی روکنے میں معاون ثابت نہیں ہیں۔ حقیقت حال سامنے ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ یہاں بھی انصاف کے نام پر چند سالوں کی سزا کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اکثر حالات میں ضمانت بھی مل جاتی ہے۔ تو پھر ارتکاب جرم میں کون سی چیز مانع ہوگی؟ دوسری طرف وہ عورت جس کی جان سے زیادی متاع عفت وعصمت لُٹ گئی عدل وانصاف کے نام پر اس کو کیا ملتا ہے؟ ہر چند کہ وہ لوٹ نہیں سکتی۔ مگر جو زخم کاری لگے ہیں اس پر مرہم تو رکھا جاسکتا ہے۔ اسلامی عدل نے زنا کی جو سزا ہلاکت کی شکل میں مقرر کی وہ اس عورت کے لیے جسم وروح کے کاری

زخموں کے مرہم سے بھی سوا ہے۔ ظاہر جب ایسی سخت سزا ہوگی تو زانی اس گھناؤنے جرم کے ارتکاب سے قبل بار بار سوچے گا اور سوچ سوچ کر اگر اس کا دل مردہ بالکل نہ ہو، تو اس سزا کے درد کو محسوس کر جرم کرنے سے قبل لرز جائے گا اور جرم سے باز آئے گا۔ قابل ذکر بات اس بابت ایک اور یہ بھی کہ اس زنا کی سزا کو اسلام نے برسرِ عام دینے کی تاکید کی ہے تاکہ دوسروں کو بھی اس سے خوف و دہشت ہو اور وہ جرم سے باز رہے۔

شراب نوشی، چوری، ڈکیتی، سلب، نہب، غصب، دنگا فساد الغرض سماج میں جتنے بھی جرائم ہیں ان کے تعلق سے اسلام نے سزا کی شکل میں عدل وانصاف کا جو پیمانہ مقرر کیا ہے اس کی جامعیت ومؤثر افادیت کو سمجھنے کے لیے آج دنیا کے پاس بصارت نہ سہی اگر کچھ بھی بصیرت موجود ہے تو وہ بطور مثال اسلامی مملکت سعودیہ عربیہ کے حالات اور دنیا کے تمام ممالک کے مقابلے میں وہاں کے جرائم کے گراف کا موازنہ کرلیں اور یہ کہ وہاں جرائم تقریباً نہ ہونے کے برابر جس طرح معاشرے میں امن وآشتی ہے اور معاشرہ میں خیر وبرکت سے کس قدر معمور ہے۔

سعودی عرب کے فرماں روا شاہ فیصل مرحوم سے امریکی رسالہ ''نیوز ویک'' کے یہودی مدیر نے ایک انٹرویو لیا جسے نمایاں طور پر شائع کیا تھا۔ اس کا پہلا سوال تھا کہ آج بھی سعودی عرب میں برسوں پرانا بربریت کا قانون نافذ ہے جس کی رو سے آپ زانی کو ہلاک کرنے کی سزا دیتے ہیں۔ آخر کیوں؟ یہ تو ظلم ہے۔ بربریت ہے۔ شاہ فیصل مرحوم نے مدیر سے دریافت کیا کہ آپ کا امریکہ کے کس شہر سے تعلق ہے؟ اس نے بتایا کہ نیویارک سے۔ پھر شاہ فیصل نے پوچھا کہ پچھلے برس صرف آپ کے شہر میں کتنے واقعات زنا بالجبر کے رونما ہوئے ہوں گے؟ مدیر کا جواب تھا صرف نیویارک شہر میں تقریباً ایک لاکھ۔ اس پر شاہ فیصل نے بتایا کہ پچھلے پورے سعودی عرب میں زنا بالجبر کے صرف آٹھ واقعات رونما ہوئے۔ پھر آپ ہی فیصلہ کریں کہ جرائم کی روک تھام اور سماج میں امن وامان کے قیام اور معاشرے کی اصلاح وفلاح کے لیے کون سا قانون اور انصاف بہتر ہے؟ جو مجرم کو آسانی سے چھوڑ دیتا ہے تاکہ وہ پھر جرم کا مرتکب ہو یا اسلامی شریعت کا عدل وقانون کہ جرم کرنے سے پہلے مجرم بار بار اس کی سزا کی سختی کو بار بار سوچے اور اس کی سختی یاد کرکے جرم کرنے سے پہلے ڈر کر اس سے باز رہے''؟ (ترجمان جلد ۳۳ شمارہ ۴، ص: ۸) اور بلاشبہ یہی صورت حال مملکت اسلامیہ سعودیہ عربیہ کی آج بھی ہے۔ اس کے لیے بس بصیرت ہو تو دنیا اس کی مشاہدہ کرسکتی ہے۔

اسلامی عدل موجودہ دور کی ضرورت:

امن وآشتی ہر دور میں فرد اور سماج کی سب سے بڑی ناگزیر ضرورت اور مطلوب شئ رہی ہے کہ تمام تر سچے سکھ اور فلاح وارتقاء کی یہ بنیادی اساس ہوتی ہے۔ آج دنیا بظاہر ترقی یافتہ اور سکھی نظر آتی ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ سب

مصنوعی ہے کہ وہ امن وآشتی سے محروم ہے۔ ہرسو ہرکوئی اپنے کو مضطرب وغیر مامون محسوس کرتا ہے۔ یہ امن وآشتی آج بھی قائم ہوسکتی ہے بشرطیکہ جرائم کے سدّ باب اور روک تھام کے لیے مجرموں کے ساتھ عدل وانصاف کا وہی پیمانہ مقرر ہو جو انصاف سے قریب ہے اور تجربات ومشاہدات جس کی صداقت پر شاہد ہیں۔ عصبیت و جانبداری سے بہرے ہوکر دنیا اسلامی عدل وقانون کو اگر سمجھے اور پرکھے تو اسے بلاشبہ اسے اس کی صداقت وحقانیت کا علم ویقین ہو جائے گا اور دنیا اسے اپنی متاع گم گشتہ سمجھ کر اولین فرصت میں اسے اپنانے کے لیے کوشاں ہوگی۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ لوگوں کو اس کا علم واحساس نہیں ہوتا ہے اور جانے انجانے اسلامی عدل وقانون کی عظمت وصداقت کا اعتراف وہ نہیں کرتے۔ اس کا اعتراف وقرار ہوتا ہے۔ مثلاً ابھی اپنے وطن عزیز ہندوستان میں ۱۶/ دسمبر ۲۰۱۳ء کو راجدھانی دہلی میں ایک پیرامیڈیکل کالج کی طالبہ کے ساتھ اجتماعی آبروزیری کا دلدوز واقعہ پیش آیا تھا۔ طالبہ کے ساتھ انتہائی وحشیانہ سلوک ہوا تھا۔ ملک وبیرون یہ حادثہ موضوع بحث بنا تھا۔ اس حادثہ نے وطن عزیز کو لرزہ براندام اور حکومت کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ یہ اتنا مشہور ومعلوم ہے کہ کم وبیش ہر کوئی اسے جانتا ہے۔ اس موقع سے ملک کے گوشے گوشے میں چھوٹے بڑے بے شمار مظاہرے ہوئے۔ ان مظاہروں میں کم وکاست ملک کا ایک ایک فرد ایسے مجرموں کو پھانسی اور موت کی سزا کا مطالبہ کررہا تھا۔ یہ عوام کی بات تھی۔ ملک کے خواص طبقہ نے بھی اسی کا پرزور مطالبہ کیا۔ سیاستدانوں کی بھی یہی مانگ تھی۔ مختلف مذاہب کے عالموں اور روحانی رہنماؤں نے اس کی تائید کی۔ معروف سیاستداں لالو پرساد یادو نے کھلے لفظوں میں سعودی اسلامی قانون اپنانے کی وکالت کی جسے ہندی اور انگریزی کے تمام اخبارات نے اولین صفحہ پر شائع کیا تھا۔ غور کریں جانے انجانے عوامی سیلاب کا یہ مطالبہ کہیں اسلامی عدل وقانون کے نفاذ کا مطالبہ نہیں تھا؟ اور کیا اس بات کا اعتراف نہیں کہ یہی عین انصاف اور قیام امن میں معاون ہے۔ نیز جرائم کی روک تھام بھی ممکن ہے۔ اسی موقع پر کہتے اور سچ کہتے ہیں:

جب دیا رنج بتوں نے تو خدا یاد آیا

قصہ کوتاہ اسلامی عدل کا قانون چونکہ اللہ علیم وحکیم کا وضع کردہ ہے۔ اس میں جامعیت ہے۔ ہمہ گیریت ہے اور عدل وانصاف سے عین قریب اور فطرت کے مطابق ہے۔ اس کا اعتراف دشمن اور بیگانہ ہر کسی کو ہے۔ والفضل ماشہدت بہ الاعداء۔

☆☆☆

امن عالم کے قیام میں سنت نبوی کا کردار

ترتیب: مولانا سلمان نسیم ندوی

إن الحمد لله، حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه محمد وعلى آله وأصحابه ومن تبعهم ودعا بدعوتهم إلى يوم الدين۔

حضرات!

ہمیں اس بات کا کامل اذعان ہے کہ عالمی امن کا قیام صرف اور صرف قرآن اور سنت ہی کے سایے میں ممکن ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اس یقین کی وجہ کیا ہے؟ ایک صاحب ایمان اس یقین کی وجہ یہ بتائے گا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ إن الدين عند الله الإسلام﴾ [آل عمران: ۸۵] ﴿ومن يبتغ غير الإسلام دينا فلن يقبل منه﴾ [آل عمران: ۸۵] اور ﴿وما كان لمؤمن ولا مؤمنة إذا قضى الله ورسوله أمراً أن يكون لهم الخيرة من أمرهم﴾ [الأحزاب: ۳٦]

اسی لیے بغیر کسی ذہنی تردد وکشمکش، نفسیاتی الجھن، اسرار وحکم کی نقاب کشائی اور مصالح ومفاسد سے صرف نظر کرکے ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ قرآن وسنت ہی ہمارے معاش ومعاد کے لیے قطب نما، راہ نما اور راہبر ہے۔

یہ ایک اجمالی جواب ہے لیکن اسلام کا نظریہ یہ نہیں ہے کہ ''آمن و لا تسال'' بلکہ اس میں ہر ہر حکم کی غایتیں اور حکمتیں، انسانی نفسیات کی لطیف رعایتیں، اس درجہ ملحوظ رکھی گئی ہیں کہ اس سے نہ صرف عقل ومنطق کے تقاضے پورے ہوتے ہیں بلکہ اسلامی قانون کو نظامہائے عالم پر تفوق وامتیاز حاصل ہوتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يا أيها الذين آمنوا استجيبوا لله وللرسول إذا دعاكم لما يحييكم﴾ [الأنفال: ۲٤] اس آیت کریمہ میں ''لما يحييكم'' کی تعبیر مذاہب کی تاریخ میں ایک انقلابی تعبیر ہے، اسلام کا دعویٰ یہ ہے کہ اس کا قانون صرف اس لیے نہیں ہے کہ محض بنی نوع انساں کی حیاتیات کو ٹھیک ٹھاک رکھے جیسا کہ دیگر نظامہائے عالم کا حال ہے بلکہ یہ نظام حیات افزا، امید افزا اور روشن صبح کا پیغام ہے، بلکہ وہ تمام تر عالمی تصورات کو چیلنج کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ہمارے نظام میں کسی بھی منفی پہلو کا گزر نہیں ہے ﴿ولكم فى القصاص حياة يا أولى الألباب﴾ [البقرة: ۱۷۸] اس آیت کریمہ میں ''يا أولى الألباب'' اشارہ کرتا ہے کہ جس قانون کا ظاہر منفی، مایوس کن اور حیات کش ہے

درحقیقت وہ بھی حیات نو کا پیام ہے، لیکن اس راز کو پانے کے لیے اہل دانش وبینش کو تدبر سے کام لینا ہوگا اور معاملات کی تہوں میں اترنا ہوگا۔

حضرات!

یہ تمہید میں نے اس لیے قائم کی کہ بحیثیت مسلمان سنت نبوی ﷺ میں عالمی امن کے قیام کی ضمانت پر ہمیں اجمالی وتفصیلی ہر طرح کا یقین ہے، لیکن آج سنت نبوی ﷺ کے اس عظیم رول کو ثابت کرنے کے لیے صرف اتنا کافی نہیں ہے، بلکہ منطقی طور پر یہ ثابت کرنے کی ضرورت ہے کہ قیام امن کے لیے آخر سنت نبوی ﷺ ہی کیوں؟ اور کیسے؟ اس سوال کا تشفی بخش جواب ہی دراصل عصر حاضر کا علم کلام ہے۔

حضرات!

ہم سب سے پہلے سنت نبوی ﷺ کے ان خصائص پر روشنی ڈالیں گے جن سے ان شاء اللہ یہ ثابت ہوگا کہ تمام قوانین میں قانون محمد ﷺ کو ہی صرف یہ حق حاصل ہے کہ وہ عالمی قیامِ امن کا دعویٰ پیش کرے، لیکن اس سے پہلے دو باتوں کی طرف اشارہ مناسب ہے:

۱- سنت نبوی ﷺ کان خلقه القرآن کی رو سے دراصل قرآن کا ترجمان ہے، اس لیے جب بھی سنت کے اسرار وحکم کی گفتگو کی جائیگی اس میں قرآنی اسرار وحکم کی جھلک نظر آئے گی۔

۲- کلمۂ امن ہمارے نزدیک ایک وسیع اور ہمہ گیر تصور کا حامل ہے جو کائنات کے تمام اجزاء کا احاطہ کرتا ہے۔

پہلی خصوصیت: ''سنت نبوی ﷺ خدا کی مشیت، فلسفہ وحکمت اور عمل کی جامع'':

عصر حاضر میں جو اخلاقی قوانین دستیاب ہیں، ان کی تین قسمیں ہیں:

۱- پہلی قسم ایسے اخلاقی تعلیمات کی ہے جو صرف مذہبی بنیاد رکھتی ہیں جیسے یہودیت، مسیحیت اور ہندومت وغیرہ، ان تعلیمات کی حقیقت ان کے نزدیک صرف یہ ہے کہ وہ مذہب کا فرمودہ ہیں، بس، ان کو اِن کی حکمتوں، عقلی بنیادوں سے کوئی سروکار نہیں، دوسرے لفظوں میں وہ تعلیمات انسانی دنیا کے لیے مفید ہیں یا نہیں؟ اس سے ان کو کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

۲- دوسری قسم کی اخلاقی تعلیمات وہ ہیں جن کا ماخذ ومصدر عقل وفلسفہ اور حکمت ودانائی ہے، اس قسم کی تعلیمات کے بانی افلاطون، ارسطو اور سقراط جیسے فلاسفہ ہیں، بلاشبہ یہ اخلاقی تعلیمات نظری لحاظ سے قابل تعریف ہیں لیکن علمی اعتبار سے بالکل صفر، اگر ان معلمین اخلاق کی تعلیمات عملا مفید ہوتیں تو آج انسانی دنیا نے ان سے صرف

نظر نہ کیا ہوتا۔

۳- تیسری قسم ان معاصر اخلاقی تعلیمات کی ہیں جن میں نہ فریق اول کی مذہبیت ہے اور نہ فریق ثانی کی حکمت، یہ وہی تعلیمات ہیں جو آج قیام امن کی ساعی ہیں، لیکن چار صدیوں سے زائد عرصہ ہوا مگر یہ اخلاقی تعلیمات دنیا میں امن قائم کرنے میں ناکام رہی ہیں، یہ ان تعلیمات کی ناکامی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

لیکن سنت نبوی ﷺ کا یہ امتیاز ہے یہ جہاں ایک طرف وہ حکم خداوندی ہے، وہیں وہ عقل وحکمت کے تقاضوں کو بھی پورا کرتی ہے، اور صاف صاف بتاتی ہے کہ ان اخلاقی تعلیمات کا انسانی زندگی پر کیا اثر پڑتا ہے:

''ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا، پھر پانچ باتیں گن کر فرمائیں: (۱) گناہوں سے پرہیز کرو تو تم سب سے بڑے عبادت گذار ہو جاؤ گے۔ (۲) خدا نے جو تم کو دیا ہے، اس پر راضی رہو، تو سب سے بڑھ کر دولت مند ہو جاؤ گے۔ (۳) اپنے پڑوسی کے ساتھ احسان کرو تو مومن بنو گے۔ (۴) لوگوں کے لیے وہی چاہو جو اپنے لیے چاہتے ہو تو مسلمان بن جاؤ گے۔ (۵) اور زیادہ ہنسا نہ کرو، کہ زیادہ ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔ (یعنی دل کی صلاحیت جاتی رہتی ہے)

ایک دفعہ فرمایا:

''کون مجھ سے اپنے دو جبڑوں اور دونوں پاؤں کے بیچ کی حفاظت کی ضمانت کرتا ہے، میں اس کے لیے جنت کی ضمانت کرتا ہوں''۔

ان دو فقروں کی بلاغت اور حکمت پر غور کیجئے! دونوں جبڑوں کے بیچ میں زبان ہے جو ہر قسم کی قولی برائیوں کی جڑ ہے، اور دونوں پاؤں کے بیچ میں انسان کی شرم گاہیں ہیں، جو ہر قسم کی بے حیائیوں اور بدکاریوں کی جگہ ہیں، ان دونوں کی حفاظت کی جائے تو انسان کی برائیوں کے بڑے حصہ کی اصلاح ہو جائے گی۔

دوسری خصوصیت: ''سنت نبوی ﷺ میں قانون اور اخلاق کا اجتماع''

قانون برائیوں کو تو روک دیتا ہے لیکن دل میں اس برائی کی طرف سے کراہیت کا کوئی روحانی کیف پیدا نہیں کرتا، اس لیے صرف قانون کے ذریعہ عدل وانصاف کا قیام اور برائیوں کا استیصال کلیتا نہیں ہو سکتا، آنحضرت ﷺ کی سنت عدل واحسان اور قانون واخلاق دونوں کی جامع ہے، قذف ایک جرم ہے جس کی سزا مقرر ہے، یہ قانون ہے، لیکن جھوٹ کی شناعت، حسد، بغض، کینہ اور بدگمانی کی مذمت یہ وہ اخلاقی تعلیمات ہیں جو اس جرم سے کراہیت پیدا کرتی ہیں اور اس جرم تک پہنچنے والے راستوں کو مسدود کرتی ہے، اس سے بھی آگے بڑھ کر سنت نبوی تقوی اور

تزکیہ کے جذبات کو مہمیز کرتی ہے، دو شخص اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں میراث کا قضیہ لے کر آئے، دونوں کو استحقاق کا دعوی ہے لیکن دلیل کسی کے پاس نہیں ہے، اور کوئی اپنے دعوے سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں ہے، اللہ کے رسول ﷺ دونوں کو مخاطب بنا کر ارشاد فرماتے ہیں:

''إنما أنا بشرو انكم تختصمون إلي، ولعل بعضكم أن يكون ألحن بحجته من بعض، فأقضى على نحوما أسمع منه، فمن قضيت له من حق أخيه بشيء فلا يأخذ منه شيئا فإنما أقطع له قطعة من النار''۔

اس ارشاد کے بعد اب ان دونوں میں سے ہر ایک کی کوشش یہ تھی کہ مال متنازعہ اس کے بجائے فریق مخالف کو مل جائے، یہ ہے سنت نبوی کا کمال۔

تیسری خصوصیت: ''سنت نبوی ﷺ میں اعتدال ووسطیت''

قانون کی بنیاد عدل ہے، ایک شخص نے کسی پر ظلم کیا اس ظلم کا بدلہ عین انصاف ہے اور یہی قانون ہے، بغیر کسی رعایت اور بلا کسی تفریق کے قانون کی تنفیذ جماعت اور حکومت کی ذمہ داری ہے، اس کے بغیر کوئی نظام قائم نہیں رہ سکتا، ایک شریف مسلمان عورت سرقہ کے جرم میں گرفتار ہوئی اور قریش نے چاہا کہ اس کو سزا نہ دی جائے اور اس کے لیے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں سفارشیں پہونچائی گئیں، تو فرمایا:

''اے لوگو! تم سے پہلے کی قومیں اسی لیے ہلاک ہوئیں کہ جب کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تھا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے، اور اگر کوئی معمولی آدمی اسی کام کو کرتا تو اس کو سزا دیتے، خدا کی قسم! اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیتا''۔

یہ ہے سنت نبوی کی رو سے حکومت کا اٹل قانون۔

دوسری طرف عفو درگذر کو شخصیت کے مدارج کمال کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے، معمولی چھوٹے جرائم کی نسبت صحابہؓ سے فرمایا:

''آپس میں گناہوں کو معاف کر دیا کرو، لیکن مجھ تک جب وہ واقعہ پہنچے گا تو سزا ضروری ہو جائے گی''۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ:

''آنحضرت ﷺ نے کبھی کسی سے اپنا ذاتی انتقام نہیں لیا، إلا یہ کہ اس نے خدا کے کسی حکم کو توڑا ہے تو اس کو قانونا سزا ملی ہو''۔

آپ ﷺ کی طرف قصاص کے معاملہ میں معافی اور دیت کا مشورہ دیا کرتے تھے اور دوسری طرف ایک ایسے شخص کے ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا جس نے چادر چرائی تھی، مدعی نے معاف کرنا چاہا تو فرمایا کہ: ''میرے پاس لانے سے پہلے کیوں نہیں یہ کرلیا۔''

اس طرح یہ ثابت ہوتا ہے کہ سنت نبوی ﷺ قانون اور احسان دونوں کی جامع اور معتدل ومتوازن ہے، اس لحاظ سے قانون محمدی ﷺ موجودہ سلطنتوں کے قوانین سے زیادہ نرم، زیادہ منصفانہ اور عقل کے زیادہ مطابق ہے، اور احسانی تعلیمات کا دائرہ تو نہ صرف زیادہ وسیع بلکہ منفرد بھی ہے۔

چوتھی خصوصیت: ''سنت نبوی ﷺ میں انسانی زندگی کا احاطہ اور جزئیات کا استقصاء''

سنت نبوی میں انسانی زندگی کے تمام گوشوں کا احاطہ کیا گیا ہے، توریت کے اخلاقی تعلیمات کی تعداد ۲۵ سے ۳۰ تک پہنچتی ہے، انجیلی اخلاق جو توریت، زبور، امثال سلیمان اور دیگر اسرائیلی صحیفوں کا نچوڑ ہے، اس کی فہرست میں بھی ۲۵ سے زیادہ اضافہ نہیں کیا جاسکتا، لیکن اگر ہم صرف احادیث میں انسانی زندگی کے مختلف شعبوں میں رہنمائی کی فہرست تیار کرتے ہیں تو تقریباً ڈھائی سو ابواب وعناوین میں منقسم ہوتا ہے، اور ہر عنوان کے تحت کئی کئی حدیثیں مل جاتی ہیں، احاطہ کے ساتھ ساتھ جزئیات کا ایسا استقصاء ہے کہ نفس انسانی کے لیے بہانہ تراشنے کا کوئی موقع نہیں بچتا، مثلاً معروف کی ایک مثال صدقہ ہے، دیکھئے سنت نبوی میں اس کی جزئیات کا کس طرح استقصاء کیا گیا ہے۔

ایک دفعہ فرمایا کہ:

''ہر مسلمان پر صدقہ دینا واجب ہے، لوگوں نے عرض کیا کہ اگر اس کی قدرت نہ ہو تو، فرمایا: مزدوری کرے، اور جو ملے اس میں کچھ خود کھائے کچھ محتاجوں کو کھلائے، صحابہؓ نے عرض کیا کہ اگر مزدوری کرنے کی بھی قوت نہ ہو، فرمایا: تو غم رسیدہ حاجت مندوں کی کوئی جسمانی خدمت کرے، اور اگر یہ بھی نہ کرسکے تو نیکی کی تعلیم دے، اور اگر یہ بھی نہ کرسکے تو برائی کرنے سے بچے، یہ بھی صدقہ ہے۔ الأدب المفرد، ان كل معروف صدقة۔

دوسرے موقع پر فرمایا:

''اچھی بات کہنا اور بُری بات سے روکنا بھی صدقہ ہے، کسی بھولے بھٹکے مسافر کو راستہ بتانا بھی صدقہ ہے، کسی اندھے کی دست گیری بھی صدقہ ہے، اور اپنے ڈول کا پانی اپنے بھائی کے ڈول میں ڈال دینا بھی صدقہ ہے''۔

منکر کی ایک مثال مئے نوشی ہے، دیکھئے کہ سنت نبوی ﷺ میں اس کی جزئیات کا کس قدر استقصاء ہے:

قال رسول الله ﷺ لعن الله الخمر وشاربها وساقيها وبائها ومبتاعها وعاصرها

ومعتصرها وحاملها والمحمولة إليه۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے شراب پر لعنت فرمائی ہے اور اسکے پینے والے کو، پلانے والے کو، خرید و فروخت کرنے والے کو اور نچوڑنے والے کو، اور جس کے لیے نچوڑا گیا ہے اسے اور اٹھانے والے کو اور جس کے لیے اٹھا کر لائی گئی ہے سب پر لعنت فرمائی ہے۔

دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

إن من العنب خمرا وان من التمر خمرا وان من العسل خمرا وان من البر خمرا وان من الشعير خمرا"۔

یقیناً شراب انگور سے بنتی ہے اور کھجور سے بنتی ہے اور شہد سے بنتی ہے اور گندم سے بنتی ہے اور جو سے بنتی ہے۔

مزید فرمایا:

''إن الخمر من العصير والزبيب والتمر والحنطة والشعير والذرة، وانى أنهاكم عن كل مسكر"۔ (۱۲)

شراب کی ایک کلی تعریف کی جو تمام اقسام پر حاوی ہے: بے شک شراب رس سے بنتی ہے اور کشمش سے، کھجور سے، گندم سے، جو سے اور مکئی سے بنتی ہے، اور میں تم لوگوں کو نشہ آور چیزوں سے منع کرتا ہوں۔

''كل مسكر خمر و كل مسكر حرام'' ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

اور فرمایا: ''كل شراب أسكر فهو حرام''۔

ہر پینے والی چیز جس سے نشہ ہو وہ حرام ہے۔

پانچویں خصوصیت: ''سنت نبوی ﷺ میں نفسیات اور استعداد کی رعایت''

سنت نبوی ﷺ کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ انسانی نفسیات اور استعداد کی پوری پوری رعایت رکھی گئی، اور جن امور میں وسعت کی گنجائش تھی آپ ﷺ نے ان میں وسعت کو قائم رکھا ہے:

ایک صاحب سے رمضان میں بہ حالت روزہ ایک غلطی ہوگئی، تو وہ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچا، اور واقعہ عرض کیا، فرمایا: ایک غلام آزاد کرو، عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ، میرے پاس تو ایک غلام بھی نہیں، فرمایا: دو مہینے لگا تار روزے رکھو، عرض کیا روزہ ہی میں تو یہ گناہ ہوا، فرمایا: تو اچھا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو، عرض کیا ہم تو خود کنگال ہیں، فرمایا کہ اچھا بنی زریق کے صدقہ کے منتظم کے پاس جاؤ، اور اس سے صدقہ لے کر پہلے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ، اور

جو بچے وہ تم اور تمہارے گھر والے کھائیں، وہ خوش ہوکر اپنے قبیلہ میں آیا اور کہا کہ تم کتنے سخت تھے، اور حضور ﷺ نے کتنی نرمی کی''۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ گویا فطرتاً تارک الدنیا تھے، بڑے ہی زاہد و عابد تھے، ان کے ذوق طبع کو دیکھ کر ان سے فرمایا:

اے ابوذر! جہاں رہو خدا سے ڈرتے رہو، برائی کے پیچھے نیکی کرو تو تم اس کو مٹاڈالوگے، اور لوگوں کے ساتھ خوش خلقی سے ملا کرو۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے نصیحت کی درخواست کی تو فرمایا: غرور نہ کرو اور اپنے کو بڑا نہ سمجھو۔ ایک اور شخص نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے نصیحت فرمایئے، ارشاد ہوا غصہ نہ کرو، اس نے کئی دفعہ اپنا سوال دہرایا آپ نے ہر دفعہ یہی جواب دیا کہ غصہ نہ کرو۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ ہر شخص کا علاج اس کے مرض کے مطابق اور اس کی نفسیات کی رعایت کرتے ہوئے تجویز فرمایا کرتے تھے۔

چھٹی خصوصیت: ''سنت نبوی ﷺ میں عملی تحریک کا تنوع اور تعدد''

سنت نبوی ﷺ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں ایک کام کے کرنے یا کسی کام سے رکنے کی متنوع اور متعدد تحریک پیدا کرتی ہے، سنت نبوی ﷺ کا یہ وہ امتیاز ہے جس کا مقابلہ دنیا کا کوئی قانون نہیں کرسکتا، ہم اس کو ایک مثال سے سمجھ سکتے ہیں، فرض کیجئے ایک شخص رشتہ دار بھی ہے اور پڑوسی بھی وہ کسی مصیبت کا شکار ہے، اب کسی شخص کے اندر اس کی مدد کی تحریک کیوں کر پیدا ہوگی؟ موجودہ نظامہائے عالم میں اس کی مدد کا محرک زیادہ سے زیادہ ''انسانیت'' یا ''ضمیر'' یا ''وجدان'' ہوسکتا ہے، یہ تینوں محرک دراصل ایک ہی ہیں، لیکن اسی مسئلہ کو ہم سنت نبوی ﷺ کی روشنی میں دیکھتے ہیں تو ہم کو اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس میں اس شخص کی مدد کے کتنے محرکات ہیں:

۱-حق قرابت: اس کی مدد کا ایک محرک یہ ہوگا کہ وہ اس کا قرابت دار ہے، اور قرابت داری کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو صلہ رحمہ یعنی قرابت کا حق ادا نہ کرے گا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا''۔

دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

''جس کو یہ پسند ہو کہ اس کی روزی میں وسعت اور اس کی عمر میں برکت ہو تو اس کو چاہیے کہ صلہ رحمی کرے''۔

۲-حق ہمسائیگی: ایک محرک یہ ہوگا کہ وہ اس کا ہمسایہ ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے ہمسایوں کے بارے میں فرمایا: ''جبرئیل علیہ السلام نے مجھے پڑوسی کے حقوق کی اتنی تاکید کی کہ میں سمجھا کہ کہیں ان کو وراثت کا حق نہ دلا دیں۔

دوسری جگہ فرمایا: ''مومن وہ نہیں جو خود سیر ہو اور اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا رہے۔''

۳-حق حاجت منداں: ایک محریک یہ ہوگا کہ وہ حاجت مند ہے اور ضرورت مندوں کی ضرورت کو پورا کرنا از روئے سنت نبوی ایک حق کی حیثیت رکھتا ہے، ترمذی کی روایت ہے: ''والله في عون عبده ماكان العبد في عون أخيه''۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد میں لگا رہتا ہے، جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کے پاس کوئی سائل یا حاجت مند آتا تو آپ ﷺ صحابہؓ کو فرماتے: ''تم سفارش کرو تو تمہیں بھی ثواب ملے گا''۔

ایک دفعہ ارشاد ہوا کہ: اگر کچھ اور نہ ہو سکے تو بے کس حاجت مند کی مدد ہی کیا کرو۔

۴-حق انسانیت: ایک محرک انسانیت نوازی کا بھی ہوگا، مسند احمد میں ہے کہ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا: ''لا يؤمن أحدكم حتى يحب للناس ما يحب لنفسه وحتى يحب المرء لا يحبه إلا الله عزوجل''۔

تم میں سے کوئی کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے لیے جو پسند کرے وہی سب کے لیے پسند کرے تا آنکہ آدمی سے محبت کرے تو صرف اللہ رب العالمین ہی کے لیے محبت کرے۔

اس حدیث میں محبت انسانی کی وسعت ساری انسانی برادری تک وسیع کر دی گئی ہے۔

ایک جگہ فرمایا:

'' و أحب للناس ما تحب لنفسك''۔

لوگوں کے لیے وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو۔

الناس کا لفظ عام ہے جس میں تمام انسان داخل ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جب تک سارے انسانوں کی بھلائی کا جذبہ دل میں نہ ہو انسان پورا مسلمان نہیں بنتا۔

۵-حق ضمیر: ایک محرک ضمیر کا دباؤ بھی ہوگا جو اس کو اس مصیبت زدہ کی مدد پر آمادہ کرے گا، حضرت وابصہ

رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے نیکی اور گناہ کی حقیقت بتاتے ہوئے فرمایا:

''یا وابصة استفتِ قلبك واستفت نفسك، البرما اطمأن إليه القلب والطمأنت إليه النفس و الإثم ماحاك فی القلب و تردد في النفس و إن أفتاك الناس''۔

اے وابصۃ! اپنے نفس سے پوچھو، اپنے دل سے پوچھو، نیکی وہ ہے جس پر دل کو اطمینان ہو اور نفس کو اطمینان ہو اور بُرائی وہ ہے جو تمہارے دل میں کھٹکے اور نفس تذبذب کا شکار رہے۔

اس حدیث میں اسی حاسۂ اخلاقی کو ابھارا گیا ہے جس کا نام لوگوں نے ضمیر کی آواز رکھا ہے۔

۶-حق شعور و وجدان: اگر ایسے شخص کی مدد کرنا نیکی ہے، تو ایک محرک یہ بھی ہوگا کہ مومن اس نیکی کو حاصل کر کے اپنے شعور و وجدان کو لذت و سرور فراہم کرے، اس لیے کہ نیکی پر سرور اور بدی پر نفور ایمان کی علامت ہے، ارشاد ہے:''من سرته حسنته وسائته سيئته فهو مؤمن''۔

حضرات!

یہ تھے محرکات، لیکن ابھی بات تمام نہیں ہوئی، اس شخص کی مدد کے تعلق سے سنت نبوی ﷺ میں اور بھی ایسی تعلیمات ہیں جو مدد کے اس عمل کو مثالی بنا دیتی ہے، طوالت کے خوف سے میں یہاں پر روایات پیش کرنے کے بجائے صرف عناوین کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔

۱-بے غرضی: سنت نبوی کی تعلیم یہ ہوگی کہ اس شخص کی مدد کسی مادی غرض کے بنیاد پر نہ کی جائے بلکہ رضائے الٰہی کے لیے کی جائے۔

۲- اظہار احسان کی ممانعت: سنت نبوی کی تعلیم یہ ہوگی کہ وہ شخص مدد کر کے اس پر کسی طرح کا بھی احسان نہ کرے ورنہ اس کا یہ عمل اکارت ہو جائے گا۔

۳-ریا سے اجتناب: سنت نبوی ﷺ کی یہ بھی تعلیم ہوگی کہ اس کے اس عمل میں ریا اور دکھلاوے کا کوئی حصہ نہ ہو ورنہ آخرت میں نہ صرف یہ کہ اس کا یہ عمل مفید نہیں ہوگا بلکہ اس پر باز پُرس بھی ہوگی۔

حضرات!

سنت نبوی ﷺ کی خصوصیات اور امتیازات کا یہ سرسری جائزہ اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ عدل و انصاف کی عدالت میں تنہا سنت نبوی ﷺ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ عالمی قیام امن کا دعویٰ پیش کر سکے۔

اب ہم انتہائی اختصار کے ساتھ اس پہلو پر روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے کہ سنت نبوی ﷺ عالمی امن قائم

کیسے کرسکتی ہے؟ اس کے لیے سب سے پہلے ہمیں ان عوامل اور محرکات کی نشاندہی کرنی ہوگی جو عالمی امن کو سبوتاز کرتی ہیں، بنیادی طور پر اس کے تین اسباب ہیں:

۱-حق تلفی:

حق تلفی قیام امن میں سب سے زیادہ خلل انداز ہوتی ہے، سنت نبوی ﷺ کسی طرح حق تلفی کی اجازت نہیں دیتی، بلکہ وہ یہ سکھاتی ہے کہ حقوق کا دائرہ انسان کی اپنی ذات سے شروع ہوکر پورے کائنات پر محیط ہے، ارشاد ہے:''فان لنفسك عليك حقا، و إن لأهلك عليك حقا''۔

فإن لجسدك عليك حقا و إن لعينك عليك حقا، إن لزوجك عليك حقا و لزورك عليك حقا۔

تمہارے نفس کا تم پر حق ہے، تمہارے اہل وعیال کا تمہارے اوپر حق ہے، تمہارے جسم کا تمہارے اوپر حق ہے، تمہاری آنکھ کا تمہارے اوپر حق ہے، تمہاری بیوی کا تمہارے اوپر حق ہے اور تمہارے مہمان کا تمہارے اوپر حق ہے۔

سنت نبوی میں حقوق کی فہرست انسان کی اپنی ذات سے وسیع ہوکر پوری انسانی دنیا کو اپنے اندر سموتے ہوئے حیوانات، جمادات اور نباتات کو بھی اپنے دامن میں شامل کر لیتا ہے، حیوانات کے حقوق کی توضیح کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کو بے سبب تکلیف نہ پہنچائی جائے، جس کام کے لیے اس کی تخلیق ہوئی ہے اسی کے لیے اس کو استعمال کیا جائے، اگر چرند پرند یا جانور انسان کے لگائے ہوئے درخت یا کھیت کھلیان سے کھائے تو اس کے لیے صدقہ ہے، جمادات کا یہ حق ہے کہ اس کو بے موقع صرف نہ کیا جائے، اور اس کو اس طرح نقصان نہ پہنچایا جائے کہ وہ دوسروں کے لیے قابل استفادہ نہ رہے، نباتات کا حق یہ ہے کہ ان کو نشوونما اور تربیت کا موقع دیا جائے، نہ صرف یہ آپ ﷺ نے حقوق کی نشاندہی کی اور اس کی ادائیگی پر حسب مراتب زور دیا بلکہ ان کے درمیان ترتیب بھی قائم کی، فرض کیجئے کہ ایک شخص جو ایک وقت میں ایک ہی مدد کرسکتا ہے، اس کی ایک غریب بیمار ماں ہے، ایک غریب بیمار باپ ہے، ایک غریب بیمار بھائی ہے، ایک اسی طرح کا اس کا پڑوسی ہے، پھر اسی حالت میں اس کا ایک ہم محلّہ ہے، اور اسی حالت میں اس کا کوئی ہم وطن بھی ہے، تو اس کو کس کی مدد کرنی چاہیے؟ یہاں پر حقوق کی ترتیب کام آئیگی، ظاہر ہے کہ تعلقات کے دوہرے تہرے حقوق پہلے ماں کے ہیں، پھر باپ کے ہیں، پھر بھائی کے ہیں، پھر پڑوسی کے ہیں، پھر ہم وطن کے ہیں، اور اسی ترتیب سے اس کا ادا کرنا بھی ضروری ہے، یہ نیکی نہ ہوگی کہ اپنی غریب اور بیمار ماں کو چھوڑ کوئی اپنے غریب اور بیمار پڑوسی کی خدمت کے لیے آمادہ ہوجائے، یہ ایثار نہیں بلکہ ظلم ہے، ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ اپنے اوپر

مزید زحمت گوارا کر کے دونوں کے حقوق سے عہدہ برآ ہو، اگر ایسا وہ نہ کر سکے تو اخلاقاً اس کو معذور سمجھا جائے گا، سنت نبوی ﷺ نے حقوق کی ادائیگی میں اسی فطری ترتیب کی طرف رہنمائی کی ہے، اب ذرا غور کیجئے کہ اگر انسانی دنیا حقوق کو ان تمام وسعتوں، باریکیوں اور تدریجی مراحل کے ساتھ ادائیگی پر تیار ہو جائے تو کیا عالمی امن کے قیام کی طرف یہ پہلا قدم نہ ہوگا۔

۲-ظلم:

دوسرا سبب جو امن میں خلل انداز ہوتا ہے وہ ظلم ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

''ظلم سے بچو کہ ظلم قیامت کے دن ظلمات بن جائے گا''۔

صرف ظلم سے بچنے کی تعلیم نہیں بلکہ ظلم کو روکنے کی بھی تاکید ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

انصر أخاك ظالما أو مظلوما (اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم ہو) صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر وہ مظلوم ہو تو اس کی مدد کی جاسکتی ہے، مگر ظالم کی مدد کیوں کر کی جائے، فرمایا: اس کی مدد یہ ہے کہ اس کو ظلم سے روکا جائے۔''

ظلم کو عدل مٹاتا ہے، اور عدل ہی پر عالم کا نظام قائم ہوتا ہے، مظلوم کو اس کا حق دلانا عدل اور قانون ہے جو حکومت اور جماعت کی ذمہ داری ہے، اور اگر مظلوم معاف کر دے تو یہ اس کو حق حاصل ہے اور اس کا نام احسان ہے، لیکن ظالم کو بھی تاکید ہے کہ:

''جس بھائی نے دوسرے بھائی پر کوئی ظلم کیا ہو تو اس (ظالم بھائی) کو چاہیے کہ اسی دنیا میں وہ اس (مظلوم بھائی) سے اس کو معاف کرالے، ورنہ وہاں تاوان ادا کرنے کے لیے کسی کے پاس کوئی درہم یا دینار نہ ہوگا، صرف اعمال ہوں گے، ظالم کی نیکیاں مظلوم کو مل جائیں گی، اور نیکیاں نہ ہوں گی تو مظلوم کی بدیاں ظالم کے نامۂ اعمال میں لکھ دی جائیں گی۔

اگر انسانی دنیا عدل وانصاف اور عفو واحسان کے ان زریں اصولوں کو نافذ کرے تو کیا عالمی قیام امن کی طرف یہ دوسرا قدم نہیں ہوگا؟

۳-فضائل سے وحشت اور رذائل کی رغبت:

منصوبہ امن کو سبوتاژ کرنے والی تیسری چیز فضائل سے گریز اور رذائل کی ترغیب وترویج ہے، فرد یا قوم میں جب رذائل کی بیماری جنم لیتی ہے تو اس کی روحانی، مادی اور معاشرتی صلاحیتیں تباہ ہو کر رہ جاتی ہیں، سنت نبوی ﷺ کا

ایک بڑا ذخیرہ فضائل کی ترغیب اور رذائل کی مذمت پر مشتمل ہے، اگر انسانی دنیا جھوٹ، دغا وفریب، بے حیائی و بے شرمی، خیانت، کبر وغرور اور ان جیسی مذموم صفات کو ترک کر کے صدق وصفا، دیانت ووفا، مروت وسخاوت، حلم وتواضع اور عفت وپاکدامنی کی روش کو اپنالے تو کیا عالمی امن کے قیام کا منصوبہ اپنی تکمیلی مراحل سے ہمکنار نہ ہوگا؟

حضرات!

ہمارا یہ موضوع ناقص رہے گا اگر ہم اس کی وضاحت نہ کریں کہ اگر دنیا میں کوئی عمل ایسا پیش آتا ہے جو امن میں خلل انداز ہوتا ہے، تو اس کے ازالہ میں سنت نبوی اور دیگر نظامہائے عالم کا کیا موقف ہے، فرض کیجئے ایک شخص کوئی جرم کر کے امن کو غارت کرتا تو موجودہ مروجہ قانون اس کے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟ مروجہ قانون صرف ثبوت فراہم ہونے کے بعد اس کو اس جرم کی سزا دے دے گا، اس کے بعد اس کا رول ختم، موجودہ قانون میں ماقبل جرم اور مابعد جرم کی کیفیات ونفسیات کا کوئی خانہ نہیں ہے، اور نہ ہی جرم کی سزا مثالی ہے، حالانکہ جب کوئی جرم ہوتا ہے تو وہ تین مرحلوں سے گذرتا ہے:

۱-نیت ۲-مقدمۂ جرم ۳-وقوع جرم

سنت نبوی ﷺ میں جہاں جرم کے واقع ہوجانے کے بعد جرم کی مثالی سزا یعنی ایسی سزا جو دوسروں کے لیے موجب عبرت ہو، موجود ہے وہیں اس کے اندر پہلے مرحلہ ہی سے اس جرم کو روکنے کی تدابیر اور تعلیمات موجود ہیں، نیت کے بارے میں مشہور حدیث ہے ''إنما الأعمال بالنيات.....''۔

دوسری حدیث میں صاف صراحیت ہے کہ ارادہ یا پیش قدمی بھی جرم کا حصہ ہے اور قابل گرفت ہے، ارشاد ہے:

''إذا التقى المسلمان بسيفيهما فالقاتل والمقتول في النار، فقلت: يا رسول الله هذا القاتل فما بال المقتول قال انه كان حريصا على قتل صاحبه'' (بخاری)

جب تم مسلمان تلواروں سے باہم ملتے ہیں تو قاتل ومقتول دونوں جہنم میں ہوتے ہیں۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! قاتل تو قاتل ہے لیکن مقتول کیوں جہنم میں جائے گا تو آپ نے فرمایا: وہ اپنے بھائی کو قتل کرنے پر حریص تھا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

''إن الله كتب على ابن آدم حظه من الزنا أدرك ذلك لا محالة، فزنا العين النظر وزنا

اللسان المنطق والنفس تمنى و تشتهي والفرج يصدق ذلك كله و يكذبه''(بخاری، زنا الجوارح دون الفرج)

بے شک اللہ تعالیٰ ابن آدم پر زنا کا ایک حصہ لکھ رکھا ہے جسے وہ لامحالہ کر کے رہے گا۔ آنکھ کا زنا دیکھنا ہے۔ زبان کا زنا بولنا ہے، اور نفس اس زنا کی خواہش وتمنا رکھتا ہے اور شرمگاہ اس خواہش کی تصدیق کرتی ہے یا تکذیب۔

سنت نبوی جرم کے واقع ہونے کے بعد بھی خاموش نہیں ہے بلکہ وہ رہنمائی کرتی ہے کہ توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے، نیکیاں ماضی کی گناہوں کو دھو دیتی ہیں، اور اس کے لیے یہ پورا موقع ہے کہ جرم کا ارتکاب کر کے جس امن کو اس نے نقصان پہنچایا ہے، اس کی تلافی کرے اور ایک پرامن زندگی گذار کر امن کے منصوبہ کو آگے بڑھائے، ارشاد ہے:

''التائب من الذنب كمن لاذنب له''۔

گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے گناہ ہی نہیں کیا ہے۔

مزید ارشاد فرمایا:

''إن العبد إذا أخطأ خطيئة نكتت في قبله نكتة سوداء فإذا هو نزع واستغر وتاب صقل قلبه وإن عاد زيد فيها حتى تعلو قلبه''۔

بندہ جب کوئی خطا کرتا ہے تو اس کے دل میں سیاہ نقطہ بن جاتا ہے۔ جب وہ گناہ ترک کر کے توبہ کر لیتا ہے تو اس کا دل منور ہو جاتا ہے۔ اور گناہ میں دوبارہ لوٹتا ہے تو وہ نکتہ اس کے دل پر دوبارہ چڑھ جاتا ہے۔

حضرات!

عصر حاضر میں اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ اسلامی شریعت کی خوبیوں کو علمی اور موثر انداز میں پیش کیا جائے، یہ اس وقت کا جہاد ہے۔ اللہ ہم سب کو توفیق سے نوازے، آمین۔

☆☆☆

عصر حاضر میں سیرت نبوی کا تعارف اور ہماری ذمہ داری

ڈاکٹر محمد عقیل
شعبۂ فارسی، بنارس ہندو یونیورسٹی

خدائے لم یزل نے تمام مخلوقات میں انسان کو عزّ وشرف، برتری اور فوقیت کے ساتھ خلیفۃ الارض کا گرانقدر منصب اور عظیم الشان امتیاز عطا فرما کر اس دنیا میں بھیجا۔ مزید اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ کو قائم و دائم رکھنے کے لیے ذوق فطری سے سرفراز کیا۔ خیر وشر، زشت وخوب کی سمجھ دے کر ایک آئینی دستور بھی عطا کیا تا کہ اس دستور ازلی کو بروئے کار لا کر دنیا و آخرت میں کامیاب و کامراں ہو سکے۔ اس سلسلے کو جاری رکھنے کے لیے نبوت کا منصب قائم کیا اس عہدۂ جلیل القدر کے لیے اپنے برگزیدہ بندوں کو منتخب کیا جسے ہم نبی اور رسول سے موسوم کرتے ہیں۔ یہی انبیاء ورسل کا گروہ بنی نوع انسانی کی حقیقی بھلائی، اخلاقی پاکیزگی، دلوں کی صفائی، رشد وہدایت اور امن آشتی کا پیغام لے کر اس دنیا میں تشریف لائے۔ جنھوں نے ہماری روحانی بیماریوں کے نسخے ترتیب دئے ہمارے نفوس وقلوب کے تزکیہ وتنزیہ کے لیے ایک لائحہ عمل تیار کیا۔ اخلاق وسیرت اور رواداری کا ایک ایسا مستحکم نظام قائم کیا جس کی وجہ سے دنیا میں صحیح تمدن وصالح معاشرت کی تشکیل ہوسکی۔ ان کے اوصاف حمیدہ کو رب کائنات نے اس طرح بیان کیا ہے: ﴿ و یامرھم بالمعروف و ینھھم عن المنکر و یحل لھم الطیبت و یحرم علیھم الخبائث و یضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم﴾ (الاعراف) ''نبی لوگوں کو نیک کام کرنے کا حکم دیتے ہیں بُری باتوں سے روکتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو لوگوں کے لیے حلال اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں بوجھ ان سے دور اور طوق ان کے نکال دیتے ہیں۔''

درحقیقت یہ ابدی ولاثانی فطری نظام ہے جس میں ذرہ برابر بھی تغیر وتبدل کی گنجائش نہیں، اس لیے قرآن اس کی تصدیق کرتے ہوئے گویا ہے: ﴿ فطرۃ اللہ التی فطرالناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ ذلک الذین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون﴾ (الروم) ''یہ خدا کی بنائی ہوئی سرشت ہے جس پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ خدا کی بناوٹ میں ادل بدل نہیں ہوتی۔ یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ اسے نہیں جانتے''۔

انھیں نفوس قدسیہ اور برگزیدہ ہستیوں کا عالم انسانیت پر بے شمار احسانات ہیں جنھوں نے پیغام ازلی کی تبلیغ وتشہیر میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔

اسی انبیاء و رسل کے گروہ سے رب کائنات نے وادی بطحا میں اپنے آخری پیغمبر کو رحمۃ للعالمین کا لافانی خطاب عطا کر مبعوث فرمایا اس سے پہلے جتنے انبیاء و رسل اس دنیا میں تشریف لائے ان کا پیغام مقامی اور ایک خاص گروہ و طبقہ تک محدود تھا یہ تمام ہستیاں اپنی بزرگی اور معصومیت کے باوجود دوام و بقا کی دولت سے سرفراز نہ ہو سکے۔

اس جہاں فانی میں ایسی شخصیات کمیاب ہیں جن کی زندگی کا ہر لمحہ اور ہر گوشہ روشن و درخشاں کتاب کے مانند ہو جن کی خوبیوں اور کرامات کا چرچا ہمیشہ ہوتا رہتا ہے۔

بلا شک وتردید ان تمام بڑی شخصیات میں سب سے روشن نام محمد عربی ﷺ کا ہے جن کی بعثت سے قبل انسانی قدریں پامال ہو چکی تھیں۔ ضلالت اور گمراہی کا چہار سو نظارہ تھا، جہاں انسانیت زوال کے آخری کنارے پر کھڑی تھی۔ اس پر آشوب دور میں آپ ساری انسانیت کے لیے ابر رحمت بن کر آئے، ایک خاص قوم و مقام کے لیے نہیں بلکہ تمام اقوام عالم کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجے گئے، قرآن میں آپ کے ان خصائص کو اس طرح بیان کیا گیا ہے: ﴿إنا أرسلناك شاهدا و مبشرا و نذيرا و داعيا إلى الله بإذنه و سراجا منيرا﴾ ''اے پیغمبر! بے شک ہم نے تم کو شہادت دینے والا بشارت پہنچانے والا، ضلالت و خبائث سے خوف دلانے والا راہ الٰہی کی طرف داعی اور ایک نورانی مشعل بنا کر بھیجا۔

آپ کی سیرت میں ایسی جامعیت اور کاملیت ہے کہ اب تک تاریخ ایسا نمونہ نہ پیش کر سکی ہے اور نہ کر سکے گی۔ یہی وہ ذات ہے جنہیں آدم کا خلق، شیث کی معرفت، نوح کی شجاعت ابراہیم کی دوستی، اسماعیل کی زبان، اسحاق کی رضا، صالح کی فصاحت، لوط کی حکمت، موسی کی سختی، ایوب کا صبر، یونس کی اطاعت، یوشع کا جہاد، داؤد کی آواز، دانیال کی محبت، الیاس کا وقار، یحیی کی پاکدامنی اور عیسی کا زہد عطا کیا گیا۔ یعنی تمام نبیوں کی انفرادی خصوصیات آپ کی ذات مبارکہ میں موجود تھیں۔ ؎

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ایسی جامع اور کامل ہستی جو ہر نوع اور ہر گروہ کے لیے رشد و ہدایت کی مثالیں رکھتی ہو اسی کے لیے سزاوار و لائق ہے کہ مختلف نژاد اور قوموں سے بھری ہوئی دنیا کی عالمگیر رہبری و رہنمائی کا کام انجام دے۔ جو عزم و استقلال، رحم و کرم، غیظ و غضب، جود و سخا، شجاعت و بہادری اور دین و دنیا کی بھلائی کے لیے ہم کو اپنی زندگی کے نمونوں سے بہرہ مند کر دے، احکام خداوندی کے قوانین اور دستور عمل کا عملی نمونہ پیش کر کے دکھا دے، انسانیت کے ان تمام احساسات و جذبات میں توازن و اعتدال پیدا کر کے صحیح راہ و معنی متعین کر دے۔ یہ ذات فقط محسن انسانیت محمد ﷺ ہی کی ذات ہے جن کی صحبت اور حسن عمل سے خزف پارے گوہر آبدار بن گئے، آپ کی ذات بابرکت نے ابوبکر کو صدیق، عمر کو فاروق، عثمان کو غنی، اور

علی کو مرتضی بنا دیا۔ آپ ہی کے درسگاہ سے اخلاق عالیہ اور جہاں بانی کا سبق سیکھا اس کو بروئے کار لا کر درخشندہ و تابندہ اور ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ہو گئے۔

آیئے اب ذرا محمد عربی ﷺ کے شاہکار آخری خطبہ پر طائرانہ نظر ڈالیں، یہ آخری خطبہ جو عالم انسانیت کا ایک جامع و مانع منشور و مینوفیسٹو ہے یہ خطبہ اپنے ایجاز و اختصار کے ساتھ ساتھ مکمل آئین حیات انسانی ہے جس کا ایک ایک لفظ زرّین اور سنہرے حرفوں میں لکھے جانے کے لائق ہے، اتحاد و شیرازی بندی امت کے موضوع کو مرکزیت دیتے ہوئے درد انگیز الفاظ میں لاکھوں کے مجمع میں قیام اتفاق اور اتحاد اور امن و آشتی کی اپیل کرتے ہوئے حمد و صلوۃ کے بعد فرماتے ہیں:

اے لوگو! میں خیال کرتا کہ آج کے بعد میں اور تم اس اجتماع میں کبھی دوبارہ جمع نہیں ہوں گے۔

اے لوگو! تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہارا ننگ و ناموس اسی طرح ایک دوسرے پر حرام ہے جس طرح یہ دن (جمعہ) یہ مہینہ (ذی الحجہ) اور یہ شہر (مکہ مکرمہ) تم سب کے لیے قابل حرمت ہے۔

اسی جم غفیر میں جاہلیت کے تمام رسوم و قیود کو باطل قرار دیتے ہوئے حاکم و محکوم کے مابین مساوات، عورتوں کے حقوق ادا کرنے کی تلقین کی مزید سود جیسی مذموم شئ کو حرام قرار دیا۔ نسلی تفاخر کا قلع قمع کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اے لوگو! تم سب کا خدا بھی ایک ہی ہے اور تم سب کا باپ بھی ایک ہے، لہذا کسی عربی کو عجمی پر کسی سرخ کو سیاہ پر کسی سیاہ کو سرخ پر پیدائشی برتری حاصل نہیں ہوگی، ہاں! افضل وہی ہے جو پرہیز گاری میں۔ ہر مسلمان ایک دوسرے کا بھائی اور تمام مسلمان ایک برادری ہیں۔

اتحاد اسلام کی مستقل اساس اور اتحاد امت کے عملی پروگرام کی طرف رہنمائی کرنے کے بعد آپ نے آخر میں لوگوں سے فرمایا: ''و أنتم تسألون عنی فماذا أنتم قائلون۔ قالوا نشهد انك قد بلغت و ادّیت و نصحت الخ'' لوگو! قیامت کے دن تم سے میرے بارے میں سوال کیا جائے گا تم اس وقت کیا جواب دو گے؟ سب نے کہا۔ ہم اس کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ نے تمام احکام پہنچا دیئے اور فرض رسالت ادا کر دیا اور آپ نے ہم لوگوں کو کھرے کھوٹے کی بابت اچھی طرح بتا دیا۔

اس وقت نبی ﷺ اپنی انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھاتے پھر مجمع کی طرف اشارہ کر کے فرماتے: ''اللهم اشهد، اللهم اشهد، اللهم اشهد'' خدایا گواہ رہ، گواہ رہ، گواہ رہ۔ اس کے بعد فرمایا دیکھو! جو لوگ موجود ہیں وہ ان لوگوں تک جو یہاں موجود نہیں میری ہدایت پہنچاتے چلے جائیں ممکن ہے کہ بعض سامعین سے وہ لوگ زیادہ اس کلام کو یاد رکھنے اور حفاظت کرنے والے ہوں جن پر تبلیغ کی جائے۔

اس خطبہ کا آخری جملہ جو پیغمبرانہ مشن کی بنیاد و اساس ہے یعنی تبلیغ واشاعت حق، اس مجمع کو اس پیغمبرانہ مشن کی ذمہ داری بھی عطا کیا اس وقت سے لے کر قیامت تک مسلمان کو اس کا ذمہ دار قرار دیا، اس مجمع میں جو لوگ موجود تھے انھوں نے آپ کی باتوں کو حرز جان بنایا، اسلام کے لافانی پیغام کے تبلیغ وتشہیر کے لیے اقصائے عالم میں پھیل گئے۔ ابلاغ وترسیل کے جو ذرائع آج میسر ہیں اس وقت موجود نہ تھے لیکن انھوں نے شفوی طور پر سینہ بہ سینہ اور اسفار کے ذریعہ اس پیغام عظیم کو پہنچانے میں کوتاہی نہیں کی۔ جب کتابت کا سلسلہ عام ہوا تو ہمارے بزرگان، محدثین عظام ودانشوران اسلام نے سیرت کے موضوع پر بیش بہا اور قیمتی تصنیفیں کیں، جس میں حضور ﷺ کی پیدائش سے لے کر وفات تک ہر ہر لمحہ اور ہر ہر واقعہ تفصیلی ذکر ہے۔ اسلام کا لافانی ولازوال پیغام بہت ہی کم مدت میں افریقہ اور یورپ کے حدود پار کر گیا۔

یہودیوں کو چونکہ اسلام سے ازلی عناد ہے اس لیے انھوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف سازشیں اور ریشہ دوانیاں شروع کر دی۔ ان لوگوں نے سب سے پہلے حضور ﷺ کی شبیہ کو مجروح کرنے کی سعی کی، غلط باتوں کی ترویج و اشاعت میں یہودیوں کے ہم نوالہ وہم پیالہ ہو گئے۔ آپ کی شبیہ کو مسخ کرنے کے لیے ان لوگوں نے آپ کے اسم مبارک کو غلط تلفظ اور غلط معنی کے ساتھ پیش کیا جس سے وہاں کی عوام کے ذہن میں آپ کے تعلق سے غلط باتیں جاگزیں ہو گئیں۔ آپ کی کردار کشی کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل اور اس کو اجر وثواب و دینی فریضہ سمجھنے لگے۔

سب سے پہلا شخص جو حضور ﷺ کے شبیہ کو بگاڑنے اور کردار کشی کے لیے جانا جاتا ہے وہ جون دمشقی ہے، جس کی وفات 750 عیسوی میں ہوئی تھی، یہ ایک عیسائی پادری تھا، جس نے اپنی پوری زندگی اسلام کے خلاف غلط پروپیگنڈہ ہی میں گذار دی۔ اس کے بعد یہودی اور عیسائی دانشوروں نے اس پروپگنڈہ کو پھیلانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑا جس کی وجہ سے حضور ﷺ کی سیرت وکردار کے بارے میں ایک غلط تصور یورپ کے ممالک میں صدیوں تک باقی رہا۔

اٹھارویں صدی ایک اصطلاح وضع ہوتی ہے جسے Orientalism کا نام دیا گیا، جس میں علوم مشرقیہ کو جدید زمانے کے تناظر میں جانچا پرکھا اور سمجھا جاتا ہے۔ یعنی:

Orietalism is the scientific decipline that deels with spritual culture of the east as well as the history and follow their development through modorn times.

اور اس میں مہارت رکھنے والے کو Orientatsst یا مستشرق کہتے ہیں۔ Orientalism کو academic Decipline کے نام سے سب سے پہلے نپولین نے 1795 میں فرانس میں شروع کیا پھر جرمن اور یورپ کے دوسرے ممالک نے اس academic Decipline کا آغاز کیا۔

جب یورپ کے دانشوروں نے حضور ﷺ کی سیرت کی ان کتابوں کا جن کے مصنفین مسلمان تھے ان غیر مسلم مصنفین جنہوں نے حضور ﷺ کی سیرت پر کتابیں لکھی تھیں ان کتابوں کا جب بغور مطالعہ اور مزید موازنہ ومقابلہ کیا تب انھیں حقائق اور سچائی سے روبرو ہونے کا موقع ملا۔ ذاتی تعصب وعناد کے باوجود سچائی کو چھپانے سے قاصر رہے۔ یورپ کے بعض انصاف پسند دانشور اور سیرت نگار نے برملا اعتراف کیا ہے کہ محمد ﷺ کردار کشی اور غلط بیان میں یورپ کے مصنفین کا بڑا ہاتھ ہے۔ اس کے بعد مستشرقین کا ایک انصاف پسند طبقہ حضور ﷺ کی صحیح سیرت وشبیہ کو پیش کرنے میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ مستشرقین کا دوسرا گروہ ابھی تک حضور ﷺ کے سیرت سے تعلق غلط پروپگنڈہ اور غلط بیانی میں مشغول ومصروف ہیں۔

چونکہ حضور ﷺ کی ذات گرامی تمام عالم کے لیے اسوہ ونمونہ ہے اس لیے عصر حاضر میں بھی وہی اس کی عظمت و فضیلت ہے جو چودہ سو سال سے اپنی تابانی ودرخشانی اور انسانی کردار کو استوار ومستحکم کرنے کے لیے معروف ومشہور ہے۔

یہ زمانہ ایجادات اور انکشافات کا زمانہ ہے۔ ذرائع ابلاغ یعنی ٹی وی، انٹرنیٹ اور فیس بک نے دنیا کو ایک خانوادے میں منتقل کردیا ہے۔ بعد زمانی اور مسافت طولانی کا ایک خوفناک تصور ان ایجادات نے ذہنوں سے محو کردیا ہے۔ اب انسان اپنے افکار وخیالات کو ان وسائل کا استعمال کرکے چند لمحوں میں دنیا کے کسی گوشے میں بھیج سکتا ہے۔

وہ پیغمبرانہ ذمہ داری جو چودہ سو سال پہلے مسلمانوں کو دی گئی تھی یعنی تبلیغ وتشہیر حق وانصاف اور سیرت طیبہ کا زندہ کردار، عصر حاضر میں مسلمانوں پر یہ ذمہ داری اور بڑھ گئی ہے چونکہ ابلاغ وتشہیر کے لیے ذرائع ووسائل کی کمی نہیں۔ اس لیے ایسے خطے اور ایسے لوگ جن کے ذہن میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں غلط باتیں جاگزیں کرادی گئیں ہیں۔ ان تک اسلام اور پیغمبر اسلام کی صحیح شکل وشبیہ اور سیرت مبارکہ کا روشن باب پہنچانا وپیش کرنا ہمارا دینی واخلاقی فریضہ ہے۔

اس اہم ذمہ داری اور پیغمبرانہ مشن سے ہم انحراف وتساہلی نہیں کرسکتے۔ اگر ہم نے آج ذرائع ابلاغ کو حکمت عملی اور دور اندیشی سے استعمال نہیں کیا۔ سیرت طیبہ کے بارے میں مستشرقین اور معاندین اسلام کا جواب مدلل طریقہ سے پیش نہیں کیا تو یہی ذرائع ابلاغ ہمارے ادبار وزوال میں مزید اضافہ کا باعث ہے۔ میں اپنی بات قدسی کے اس شعر پہ ختم کرتا ہوں ؎

زان شدہ شہرۂ آفاق بہ شیریں رطبی بہ مقامی کہ رسیدی نرسد ہیچ بنی

☆☆☆

دینی مدارس کے بنیادی مقاصد اور امن عالم

مولانا نور العین سلفی
کلیہ فاطمۃ الزہراء، مئو

الحمد لله وحده والصلوة والسلام على من لا نبى بعده، أمابعد:

قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿ فلولا نفر من كل فرقة طائفة ليتفقهوا فى الدين ولينذروا قومهم إذا رجعوا إليهم لعلهم يحذرون﴾ [توبة: ۱۲۲)

عالی جناب صدر مجلس، علماء عظام، حاضرین کرام، گرامی قدر ذمہ داران جامعہ سلفیہ: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آج کے اس سیمینار کا مرکزی عنوان ہے ''سنت نبوی اور امن عالم'' اور ناچیز کے ذمہ ذیلی عنوان ہے ''دینی مدارس کے بنیادی مقاصد اور امن عالم''

الحمدللہ آج پورے ملک میں دینی مکاتب اور مدارس کا ایک جال پھیلا ہوا ہے، مشکل ہی سے کوئی ایسی جگہ ملے گی جہاں مسلمان ہوں اور دینی تعلیم کا انتظام نہ ہو۔

دینی ادارے چھوٹے ہوں یا بڑے، ان کی کارکردگی، ان کی تعلیم اور ان کا نظم ہمیشہ سے صاف ستھرا اور غیر مشتبہ رہا ہے، دینی ادارے ہر طرح کی سیاست، احتجاج اور مظاہروں سے دور رہے ہیں، وہ دنیا کے ہنگاموں سے کٹ کر قال اللہ اور قال الرسول کی صدا بلند کرتے ہیں اور بس۔

لیکن ملک میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا ہے جس کی فکر زہر آلود ہے، امن وسلامتی کی بات وہ بول ہی نہیں سکتے ان کی ہر بات فتنے اور اذیت کی ہوگی، یہ تاریخ کا پہلا انکشاف ہے کہ مسلمان دہشت گرد ہیں اور ان کے دینی ادارے دہشت گردی کا اڈہ ہیں۔ اس سفید جھوٹ کو اتنی شہرت دی گئی کہ مسلمانوں کو صفائی دینے کے لیے سیمیناروں اور کانفرنسوں کا سہارا لینا پڑا۔ جبکہ حقیقت میں یہ مسلمانوں کو بدنام کرنے اور الجھائے رکھنے کا ایک بہانہ ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ دینی ادارے ملت اسلامیہ کی تہذیب وثقافت کی بقاء کے لیے شہ رگ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے امکانات محدود ہیں لیکن وہ اپنے دائرے میں رہ کر جتنا کچھ کر رہے ہیں وہ لائق شکر ہے۔

دینی مکاتب:

دینی اداروں میں دینی مکاتب کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، ان مکاتب میں عموماً درجہ پانچ تک تعلیم دی جاتی ہے اور نصاب تعلیم میں اس بات کی رعایت کی جاتی ہے کہ طلبہ دین اور دنیا دونوں سے مربوط رہیں۔ درجہ پانچ پاس کرنے کے بعد طلبہ کے لیے دو راستے کھلے ہیں۔ دینی اور عصری: بچہ چاہے تو کسی اسکول میں داخلہ لے اور عصری تعلیم حاصل کرے۔ اور اگر چاہے تو عربی ادارے میں داخلہ لے اور دینی علوم حاصل کرے۔ دینی مکاتب کی افادیت کے پیش نظر یہ ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند سال پہلے تک ہمارے بچے مکتب کی تعلیم پوری کرنے کے بعد ہی کسی اسکول کا رخ کرتے تھے۔ لیکن حال کے چند سالوں میں بڑی تبدیلی آئی ہے۔ کانوینٹ اور انگلش میڈیم اسکولوں کی بھرمار ہوگئی ہے، ان کی چمک دمک اور ٹیپ ٹاپ دیکھ کر ہمارے بچے دینی مکتب چھوڑ کر اُدھر بھاگ رہے ہیں۔ ان ماڈرن اسکولوں میں جو کچھ پڑھایا اور سکھایا جاتا ہے وہ بہر حال اسلامی مزاج سے میل نہیں کھاتا اس لیے علماء کرام عموماً ان اسکولوں میں پڑھانے سے منع کرتے ہیں۔ لیکن صرف منع کرنے سے کام نہیں چلتا۔ قوم کو اس تعلیم کا بدل چاہئے۔ جہاں محذورات سے بچنا ہے وہیں دنیا سے رشتہ توڑا بھی نہیں جا سکتا۔

ایک وقت اس ملک میں ایسا گذرا ہے جب انگریزی تعلیم حرام تھی، انگریزی تعلیم حاصل کرنے والے گھرانوں میں رشتہ نہیں کیا جاتا تھا۔ اس فکر نے مسلمانوں کو کتنا نقصان پہنچایا وہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ انگلش میڈیم اسکولوں کی تعلیم اور تہذیب اگر اسلام کے مزاج کے خلاف ہے تو ہمیں اس کا بدل تلاش کرنا ضروری ہے۔ ہم دنیا سے کٹ کر نہیں رہ سکتے، میں یہ کہنا چاہوں گا کہ انگلش میڈیم اسکولوں کی بھاری فیس امراء ہی ادا کر سکتے ہیں اور ہر جگہ دینی اداروں کے ذمہ دار بھی عموماً امراء ہی ہوتے ہیں اور انھیں کے بچے انگلش میڈیم اسکولوں میں جاتے ہیں، سوال یہ ہے کہ آپ کے بچے آپ کا ادارہ چھوڑ کر کیوں بھاگ رہے اگر آپ اپنے اداروں کی تعلیم اور نصاب و نظام سے مطمئن نہیں ہیں تو آپ کو جو کمی اپنے دینی مکاتب میں نظر آرہی ہے وہ پوری کیجئے اور جو جاذبیت اور کشش انگلش میڈیم اسکولوں میں نظر آرہی ہے، کشش کا وہی سامان آپ اپنے یہاں پیدا کیجئے تا کہ کوئی بچہ نہ بھاگے۔ نہ آپ کا نہ ہی پڑوس کا۔ دینی ماحول میں رہ کر دنیا کی بھی تعلیم حاصل کرے اور دین کا رنگ غالب رہے۔ اگر آج اس پر توجہ نہیں کی گئی تو دو عشرہ جاتے جاتے ہمارے بچے دین سے بے بہرہ ہو جائیں گے۔ اللہ اور رسول، قرآن اور حدیث کا نام بھی نہیں جان پائیں گے، نماز اور دعائیں تو بعد کی بات ہے۔ میرے نزدیک چمن اسلام کی تعلیم بخاری کی تعلیم سے زیادہ اہم ہے، اس لیے دینی مکاتب کی اصلاح بے حد ضرورت ہے۔

مدارس کے مقاصد:

ہر مقصد کا پالینا آسان نہیں ہے لیکن دینی مدارس اور جامعات کے قیام میں جن مقاصد کو سامنے رکھا گیا ہے ان میں مسلمان تقریباً صد فیصد کامیاب ہیں۔

آج آپ کو ملک میں جہاں کہیں بھی اسلامی تہذیب اور دینی شعار نظر آرہا ہے وہ سب مدارس کی دین ہے، وضع قطع، کرتا پائجامہ، حجاب نقاب، مساجد اور دینی اجتماعات، عید اور بقرعید کی رونق یہ سب دینی مدارس کے دم سے قائم ہے۔ فرض کیجئے اگر یہ ادارے نہ رہیں تو چند سالوں میں کرتا پائجامہ، داڑھی، حجاب اور نقاب سب پردے میں چلے جائیں گے اور سارے دینی شعائر مٹ جائیں گے، اس لیے ماننا پڑے گا کہ دینی شعائر کی بقاء مدارس کی بقاء پر موقوف ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ﴿ فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا فى الدين ولينذروا قومهم إذا رجعوا إليهم لعلهم يحذرون﴾ (توبة: ۱۲۲)

اس آیت کریمہ کا صحیح مصداق مدارس اور اس کے اساتذہ اور طلبہ ہیں، یہ مدارس دعوت إلی اللہ کا مرکز اور منبع ہیں، یہاں سے رشد وہدایت، امن وشانتی اور علم وعرفان کے چشمے پھوٹتے ہیں، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، کھانے پینے، ملنے جلنے کے آداب یہیں سکھائے جاتے ہیں، سفر حضر اور خلوت جلوت کے احکام یہیں بتائے جاتے ہیں، لین دین، بیع وشراء، اجارہ اور کفالہ، تجارت اور معیشت کے پاکیزہ اصول انھیں اداروں میں بتائے جاتے ہیں، حلال وحرام کی تمیز یہیں سکھائی جاتی ہے، دینی ادارے وہ مراکز ہیں جہاں نکاح، طلاق، لعان، ظہار، نفقات اور معاشرت کے مسائل سکھائے جاتے ہیں، یہ وہ مقدس مقام ہے جہاں ماں باپ، بھائی بہن، شوہر بیوی، رشتہ ناطہ اور اڑوس پڑوس کے حقوق کا درس دیا جاتا ہے۔ ہمارے اداروں میں وہ عقائد پختہ کئے جاتے ہیں جو مخلوق کو خالق سے عابد کو معبود سے اور بندے کو آقا سے جوڑتے ہیں۔ ربوبیت، الوہیت، نبوت، رسالت، معاشرت اور حکومت کون ایسا موضوع ہے جس کا درس ان اداروں میں نہیں دیا جاتا۔ یہ ادارے پیدائش سے لے کر مرنے تک اور فقیری سے لے کر بادشاہی تک ہر چھوٹی بڑی تعلیم کو محیط ہیں۔ دنیا میں چین اور سکون کی زندگی گذارنے کے لیے کیا کرتا ہے اور کیا نہیں کرتا ہے دونوں کی بھرپور تعلیم دی جاتی ہے۔

مزید وضاحت کے لیے آیئے ہم قرآن کریم، حدیث رسول اور سیرت طیبہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اس لیے کہ یہ ادارے انھیں تینوں کے مجموعے سے مرکب ہیں۔ پہلے ایک حدیث سماعت فرمائیں جس سے آپ اندازہ کرسکیں گے کہ نبی کریم ﷺ کیسی نمائندہ جماعت تیار کرنا چاہتے تھے، آج مدارس میں وہی نمونہ تیار کرنے کی کوشش کی

جاتی ہے۔

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ سفر سے مدینہ منورہ واپس تشریف لا رہے تھے، جب آپ مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو آپ نے فرمایا: ''إنكم قادمون على إخوانكم فأصلحوا رحالكم و أصلحوا لباسكم حتى تكونوا كأنكم شامة فى الناس ''(رواہ ابوداؤد)

دیکھو! اب تم اپنے بھائیوں کے پاس پہنچ رہے ہو، لہذا اپنی سواری اور اپنا لباس ٹھیک ٹھاک کرلو اور لوگوں میں ایسے نمایاں رہو جیسے چہرے پر تل۔

تل کیا ہے؟ جسم کا ایک چھوٹا سا داغ ہے، مگر جاذب نظر ہے، حسن کو دوبالا کرتا ہے، چہرے کو دوسرے چہروں سے ممتاز کرتا ہے، درسگاہ نبوت سے ہمیں درس دیا جارہا ہے کہ اقوام عالم میں تمہارا وجود مانند تل ممتاز اور نمایاں رہنا چاہئے۔ تم اپنی رفتار، گفتار، وضع قطع اور قول وفعل سے جہاں کہیں بھی رہو پہچان لئے جاؤ۔ یہی نہیں بلکہ تمہارا امتیاز اور وجود دوسری قوموں کی زینت کا باعث ہو۔

معزز حاضرین کرام:

ہمارے دینی ادارے یہی تہذیب، یہی تشخص اور یہی امتیاز افراد امت میں پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ یہی اولین مقصد ہے۔ یہ ادارے بندوق، رائفل اور بم سازی کے کارخانے نہیں ہیں، یہ وہ کارخانے ہیں جہاں انسان ڈھالے جاتے ہیں۔

ان اداروں میں ملک وملت کی پاسداری، امن پسندی، غریب پروری، انسانیت دوستی، دردمندی اور خیر خواہی کا جو درس دیا جاتا ہے اسے اس حدیث کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کریں جس کا تعلق نبوت کے پہلے دن سے ہوتا ہے۔

درسِ اخوت:

یہ نبوت کا پہلا دن ہے آج سے پہلے آپ کی زندگی عام انسانوں جیسی تھی لیکن یہ زندگی بھی خیر خواہی، ہمدردی، غریب پروری اور اخوت ومحبت کا بہترین نمونہ تھی۔ نزول وحی کا پہلا دن ہے، بار نبوت سے گھبرائے ہوئے حیران و پریشان آپ اپنی زوجۂ مطہرہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرماتے ہیں: ''لقد خشيت على نفسى '' مجھے میری جان کا خطرہ ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے سنا اور برجستہ فرمایا: '' كلا والله لا يخزيك الله ابدا ''ہرگز نہیں! اللہ کی قسم اللہ آپ کو رسوا نہیں کرسکتا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یہ گارنٹی کیوں لی؟ ان کو یہ اعتماد کیوں ہوا؟ ظاہر ہے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

نے اب تک آپ کی قبل از نبوت کا جو تجربہ کیا تھا اس کی بنیاد پر یہ گارنٹی لی تھی، وہ تجربہ کیا تھا؟ سماعت فرمائیں۔ فرماتی ہیں: " إنك لتصل الرحم و تحمل الكل و تكسب المعدوم و تقرى الضيف و تعين على نوائب الحق "(صحیح بخاری/۳)

بے شک آپ رشتوں کو جوڑتے ہیں، کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، آپ لوگوں کو ایسی چیز دیتے ہیں جو لوگوں کے پاس نہیں ہے۔ آپ مہمان نوازی کرتے ہیں، آپ حق کی مشکلات میں حق کی مدد کرتے ہیں۔

یہ پانچ اخلاق فاضلہ ان مسلمات میں ہیں جن پر کسی کی حفاظت اور صیانت کی گارنٹی لی جاسکتی ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی جس زندگی کا تجربہ کیا تھا وہ قبل از نبوت تھی اور اس طویل وقفے میں انھوں نے آپ کو مذکورہ اوصاف حمیدہ میں کامل پایا تھا۔ اس لیے اللہ کی قسم کھا کر حفاظت کی ضمانت لے لی۔ جب آپ کی قبل از نبوت زندگی کا یہ معیار ہے تو بعد از نبوت کا معیار زندگی بلاشبہ اس سے بلند ہوگا۔ عرض ہے کہ دینی اداروں میں اسی معیار زندگی کا درس دیا جاتا ہے۔

کایا پلٹ:

نبوت کے بعد آپ کی زندگی دو حصوں میں منقسم ہے۔ ۱۳/ سال مکی زندگی اور ۱۰/ سال مدنی زندگی ہے۔ مکی زندگی کا جائزہ لیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اعلان نبوت کے ساتھ ہی مخالفتوں کا طوفان کھڑا ہو گیا۔ جدھر دیکھئے جان مال کا خطرہ ہے، عداوتیں ہیں، سماجی بائیکاٹ، محاصرہ اور ناکہ بندی ہے۔ اس کے جواب میں صبر و تحمل ہے، حق گوئی اور ایمان داری ہے، گالیوں اور عداوتوں کا استقبال خلق عظیم سے ہے۔ نہ کہیں شور و شر ہے، نہ جذباتیت ہے، نہ انتقامی کارروائی ہے، نہ کوئی آہ و فغاں ہے، زبان رسالت پر اگر کچھ ہے تو دعوت إلی اللہ، جنت و جہنم کا ذکر، آخرت کے دلائل، توحید اور رسالت کا پیغام ہے۔

آپ کی زندگی کا دوسرا دور ہجرت مدینہ سے شروع ہوتا ہے، آپ نے اور آپ کے اصحاب نے اعزہ، اقرباء، کنبہ، قبیلہ مال اور تجارت سب کو الوداع کہا اور مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی، یہاں کی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہاں احباب و اعوان کی کثرت ہے، تجارت اور معیشت ہے، سیاست اور حکومت ہے، حکومتوں سے سفارت اور معاہدات ہیں، جنگیں اور لڑائیاں ہیں، قانون شکنی اور سزائیں ہیں، حدود و تعزیرات ہیں، حقوق اور معاملات ہیں غرض ایک مکمل نظام زندگی اور نظام حکومت ہے۔

دس سال کی مدت میں عرب کی وہ صحرائی زندگی گذارنے والے افراد جو لوٹ پاٹ، ظلم و زیادتی کے سوا کچھ

جانتے ہی نہیں تھے ان کی کایا پلٹ ہوگئی اور ایک ایسی منظم اور متمدن حکومت قائم ہوگئی جو وقت کی متمدن اور مہذب کہی جانے والی حکومتوں کے لیے ماڈل اور نمونہ بن گئی۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رہزنی کی شکایت کی اس پر رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے مخاطب ہوکر فرمایا: عدی! اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ حیرہ شہر سے تنہا ایک عورت سفر کر کے مکہ آئے گی اور طواف، عمرہ کر کے چلی جائے گی، راستے میں اس کو کوئی چھیڑنے والا نہیں ملے گا۔ حضرت عدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب آپ نے یہ فرمایا تو میں نے اپنے دل میں کہا آخر اس وقت قبیلہ طی کے چور اور ڈاکو جو پورے علاقے میں آگ لگا رکھے ہیں وہ کہاں چلے جائیں گے؟ مزید فرماتے ہیں: لیکن میری زندگی ہی میں وہ وقت آ گیا اور میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ تنہا عورت یمن سے مکہ کا سفر کرتی ہے اور کوئی چھیڑنے والا نہیں۔

علماء ذی وقار اور حضرات حاضرین کرام!

امن وشانتی کا یہ ماحول کیسے پیدا ہوا، عرب کے چور، ڈاکو اور قاتل کیسے اسلام کے خادم بن گئے؟ جواب بہت آسان ہے۔ وہاں انسان کا نہیں اللہ کا قانون نافذ کیا گیا۔ جس نے قتل کیا قصاص میں اس کو قتل کر دیا گیا، جس نے دانت توڑا، اس کا دانت توڑ دیا گیا، جس نے آنکھ پھوڑی اس کی آنکھ پھوڑ دی گئی یا پھر دیت پر راضی کیا گیا۔ جس نے زنا کیا اس کو رجم کر دیا گیا یا کوڑے لگائے گئے، جس نے چوری کی اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ قیام امن کے یہ اصول ہیں اور دینی اداروں میں نظام عدل کی یہی تعلیم دی جاتی ہے اور اداروں کا مقصد انھیں پاکیزہ تعلیمات کو عام کرنا ہے۔

آج آپ اخبار اٹھایئے تو بم دھماکہ، چوری، ڈکیتی، لوٹ پاٹ، قتل، ظلم، عصمت دری، گھوٹالہ، رشوت، فریب، جوا، سٹہ، اغوا، فرقہ وارانہ فسادات، غریبوں کے حقوق کی پامالی، پولیس کی جانبداری کی خبروں سے اخبارات کے صفحات بھرے رہیں گے۔

ضمیر کی آواز:

زنا کاری ساری دنیا کی نگاہ میں فطرۃً معیوب ہے لیکن خبروں کے مطابق ہمارے ملک میں ہر بیس منٹ پر عصمت دری کا کوئی ایک واقعہ پیش آتا ہے۔ ابھی چند دنوں کی بات ہے دلی میں ایک طالبہ کے ساتھ اجتماعی عصمت دری کا حادثہ پیش آیا، اس المناک حادثہ کے ردعمل میں ملک کی نوے فیصد عوام نے زانی کی پھانسی کا مطالبہ کیا۔ یہ مطالبہ کسی کے نزدیک جذباتیت کا ردعمل ہو تو ہو۔ ناچیز کے نزدیک یہ جذباتیت نہیں فطرت کا مطالبہ ہے۔ ''فطرة الله التی فطرالناس علیها لا تبدیل لخلق الله'' (روم: ۳۰) مدارس کا بنیادی مقصد فطری تعلیم سے قوم کو

روشناس کرانا ہے اور بہکی عوام کو فطرت پر لانا ہے۔قرآن وحدیث کی تعلیم ضمیر کی آواز اور فطرت کی پکار ہے۔

قتل اسلام کی نگاہ میں اتنا بڑا جرم ہے کہ ایک کا قتل ساری انسانیت کا قتل ہے۔﴿ من قتل نفسا بغير نفس أو فساد فی الأرض فكأنما قتل الناس جميعا﴾(المائدہ:۳۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے قتل کو ورطہ سے تعبیر کیا ہے۔ورطہ اس مصیبت کو کہتے ہیں جس میں پڑنے کے بعد نجات نہ حاصل ہو۔آج صرف ایک دن کے بم دھماکوں میں سینکڑوں لوگ لقمۂ اجل ہو جاتے ہیں۔رشوت کا حال اتنا بُرا ہے کہ کسی سرکاری آفس میں بغیر رشوت آپ کا کوئی کام نہیں ہوسکتا۔

گھوٹالہ کا حال نہ پوچھئے کوئی ایم، ایل، اے، ایم پی، ہوگا یا پھر وزیر اور سابق وزیر ہوگا۔راز فاش ہوگیا تو دو چار روز شور ہنگامہ ہوگا۔نتیجہ صفر ہوگا۔

یہ ساری باتیں قانون کی نگاہ میں جرم ہیں ان کے ارتکاب پر سزائیں مقرر ہیں،لیکن قانون کا ہاتھ مجرموں تک نہیں پہنچ پاتا، مجرم آزاد ہے اور ظلم بڑھتا جارہا ہے اگر کوئی ظلم کو مٹانا چاہے تو وہ خود ظلم کا شکار ہو جائیگا۔

اکابرین ملت!

مجھے کہنا یہ ہے کہ مدارس میں جرائم سے اور ظلم وزیادتی سے بچنے کی تعلیم دی جاتی ہے،ان کی قباحت اور انجام بد سے آگاہ کیا جاتا ہے، یہ عقیدہ راسخ کیا جاتا ہے کہ کوئی دیکھے یا نہ دیکھے تمہارا خالق دیکھ رہا ہے،تمہاری حرکات وسکنات بلکہ دل کے وسوسوں کا بھی ریکارڈ تیار ہورہا ہے،اُس سے بچنا اور چھپنا تمہارے بس سے باہر ہے،آخرت کا یہ عقیدہ ہر طالب علم کے دل میں راسخ کیا جاتا ہے۔

امن عالم کی تعلیم:

اسلام کا اشتقاق ہی صُلح وآشتی کا معنی ادا کرتا ہے اور جب آپ اس کی تعلیمات کا مطالعہ کریں گے تو معلوم ہوگا کہ پوری تعلیم محبت،اخوت، ہمدردی،غمخواری،عدل وانصاف،امن وآشتی کا پیغام ہے۔

سلامتی اور امن کو پھیلانا اسلام کو اتنا مطلوب ہے کہ اس نے ملاقات کے آداب میں سب سے پہلا ادب ''سلام'' قرار دیا ہے حکم ہے''أفشوا السلام''سلامتی کو پھیلاؤ،یعنی اپنے بھائی سے ملتے وقت سب سے پہلے تم اس کو سلامتی کی دعا دو اور اسے اطمینان دلاؤ کہ میں تمہارا خیرخواہ اور ہمدرد ہوں۔قرآن کریم کے بیان''فحيوا بأحسن منها''کے مطابق وہ جواب میں تم سے بہتر سلامتی کی دعا دے گا۔

سلامتی کی اشاعت میں مزید وسعت پیدا کی گئی اور فرمایا گیا:''تقرأ السلام على من عرفت ومن لم

تعرف ''(حدیث) یعنی سلام صرف متعارفین تک محدود نہیں ہے۔ پہچانو یا نہ پہچانو اگر تمہارا بھائی ہے تو حکم ہے کہ اس کو سلام کرو اور اپنی جانب سے امن کا پیغام دو۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے فرمان پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ سلامتی کے پھیلاؤ میں صرف اپنا معاشرہ مخصوص نہیں ہے بلکہ پوری دنیا میں امن وسلامتی کا پھیلانا مسلمان کی ذمہ داری ہے اور اس ذمہ داری کی ادائیگی کمال ایمان کی دلیل ہوگی۔ فرماتے ہیں جس نے تین خوبیاں پیدا کرلیں اس نے ایمان کو مکمل کرلیا۔ ان میں سے ایک یہ ہے ''بذل السلام للعالم ''(صحیح بخاری/ایمان) پوری دنیا میں سلامتی کو پھیلانا۔ معلوم ہوا کہ اقوام عالم میں امن و سلامتی کا پھیلانا کمال ایمان کی دلیل ہے اور اس میں کوتاہی نقص ایمان کی دلیل ہے۔

علماء ذی وقار! امن اور سکون دنیا کی سب سے بڑی ضرورت اور سب سے بڑی نعمت ہے، اگر آدمی کو دنیا کی ساری نعمتیں حاصل ہیں لیکن خوف وہراس میں گھرا ہوا ہے تو ساری نعمت اس کے لیے بیکار ہے اور اگر سکون واطمینان ہے تو بھوکا رہ کر بھی رات گذار اسکتا ہے۔ قیام امن کے سلسلہ میں اسلام کا اصول اور ضابطہ سماعت فرمائیں۔

۱- ﴿من قتل نفسا بغير نفس أو فساد فى الأرض فكأنما قتل الناس جميعا ومن أحياها فكأنما أحياالناس جميعا﴾ (مائدة/ ۳۲)

جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد مچانے والا ہو، قتل کرڈالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کردیا اور جو شخص کسی ایک کی جان بچالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو زندہ کردیا۔

۲- ﴿وكتبنا عليهم فيها أن النفس بالنفس والعين بالعين والأنف بالأنف والأذن بالأذن والسن بالسن والجروح قصاص﴾ (مائدة:۴۵)

اور ہم نے یہودیوں کے ذمہ تورات میں یہ بات مقرر کردی تھی کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے۔

۳- ﴿ ولكم فى القصاص حيوة يا أولى الألباب﴾ (بقرة:۱۷۹)

اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے اے عقل والو!

۴- ﴿والسارق والسارقة فاقطعوا أيديهما جزاء بما كسبا نكالا من الله والله عزيز حكيم﴾ (مائدة:۳۸)

چوری کرنے والے مرد اور عورت کے ہاتھ کاٹ دو یہ بدلہ ہے اس کا جو انھوں نے کیا۔ اللہ کی جانب سے

عذاب کے طور پر، اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

یہ چند آیتیں آپ کو سنائی گئی ہیں۔ ان میں قیام امن کی بنیادی تعلیم دی گئی ہے اور یہ تعلیم اس عظیم وخبیر ہستی کی طرف سے ہے جو ساری کائنات کا خالق اور مالک ہے، ہر انسان کی فطرت سے واقف ہے، وہ علام الغیوب اور ''علیم بذات الصدور'' ہے اس لیے اس کے دستور اور بنائے نظام میں کوئی نقص ممکن نہیں ہے۔ دنیا میں قیام امن کے لیے ان حدود اور سزاؤں کا نفاذ ایسا ہی ضروری ہے جیسے زندگی کی بقاء کے لیے رگوں میں خون۔ ان حدود کے نفاذ میں جب تک کوتاہی کی جاتی رہے گی دنیا میں امن قائم نہیں ہوسکتا، عرب کی تاریخ اس پر گواہ ہے۔

ہمارے دینی ادارے حدود کا نفاذ تو نہیں کرتے اور نہ ایسا کرنا ان کے بس میں ہے لیکن یہ ادارے دنیا میں قیام امن کے لیے حدود کے نفاذ کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور دنیا میں جہاں کہیں بھی ان حدود کا کم یا زیادہ نفاذ ہے، وہاں امن بھی ہے اور اللہ کی برکتوں کا نزول بھی ہے۔

آج پوری دنیا دہشت گردی مٹانے کے لیے گلا پھاڑ رہی ہے لیکن دہشت مٹے کیسے؟ یہاں تو حال یہ ہے کہ الٹا چور چلائے، چور چور۔..... دہشت گردی کیسے مٹتی ہے اسے سنئے!

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور حکومت ہے اور یمن کا واقعہ ہے۔ ایک بچے کو چار لوگوں نے سازش کر کے مار ڈالا اور بوٹی بنا کر ایک تھیلے میں بھر کر گاؤں سے باہر ایک ویران کنوئیں میں ڈال دیا۔ لیکن دنیا میں کوئی بات چھپتی کہاں ہے راز فاش ہوگیا۔ تحقیق کے بعد قاتلوں نے اعتراف جرم کرلیا۔ حضرت یعلی بن اُمیہ ان دنوں یمن کے حاکم تھے انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو واقعہ کی اطلاع دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم صادر فرمایا: چاروں کو قصاص میں مار دیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ پر لوگوں کو اعتراض ہوا، ایک بچے کی اتنی اہمیت کہ اس کے قصاص میں چار بڑوں کو مار دیا جائے۔ یہ فیصلہ عقل اور انصاف کے خلاف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو آپ نے فرمایا: ''لو اشترك فيها أهل صنعاء لقتلتهم'' (بخاری) اس بچے کے قتل میں چار کیا اگر صنعاء شہر کے تمام لوگ شریک ہوتے تو میں سب کو قتل کر دیتا۔

سنا آپ نے اسلام کس طرح فساد کو مٹاتا ہے؟ اداروں میں قیام امن کے یہی اصول سکھائے جاتے ہیں۔ میں پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک قتل کے تمام مجرموں کا صفایا کر دیا۔

اگر آج بھی حکومتیں وہی طرز عمل اختیار کریں تو جرائم کا کلی طور سے صفایا ہو جائے، مجرمین کی سزاؤں میں سختی نہ کرنے کا یہ نتیجہ ہے کہ مجرمین کا طبقہ حکومت کے عملہ سے طاقتور ہوتا جا رہا ہے۔

ہماری تعلیم:

دینی مدارس جنہیں دہشت گردی کا مرکز اور ملک دشمن سرگرمیوں کی آماجگاہ کہا جارہا ہے۔ وہاں تعلیم دی جاتی ہے کہ ایک پیاسے کتے کو پانی پلا دینا دخول جنت کا باعث ہے اور کسی بلی کو بھوک سے مار ڈالنا جہنم میں جانے کا سبب ہے۔ جب کتے اور بلی پر یہ ثواب اور یہ عذاب ہے تو انسان پر کیا ہوگا یہ فیصلہ آپ کے اوپر ہے۔ ہماری تعلیم ہے کہ اگر حاکم وقت کا بیٹا کسی جرم کا مرتکب ہے تو سزا سے نہیں بچ سکتا۔ حضرت عمر نے اپنے بیٹے عبیداللہ کو شراب (خمر) کے جرم میں کوڑے لگائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غلام قنبر نے ایک شخص کو تین کوڑا زیادہ مار دیا گنتی میں فرق پڑ گیا تھا۔ مجلود نے شکایت کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوڑا مجلود کو تھمایا اور فرمایا: تین کوڑا تم لگاؤ اور اپنا بدلہ لو۔

قاضی شریح کے دربان نے بھیڑ ہٹانے کے لیے ایک شخص کو ایک کوڑا لگا دیا اس نے قاضی شریح سے شکایت کی قاضی شریح نے کہا تم بھی میرے دربان کو ایک کوڑا لگاؤ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لڑکے عبداللہ اور عبیداللہ نے حکومت کے مال سے سامان خرید لیا، بیچ کر نفع رکھ لیا اور رأس المال جمع کرنے کیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہلے ہی پتہ لگ گیا تھا۔ کہا اس کا نفع کہاں ہے، وہ بھی لاؤ سب بیت المال میں جمع ہوگا۔ تمہارا کیسا؟ تم خلیفہ کے بیٹا ہونے کا فائدہ اٹھاؤ گے۔ آخر معاملہ مضاربت پر طے ہوا۔

ہمارا درس ہے کہ عہدہ، منصب، کرسی اور حکومت، خدمت ہے چراگاہ نہیں ہے، ہماری تعلیم ہے کہ غریبوں کو مالداروں پر ترجیح دی جائے گی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے غلام ھُنی کو تاکید کرتے تھے کہ دیکھو سرکاری چراگاہ میں عثمان بن عفان اور عبدالرحمٰن بن عوف کے اونٹ اور جانور نہ آنے پائیں، یہ مالدار لوگ ہیں وہاں غریبوں کے جانوروں کو چرنے دو، وہی ان کا ذریعہ معاش ہے۔

ہمارا حال یہ ہے کہ حکومت کی ساری مراعات امراء اور حکام لوٹ لیتے ہیں اور غریب بیچارے منہ تاکتے رہ جاتے ہیں۔ ملک عرب جہاں لوٹ پاٹ اور قتل وخونریزی زندگی کا معمول تھا، وہاں دس سال کے اندر باذن اللہ امن وشانتی کا ایسا ماحول پیدا ہوا کہ پورا عرب عدل وانصاف اور امن کا گہوارہ بن گیا۔

دینی اداروں میں معاملات کے معاشرت کے اور احکامات وقضایا کے یہ زریں اصول سکھائے جاتے ہیں۔ جہاں ایسی پاکیزہ تعلیمات دی جائیں ان کو دہشت گردی کا اڈہ کہنا دن کو رات اور رات کو دن کہنے کے مرادف ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ دینی اداروں کی چہار دیواری میں امن پسند، ایماندار اور فرض شناس شہری فراہم کئے جاتے ہیں، یہاں کے اساتذہ، طلبہ کی ذہنی فکر گندگیوں، آلائشوں اور فتنہ سامانیوں سے پاک ہوتی ہے، ان کا فکری خمیر انسانیت، اخوت، محبت، دلسوزی، غریب پروری اور وطن دوستی کے جذبات سے تیار ہوتا ہے، ہماری بنیادی تعلیم ہے۔

۱-﴿ولا یجرمنکم شنآن قوم أن صدوکم عن المسجد الحرام أن تعتدوا وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب﴾ (مائدہ:۲)

ترجمہ: جن لوگوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا تھا ان کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم حد سے گذر جاؤ، نیکی اور پرہیزگاری میں تم ایک دوسرے کی مدد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم وزیادتی میں کسی کی مدد نہ کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

۲- ﴿ولا یجرمنکم شنآن قوم علی أن لا تعدلوا اعدلوا ھو أقرب للتقوی﴾ (مائدہ:۸)

ترجمہ: کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کردے، عدل کیا کرو، یہی پرہیزگاری سے زیادہ قریب بات ہے۔

۳- ﴿یا أیھا الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شھداء للہ ولو علی أنفسکم أو الوالدین والأقربین﴾ (نساء:۱۳۵)

ترجمہ: اے ایمان والو! عدل وانصاف پر مضبوطی سے جم جانے والے اور اللہ کے لیے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ، گو وہ تمہارے نفس یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف پڑے۔

سنا آپ نے! ہمارے اداروں میں تعلیم دی جاتی ہے کہ حتی الامکان دشمن سے بھی عفو ودرگذر سے کام لو اور اگر جوابی کارروائی ضروری ہوجائے تو انتقام میں ظلم وزیادتی نہ ہونے پائے، یہاں تک کہ حق وانصاف کی بات اگر تمہارے نفس اور تمہارے خاندان کے خلاف پڑے تو بھی اپنا نقصان برداشت کرلو لیکن انصاف کا دامن نہ چھوٹنے پائے۔

قابل توجہ:

دینی مدارس کے اغراض ومقاصد وہی ہیں جو اب تک آپ کو بتائے جارہے تھے، مقاصد کے حصول میں مدارس کس حد تک کامیاب ہیں وہ شروع ہی میں بتایا جاچکا ہے، پھر بھی بعض کمیوں سے انکار نہیں کیا جاسکتا، ان کی اصلاح کی طرح توجہ کی ضرورت ہے۔

ایک اندازے کے مطابق چار فیصد مسلم طلبہ دینی اداروں کا رخ کرتے ہیں اور دینی اداروں میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ عموماً غرباء کے ہوتے ہیں جو ذہنی اعتبار سے کمزور کہے جاتے ہیں، لیکن ذہانت پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہے، انہیں غریب طلبہ میں بعض نہایت ذہین بچے بھی ہوتے ہیں، یقین کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر سال اکثر دینی اداروں میں ایک دو ذہین بچے ضرور فارغ ہوتے ہیں، یہ بچے کہاں جاتے ہیں کچھ پتہ نہیں چلتا، لوگ اچھے دماغ کو تلاش کرتے ہیں ان کی تربیت کرتے ہیں اور فائدہ اٹھاتے ہیں، ہمارے یہاں ملی ہوئی صلاحیتیں ضائع ہوجاتی ہیں بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ رشک وحسد میں ضائع کردی جاتی ہیں تو مبالغہ نہیں ہوگا، صلاحیتوں کو استعمال کرنے کا ہمارے یہاں کوئی اہتمام نہیں ہوتا، اس پہلو پر خصوصی توجہ کی ضرورت ہے، اگر ہر سال ہر ادارہ صرف ایک ذہین طالب کا انتخاب کرے اور اس کی اعلی تعلیم وتربیت کا اہتمام کرے تو آپ اندازہ کریں کہ ہر سال کتنے دماغوں کو حاصل کیا جاسکتا ہے اور کتنی جلد رجال کار کی قلت پر قابو پایا جاسکتا ہے، ایثار کا جذبہ پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

دینی مدارس اور امن عالم:

یہاں ایک سوال یہ کیا جاسکتا ہے کہ دینی مدارس امن عالم کے قیام میں کیا کردار ادا کرسکتے ہیں؟

اختصار کے ساتھ عرض ہے کہ یہاں دو چیزیں ہیں ایک قیام امن کا ضابطہ اور دوسرے اس کی تنفیذ۔ قیام امن کا جو فطری ضابطہ ہونا چاہئے وہ خالق کائنات نے اپنے نبی کو عطا کردیا اور نبی ﷺ نے ہم تک پہنچادیا۔ دینی اداروں میں وہی ضابطۂ امن پوری توجہ کے ساتھ پڑھایا جاتا ہے اور دس سال کی محنت سے ایسے افراد تیار کئے جاتے ہیں جو طبعی ضابطۂ امن سے واقف ہوتے ہیں اور قیام امن کی راہ میں ان سے کام لیا جاسکتا ہے، رہ گیا تنفیذ کا مسئلہ تو یہ کام حکومتوں کا ہے، تنفیذ کے لیے طاقت چاہئے۔

ہاں دور حاضر میں سب سے بڑی طاقت میڈیا ہے، آج میڈیا ہی کے بل پر سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ باور کرایا جارہا ہے، اگر ہمارے ادارے میڈیا پر توجہ دیں اور اس پر اپنی گرفت مضبوط کریں تو ان شاء اللہ قیام امن میں بڑا کردار ادا کرسکتے ہیں۔

وفقنا الله لما يحب ويرضى۔

☆☆☆

گوشۂ طلباء

عالمی کانفرنس کے تناظر میں طلبا کی نگارشات

۱-	اخلاق نبوی ﷺ احادیث کی روشنی میں	عبداللہ تمجید عالم
۲-	نبی کریم ﷺ کی تبلیغ کے اثرات فتح مکہ سے پہلے	ریحان الحق ارشاد الحق
۳-	نبی کریم ﷺ کی ازدواجی زندگی اوراس کے اثرات	ضمیر احمد شفیق احمد خان
۴-	خطبۂ حجۃ الوداع کا پیغام انسان کے نام	عبدالحق عبدالمنان
۵-	ہندوستان میں اسلام	مجیب الرحمٰن عطاء الرحمٰن
۶-	بنی نوع انسان کے ساتھ آپ ﷺ کا عدل وانصاف	شہاب الدین سراج الدین
۷-	شاہان عالم کے نام رسول اکرم ﷺ کے بعض خطوط و پیغامات اوران کے نکات	نسیم اختر عبدالمجید
۸-	نبی اکرم ﷺ غیر مسلم دانشوروں کی نظر میں	سعید الرحمٰن جمال الدین
۹-	رسول اکرم ﷺ کی تبلیغ کا اثر فتح مکہ کے بعد	
۱۰-	سرایا وغزوات نبوی ﷺ (سنین و تعداد مجاہدین ومخالفین و کمانڈران کی تعیین اوران کے نتائج)	شفاء اللہ شمس الدین
۱۱-	سرایا اورغزوات نبوی ﷺ میں طرفین سے ہلاکتوں کا تجزیہ	فہیم احمد شریف احمد
۱۲-	شجر کاری تعلیمات نبویہ کی روشنی میں	افروز عالم ذکر اللہ

☆☆☆

اخلاق نبوی ﷺ احادیث کی روشنی میں

عبداللہ تمجید عالم/فضیلت ثانی

اللہ رب العالمین نے اس جہاں آب وگل میں انسانوں کی ہدایت کے لیے انبیاء ورسل کو مبعوث فرمایا۔ان میں سب سے آخری نبی حضرت محمد ﷺ ہیں۔آپ ﷺ بلند اخلاق کے حامل اور عظیم کردار سے متصف تھے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿ وإنك لعلى خلق عظيم﴾ [۱] ''(اے نبی ﷺ) بیشک آپ تو بہت بڑے (عمدہ) اخلاق پر فائز ہیں''۔اس سے مراد تہذیب وشائستگی،نرمی اور شفقت،رحمت ومودت،امانت وصداقت،حلم وکرم اور دیگر اخلاقی خوبیاں ہیں،جس میں آپ ﷺ نبوت سے پہلے بھی ممتاز تھے۔اور نبوت کے بعد ان میں مزید بلندی آئی۔قبل اس کے کہ ہم بعض اخلاقِ نبوی کا تذکرہ صحیح احادیث کی روشنی میں کریں،مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ''اخلاق'' کی تعریف پر ایک مختصر تحریر باصرہ نواز کی جائے۔

اخلاق کی تعریف:

یہ خُلق کی جمع ہے۔اور ''خلق'' کا اطلاق ہر اس راسخ فی النفس صفت پر ہوتا ہے،جس سے افعال بغیر کسی تکلف اور کسی فکر اور سوچ کے سہولت کے ساتھ صادر ہو جائیں۔جیسے ''کرم'' اس صفت سے بخشش کا صدور بغیر کسی مشقت کے ہوتا ہے۔[۲]

اب ہم ذیل میں بعض اخلاق نبوی کا ذکر کر رہے ہیں تا کہ آپ ﷺ کی امت جو خیر امت ہے،آپ ﷺ کے اخلاق کو اپنی زندگی کے لیے مشعل راہ بنائے۔اور اس کے فوائد وبرکات سے مالا مال ہو۔

۱-صبر وحلم:

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی کسی کو نہیں مارا،نہ عورت کو،اور نہ کسی خادم کو۔ اور آپ ﷺ کو جس نے بھی نقصان پہنچایا،اس کا بدلہ نہیں لیا۔البتہ اگر اللہ کے حکم میں خلل ڈالا تو اللہ کے واسطے بدلہ لیا۔ [۳] (یعنی شرعی حدود میں،جیسے چوری میں ہاتھ کاٹا،زنا میں کوڑے لگائے یا سنگ سار کیا)۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا۔آپ نجران کی بنی ہوئی چوڑی حاشیہ کی ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے۔اتنے میں ایک دیہاتی نے آپ کو گھیر لیا،اور زور سے چادر کو کھینچا۔میں نے

---

[۱] القلم: ٤ [۲] التعريفات للرجانی ،ص:۱۰۱

[۳] مسلم، كتاب الفضائل، باب مباعده ﷺ للآثام، حديث نمبر:۲۳۲۸

آپ ﷺ کے شانے کو دیکھا، اس پر چادر کے کھینچنے کا نشان پڑا تھا۔ پھر کہنے لگا: ''مرلي من مال الله الذي عندك'' اللہ کا مال جو آپ کے پاس ہے۔ اس میں سے کچھ مجھے دیجئے۔ آپ ﷺ نے اس کی طرف دیکھا اور تبسم فرمایا۔ پھر آپ ﷺ نے اسے دینے کا حکم صادر فرمایا۔[۴]

۲-سخاوت:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ سخی تھے۔ اور آپ ﷺ کی سخاوت رمضان شریف کے مہینے میں اور بڑھ جاتی تھی۔ جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ سے رمضان کی ہر رات میں ملاقات کے لیے آتے تھے۔ اور آپ ﷺ کے ساتھ قرآن کا دور کیا کرتے تھے۔ اور اس وقت جب جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ سے ملاقات کے لیے آتے تھے خیرات و برکات میں تیز چلنے والی ہوا سے بھی زیادہ آپ سخی اور فیاض ہو جاتے تھے۔[۵]

۳-شجاعت:

انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ سب سے زیادہ خوبصورت، سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ بہادر تھے۔ ایک رات مدینہ والے (شہر کے باہر شور سن کر) گھبرا گئے۔ (کہ شاید دشمن نے حملہ کیا ہے) سب لوگ اس شور کی طرف بڑھے۔ لیکن نبی ﷺ آواز کی طرف بڑھنے والوں میں سب سے آگے تھے اور فرماتے جاتے تھے ''لا تراعوا'' ڈرو نہیں، ڈرو نہیں۔ نبی ﷺ اس وقت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے (مندوب نامی) گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر جس پر کوئی زین نہیں تھی سوار تھے۔ اور گلے میں تلوار لٹک رہی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اس گھوڑے کو سمندر پایا۔ یا فرمایا کہ یہ تیز دوڑنے میں سمندر کی طرح تھا۔[۶]

۴-تواضع:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے عمر رضی اللہ عنہ کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا، آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے میرے مرتبے سے زیادہ نہ بڑھاؤ، جیسے عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو نصاریٰ نے ان کے مرتبے سے زیادہ بڑھا دیا ہے۔ میں تو صرف اللہ کا ایک بندہ ہوں۔ اس لیے میرے متعلق یہی کہا کرو کہ میں اللہ کا بندہ

---

[۴] البخاری، کتاب فرض الخمس، باب ماکان النبی ﷺ یعطی المؤلفة قلوبهم وغیرهم من الخمس و نحوه، حدیث نمبر: ۳۱۴۹

[۵] البخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکه صلوت الله علیهم ، حدیث نمبر:۳۲۲۱، مسلم، کتاب الفضائل ، باب جوده ﷺ ، حدیث نمبر:۲۳۰۸

[۶] البخاری، کتاب الأدب، باب حسن الخلق والسخاء ومام یکره من البخل، حدیث نمبر: ۶۰۳۳

اوراس کا رسول ہوں۔ ؎

۵-عدل:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کر لی۔قریش نے (اپنی مجلس میں) سوچا کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اس عورت کی سفارش کے لیے کون جا سکتا ہے؟ کوئی اس کی جرأت نہیں کرسکا۔ بالآخر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے سفارش کی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نبی اسرائیل میں یہ دستور ہو گیا تھا کہ جب کوئی شریف آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور اگر کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیتے۔اگر فاطمہ بنت محمد نے چوری کی ہوتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔ ۸

۶-امت کے ساتھ نرمی:

ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں نماز دیر تک پڑھنے کے ارادہ سے کھڑا ہوتا ہوں۔لیکن کسی بچے کے رونے کی آواز سن کر نماز کو ہلکی کر دیتا ہوں۔ کیونکہ اس کی ماں کو (جو نماز میں شریک ہوگی) تکلیف میں ڈالنا بُرا سمجھتا ہوں۔۹

۷-طرزِ گفتگو:

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جب آپ ﷺ کوئی کلمہ ارشاد فرماتے تو اسے تین بار لوٹاتے یہاں تک کہ خوب سمجھ لیا جاتا۔اور جب آپ ﷺ کسی کے پاس تشریف لاتے اور انہیں سلام کرتے تو تین بار سلام کرتے۔۱۰

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے نبی ﷺ کا سچا پیروکار اور آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر چلنے والا بنائے، آمین۔

☆☆☆

؎ البخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب قول الله تعالیٰ "واذکر فی الکتاب مریم إذا نتبذت من أهلها" حدیث نمبر:۳٤٤٥

۸ البخاری، کتاب فضائل أصحاب النبی ﷺ، باب ذکر أسامه بن زید رضی الله عنهما، حدیث نمبر۳۷۳۳۔

۹ البخاری، کتاب الأذان، باب من أخف الصلاة عند بکاء الصبي، حدیث نمبر: ۷۰۷۔

۱۰ البخاری، کتاب العلم، باب من أعاد الأحدیث ثلاثا لیفهم عنه ، حدیث نمبر: ۹۵۔

نبی کریم ﷺ کی تبلیغ کے اثرات
فتح مکہ سے پہلے

ریحان الحق ارشاد الحق سلفی

نبی اکرم ﷺ خاتم الانبیاء ورسل، عالم انسانیت کے رہبر ورہنما، دین حق اور اسلام کے مبلغ وداعی ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی رشد وہدایت اور سیدھے راستہ کی رہنمائی کے لیے منصب نبوت سے سرفراز فرمایا۔ چنانچہ جب آپ ﷺ نبی ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا یہ حکم آیا: ﴿قم فأنذر﴾ [المدثر:۲] (اے نبی ﷺ اٹھئے، تیار ہو جایئے اور لوگوں کو بُرے انجام سے ڈرایئے)۔ تو آپ ﷺ دین حق کی تبلیغ کے لیے مکمل طور سے کمر بستہ ہو گئے۔ اور خفیہ طور سے لوگوں کو توحید کی دعوت دینے لگے۔ چنانچہ آپ ﷺ کی تبلیغ کا مثبت اثر ہوا۔ اور آپ کی بیوی ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، دوست ابوبکر، غلام زید بن حارثہ، چچا زاد بھائی علی رضی اللہ عنہم مسلمان ہو گئے۔

پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی اس مشن میں آپ ﷺ کے شریک کار اور دستِ راست بن گئے۔ اور آپ ﷺ کے ساتھ توحید کی نشر واشاعت میں لگ گئے۔ رفتہ رفتہ ان کی تبلیغ کا اثر ہوا اور بہت سے مرد وعورت اسلام میں داخل ہو گئے۔ جن میں عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن أبی وقاص، أبوعبیدہ بن جراح، زبیر بن العوام، ام ایمن، أسماء بنت أبی بکر، ام الفضل رضی اللہ عنہم۔ اور ان کے علاوہ قریش کی دوسری شاخوں اور دوسرے قبائل کے بہت سے افراد مسلمان ہو گئے۔ جنہیں ''سابقین اولین'' کہا جاتا ہے۔

جب خاموشی اور خفیہ طور سے اسلام کی تبلیغ کرتے کرتے تین سال کا عرصہ گزر گیا۔ اور اعلانیہ تبلیغ کے لیے راستہ ہموار ہوا تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو کھلم کھلا تبلیغ کا حکم دیا اور ساتھ ہی اس بات کی بھی تاکید کر دی کہ سب سے پہلے اپنے قرابت داروں کو ڈرائیں ﴿وأنذر عشيرتك الأقربين﴾ [الشعراء: ۲۱٤] اس حکم پر آپ ﷺ نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کے افراد کو توحید کی دعوت اور اپنے رسول ہونے کی خبر دی۔ چنانچہ سب نے آپ ﷺ کی بات سکون واطمینان سے سنی، سوائے آپ کے چچا أبولہب کے، جس نے آپ ﷺ کی نصیحت آموز باتوں پر کان نہ

دھرا۔اورآپ ﷺ کی دعوت کا انکار کیا۔لیکن اس کے برعکس آپ ﷺ کے شفیق چچا اُبوطالب نے آپ کا ساتھ دیا اورآپ کواپنے مشن پر جمے رہنے کی تلقین کی اور مدد کا وعدہ بھی کیا۔

دریں اثناء اللہ تعالیٰ کا مزید حکم نازل ہوا کہ:﴿ فاصدع بما تؤمرو أعرض عن المشركين﴾ [الحجر: ٩٤]اے نبی ﷺ !تمہیں جس بات کا حکم دیا جارہا ہے اسے کھلم کھلا بیان کردواور مشرکوں سے منھ پھیرلو۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ایک روز آپ ﷺ کوہ صفا پر چڑھے اور''یا صبا حاہ'' کی صدا لگائی۔اس پر سب لوگ اکٹھا ہوگئے۔پھر آپ ﷺ نے سب کو اسلام کی دعوت دی حتی کہ ہر قبیلہ اور ہر فرد کا نام لے کر انہیں اللہ کے عذاب سے ڈرایا لیکن اس موقع پر بھی آپ ﷺ کا چچا اُبولہب آڑے آیا اور آپ ﷺ کو بُرا بھلا کہا۔اللہ رب العالمین نے اس موقع پر پوری سورۃ﴿تبت يدا أبى لهب﴾ نازل فرمائی۔

الغرض آپ ﷺ اسلام کی تبلیغ میں لگے رہے اور لوگوں کو پیغام ربانی سناتے رہے:﴿ يقوم اعبدوا الله مالكم من إله غيره﴾ [الأعراف: ٨٥] اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو،اللہ کے سوا تمہارا کوئی حقیقی معبود نہیں ہے۔

پھر موسم حج آیا تو آپ ﷺ نے حاجیوں کے خیموں اور رہائش گاہوں میں جاجا کر اسلام کی تبلیغ کی۔جس کا اثر یہ ہوا کہ پورے عرب میں آپ ﷺ کا چرچا ہوگیا۔

اس کے بعد ہجرت حبشہ کا واقعہ پیش آیا۔اس ہجرت سے جہاں مسلمانوں کو ایک فائدہ یہ ہوا کہ انہیں پرسکون ماحول اور گہوارۂ امن مل گیا تو دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ دین اسلام کے پیروکار جہاں جہاں جاتے خود بخود وہاں اسلام کی روشنی پھیلنے کا ذریعہ بن جاتے۔وہ زبان سے بھی دین کی تبلیغ کرتے اور اپنے حسن اعمال واخلاق سے بھی،غرض یہ کہ مظلومیت کی یہ ہجرت تبلیغِ حق کا ایک بہترین وسیلہ بن گئی اور اس کا اثر یہ ہوا شاہ حبش اصحمہ نجاشی مسلمان ہوگیا۔

جب کفار کی ایذاء رسانیاں بڑھ گئیں اور وہ اپنے آبائی دین کو ترک کرکے دینِ حق قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے تو ۱۰ نبوت میں آپ ﷺ اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کے ہمراہ تبلیغ دینِ حق کی غرض سے شہر طائف روانہ ہوئے۔سرداران طائف اور عامۃ الناس کو اسلام کی تبلیغ کی۔یہاں آپ ﷺ کو اس قدر زدوکوب کیا گیا کہ آپ ﷺ کے پاؤں مبارک لہولہان ہوگئے۔اور جوتوں میں خون جم گیا۔البتہ اتنا ضرور ہوا کہ بعد کی نسلوں میں ایسے افراد پیدا ہوئے جو دینِ فطرت پر قائم تھے۔یہ محض آپ ﷺ کی دعا کا اثر تھا۔

اسی دوران سفر طائف سے واپسی پر راستہ میں وادیٔ نخلہ میں جنوں کی ایک جماعت نے نماز فجر میں آپ ﷺ کو قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے سنا تو انہیں یہ کلام بڑا بھلا اور پُر اثر معلوم ہوا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دینِ حق کے پیروکار بن کر اپنی قوم میں ڈرانے والے ہو گئے۔

طائف کے روح فرسا اور دل فگار سانحہ کے بعد بھی آپ ﷺ نے اپنا دعوتی مشن جاری رکھا۔ اور لوگوں کو اسلام کی تبلیغ کرتے رہے۔ اور الحمدللہ اس کے اچھے اور نیک اثرات بھی مرتب ہوتے رہے۔

پھر ۱۲، ۱۳ نبوت موسم حج میں بیعت عقبہ اولی وثانیہ کا واقعہ پیش آیا جس میں مدینہ منورہ کے کئی افراد شریک تھے۔ سب نے اسلام قبول کر لیا۔ اور آپ ﷺ سے امور طاعت کی بجا آوری، اور نواہی سے اجتناب پر بیعت کی۔ آپ ﷺ نے ان پر مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا اور بارہ نقیب منتخب کئے جو ان کے معاملات کے کفیل و ذمہ دار تھے۔

اس کے بعد ہجرت مدینہ کا واقعہ پیش آیا جو تبلیغ دینِ حق میں بڑا اہم ثابت ہوا۔ یہاں یہ بات واضح رہے کہ آپ ﷺ سے پہلے بہت سے افراد ہجرت کر چکے تھے۔ پھر جب آپ ﷺ کو اجازت ملی تو آپ ﷺ نے بھی ہجرت کی اور یہ ہجرت صرف اسلام کا جھنڈا بلند کرنے کے لیے اور دینِ حق کی تبلیغ کے لیے تھی۔ اس کا خاطر خواہ اثر یہ ہوا کہ جو لوگ ابھی تک تردد کا شکار تھے آپ ﷺ کے دیدار کے بعد مسلمان ہو گئے۔

مدینہ پہونچنے کے بعد آپ ﷺ رفاہی وسماجی کاموں، انصار ومہاجرین کے مابین مؤاخات، استحکامِ امن اور دفاعِ مدینہ کی جانب متوجہ ہوئے۔ اور حالات میں سدھار پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اس کے بعد مختلف غزوات ہوئے۔ اور صلح حدیبیہ کا واقعہ رونما ہوا جو مسلمانوں کے لیے فتح مبین تھی۔ اس کے بعد اطراف عالم میں اسلام کی روشنی پھیلانے اور دینِ حق کی تبلیغ کے لیے اپنے قاصدوں کو مختلف بادشاہوں کے نام اسلام کا نامہ (خطوط) دے کر روانہ کیا۔ ذیل میں ان مکتوبات وخطوط کو ترتیب وار اجمالاً ذکر کیا جاتا ہے۔

۱- شاہ حبشہ اصحمہ نجاشی کے نام
۲- شاہ اسکندریہ مصر مقوقس کے نام
۳- شاہ فارس خسرو پرویز کے نام
۴- شاہ روم قیصر کے نام

۵- امیر دمشق حارث بن أبی شمر غسانی کے نام

۶- امیر بصری کے نام

۷- ہوذہ بن علی صاحب یمامہ کے نام

۸- حاکم بحرین منذر بن ساوی کے نام

۹- شاہان عمان جیفر اور اس کے بھائی عبد کے نام۔

ان تمام خطوط ومکتوبات میں آپ ﷺ نے سب کو توحید اور اسلام کی دعوت دی۔لیکن خط پڑھنے کے بعد کچھ ہی حکام مسلمان ہوئے جیسے نجاشی اور جیفر وغیرہ۔ اور بعض اپنے ہی مذہب پر ڈٹے رہے اور مشرف بہ اسلام نہ ہوئے۔اور بعض نے آپ ﷺ کے قاصدوں کے ساتھ بہتر رویہ اختیار کیا۔اور تحائف سے نواز کر عزت واحترام سے روانہ کیا۔

غرض یہ کہ آپ ﷺ کو تبلیغ دین کی جو اہم ذمہ داری سونپی گئی تھی آپ ﷺ نے اسے بحسن وخوبی انجام دیا۔اور آپ ﷺ کی تبلیغ کا امت پر بہترین اثر ہوا۔ چنانچہ اس کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ ابتداء اسلام میں مسلمانوں کی تعداد مٹھی بھر تھی۔آپ ﷺ کی پیہم تبلیغی کوشش کا اثر یہ ہوا کہ اسلام کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔اور مسلمانوں کی تعداد افق اسلام کی لامحدود وسعتوں میں بے شمار تابناک ستاروں کی مانند ہوگئی۔ یہاں تک کہ ۸ھ میں مکہ فتح ہوگیا۔ اور لوگ جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے۔﴿ إذا جاء نصر الله والفتح. و رأيت الناس يدخلون في دين الله أفواجا . فسبح بحمدربك واستغفره إنه كان توابا﴾ [سورة النصر:١ – ٣]

☆☆☆

نبی کریم ﷺ کی ازدواجی زندگی اوراس کے اثرات

ضمیر احمد شفیق احمد خان سلفی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿ النبی أولی بالمؤمنین من أنفسهم و أزواجه أمهاتهم﴾ [الأحزاب: ٦٠] ترجمہ: پیغمبر مومنوں پر خود ان سے بھی زیادہ حق رکھنے والے ہیں اور پیغمبروں کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔

آپ ﷺ کی بیویاں امہات المؤمنین ہیں چاہے وہ آپ ﷺ کی زندگی میں انتقال کرگئی ہوں یا آپ کے انتقال کے بعد مومنوں پر ان سے نکاح کرنا حرام، اور ان کا احترام کرنا، اور ان کی تکریم کرنا واجب ہے۔

آپ ﷺ کی بیویاں تمام عورتوں پر فضیلت رکھتی ہیں۔ ان کا ثواب اور ان کا عقاب دیگر عورتوں کی بہ نسبت دوگنا ہے۔ [الأحزاب: ٣٠-٣١]

تمام علماء اور اہل سیر کا اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ کی کل گیارہ بیویاں تھیں، ان میں سے نو بیویاں زندگی کے اخیر میں آپ ﷺ کے ساتھ موجود تھیں۔ اور دو آپ ﷺ کی زندگی میں وفات پا چکی تھیں۔ [1]

درج ذیل صفحات میں ان سب ازواج مطہرات کا مختصر تذکرہ کیا جارہا ہے:

۱- ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا:

یہ ام القاسم خدیجہ بنت خویلد بن أسد بن عبدالعزی بن قصی بن کلاب قرشی أسدی ہیں۔ یہ عرب کا معزز ترین قبیلہ قریش سے تعلق رکھتی تھیں اور اپنے زمانے میں عورتوں کی سردار تھیں۔ ان کے پردادا کا نام قصی تھا، جو رسول اللہ ﷺ کے بھی جد اعلیٰ تھے۔ اس لحاظ سے رسول اللہ ﷺ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہم جدّ تھے۔

اللہ کے رسول ﷺ کی تمام اولاد انہیں کے بطن سے تھیں۔ وہ سب سے پہلے آپ ﷺ پر ایمان لائیں اور تصدیق بھی کی۔ ان کے جیتے جی آپ ﷺ نے کوئی دوسری شادی نہیں کی۔

جب اللہ کے رسول ﷺ کی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی ہوئی اس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی اور آپ ﷺ کی عمر ۲۵/ سال کی تھی۔ اکثر اہل سیر کی یہی رائے ہے۔ [2]

---

[1] الرحیق المختوم، ص:۳۹۷

[2] سیرت ابن ہشام، ج:۱، ص:۱۸۰، المواهب الدنية بالمنح المحمدية، ج:۲، ص:۷۶، سیر اعلام النبلاء، ج:۲، ص:۱۰۹، الإصابہ ۳۷۱/۴-۳۷۵

اثرات:

آغاز اسلام میں مخالفین اسلام جو آپ کو مبتلائے مصائب کرنے سے کچھ جھجک محسوس کرتے تھے اس کی بڑی وجہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ذاتی اثر ورسوخ تھا انہوں نے آپ ﷺ سے کہا تھا کہ گھبرایئے نہیں۔ اللہ آپ کی ضرور مدد کرے گا۔ ۳ جب کفار ومشرکین نے آپ کو اذیتیں پہونچانا شروع کی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو تسلی دیتی تھیں اپنی دولت وثروت سے آنحضرت ﷺ کی امداد کیا کرتی تھیں ۴، ۶۵/ سال کی عمر میں ہجرت سے تین سال پہلے مکہ میں انتقال ہوا۔ آپ ﷺ کے ساتھ چوبیس یا پچیس سال رہیں۔ ۵

۲- ام المؤمنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا:

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی والدہ کا نام شموس بنت قیس تھا۔ قریش کے ایک مشہور قبیلہ عامر بن لوئی سے تعلق رکھتی تھیں۔ یہ ان مومنہ عورتوں میں سے تھیں جنہوں نے فی سبیل اللہ حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ ۶ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ ﷺ سے شوال میں نبوت کے دسویں سال ہوا۔ ۷ جب یہ معمر (بڑی عمر کی) ہوگئیں تو اللہ کے رسول ﷺ سے ڈریں کہ کہیں انہیں طلاق نہ دے دیں اس لیے انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کردیا تھا۔ ۸ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آپ ﷺ بہت غمگین اور پریشان رہتے تھے۔ آپ ﷺ کو ایک مونس کی ضرورت تھی اس لیے آپ نے ان سے نکاح کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں سودہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔ ۹

۳- ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے آپ ﷺ کے دل میں بڑی محبت تھی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے چاہا کہ اپنے وفادار مخلص دوست کی تکریم کریں اور اپنے اور اپنے بھائی کے درمیان محبت کی گرہ کو مضبوط کریں۔ اسی بناء پر آپ ﷺ نے مصاہرت کا راستہ اپنایا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہونہار بیٹی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عقد نکاح کیا۔ اس

---

۳ بخاری:۳
۴ اسلام کی بیٹیاں، ص:۱۵
۵ سیر اعلام النبلاء، ج:۲، ص:۱۰۹
۶ السیرۃ النبویۃ فی ضوء المصادر الاصلیۃ، ص:۶۹۸
۷ تجلیات نبوت، ص:۳۷۳
۸ بخاری:۵۲۱۲، مسلم:۱۴۶۳
۹ التاریخ الکبیر للبخاری:۱/۴۹

وقت ان کی عمر چھ برس تھی۔ پھر شوال ایک ھجری میں ان کی رخصتی ہوئی۔ [۱۰] اس وقت ان کی عمر نو برس تھی۔ ان کے علاوہ کسی اور باکرہ عورت سے آپ ﷺ نے شادی نہیں کی۔ [۱۱] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی سب سے محبوب بیوی تھیں۔ اور امت کی عورتوں میں علی الاطلاق سب سے زیادہ فقیہ اور صاحب علم تھیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ نو سال رہیں۔ آپ ﷺ کے انتقال کے وقت ان کی اٹھارہ سال تھی۔ [۱۲] ان کا انتقال ۱۷/ رمضان ۵۷ھ میں ہوا۔ مدینہ کے مشہور قبرستان بقیع میں دفن کی گئیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ [۱۴]

۴- ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا:

اللہ کے رسول ﷺ نے ان سے اسی حکمت کی بناء پر نکاح کیا جس حکمت کی خاطر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے کیا۔ وہ نبی ﷺ سے ۳۵ سال چھوٹی تھیں۔ اور ہجرت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئی تھیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کے عقد میں آنے کے وقت ان کی عمر ۲۰ سال تھی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا پیکر زھد وتقوی اور اخلاق حسنہ کا بہترین نمونہ تھیں۔ قائمۃ اللیل وصائمۃ النہار تھیں۔ اختلافات ونزاع سے سخت نفرت کرتی تھیں۔ ۴۵ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ مدینہ کے گورنر مروان نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ [۱۴]

۵- ام المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا:

نبی اکرم ﷺ نے زینب بنت خزیمہ بن حارث بن عبداللہ بن عمرو بن عبد مناف بن ھلال بن عامر بن صعصعہ سے ۴ھ میں شادی کی۔ مسکینوں پر رحم اور مروت کے سبب انہیں ام المساکین کہا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کے پاس صرف ۸/ ماہ رہ سکیں۔ ماہ ربیع الآخر میں ہجرت کے ۳۹/ مہینہ کے بعد وفات پا گئیں ان کی نماز جنازہ خود آپ ﷺ نے پڑھائی اور انہیں بقیع میں دفن کیا اس وقت ان کی عمر صرف ۳۰/ سال تھی۔ [۱۵] یہ ان بیویوں میں سے ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کی زندگی ہی میں انتقال فرمایا ان کے علاوہ خدیجہ بنت خویلد بھی ہیں، جن کا انتقال آپ ﷺ کی زندگی میں ہوا۔ ایک قول کے مطابق وفات کے وقت ان کی عمر ۳۳/ سال تھی۔ [۱۶]

---

[۱۰] طبقات ابن سعد ۸/ ۵۸
[۱۱] بخاری: ۵۰۷۸
[۱۲] المواھب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ ۲/ ۸۲
[۱۳] اعلام النساء فی عالم العرب والإسلام ۳/ ۱۲۹
[۱۴] طبقات ابن سعد ۸/ ۸۱، ۸۶
[۱۵] ازواج النبی لابن زبالہ، ص: ۴۵
[۱۶] السیرۃ النبویۃ فی ضوء المصادر الأصلیۃ، ص: ۷۰۱

۶- ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا:

ان کا نام ہند اور کنیت ام سلمہ تھی۔قریش کے خاندان بنومخزوم سے تعلق رکھتی تھیں۔ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد شوال ۴ھ میں رسول ﷺ کی حلقۂ زوجیت میں آنے کے شرف سے سرفراز ہوئیں۔خوبصورت اور حسب ونسب والی تھیں۔حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ایک فراخ دل، وسیع حوصلہ اور فیاض باپ کے زیرسایہ تربیت پائی تھیں اس لیے یہ بھی اپنے باپ کی طرح ''زادالراکب'' کے لقب سے ملقب ہوئیں۔ ۱۷؎ صحیح قول کے مطابق ۵ھ میں ان کا انتقال ہوا۔بقیع میں دفن ہوئیں اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نماز جنازہ پڑھائی۔ان کی عمر اس وقت ۸۴/ برس تھی۔ ۱۸؎

۷-ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا:

نبی اکرم ﷺ کی عقد زوجیت میں آنے سے پہلے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھیں، جنہیں رسول اللہ ﷺ کا بیٹا سمجھا جاتا تھا۔اور انہی کی شان میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿فلما قضی زید منها وطراز و جناکها﴾ ۱۹؎ پس جب کہ زید نے اس عورت سے اپنی غرض پوری کرلی۔ہم نے اسے تیرے نکاح میں دے دیا۔ اللہ کے رسول ﷺ کی شادی ان سے ذی قعدہ ۵ھ میں ہوئی۔اسی لیے زینب رضی اللہ عنہا امہات المومنین رضی اللہ عنہا پر فخر کرتیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نکاح بغیر ولی اور گواہ کے کردیا۔ ۲۰؎ ۲۰ھ میں ان کا انتقال ہوا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔۲۱؎

ان سے شادی کے اثرات یہ ہوئے کہ ذات برادری کا تفوق کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔اور یہی اسلام کی تعلیم ہے۔ان کے تعلق سے سورۃ الاحزاب کی چند آیتیں نازل ہوئیں جن میں متبنی (منھ بولا بیٹا) کے قضیہ کا دوٹوک فیصلہ کر دیا گیا۔

۸- ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا:

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا قبیلہ بنوخزاعہ کے خاندان بنومصطلق سے تعلق رکھتی تھیں۔شعبان ۵ھ یا ۶ھ میں آپ ﷺ نے ان سے شادی کی۔حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے شادی کی،

۱۷؎ سیر أعلام النبلاء،۲/۲۱۰

۱۸؎ المواهب اللدنیہ بالمنح المحمدیۃ۲/۸۴

۱۹؎ سورۃ احزاب،آیت:۳۷

۲۰؎ ابن ہشام:۷۱۶

۲۱؎ سیر أعلام النبلاء:۲/۲۱۰

اس وقت میری عمر ۲۰/ سال تھی۔صحیح قول کے مطابق ان کا انتقال ۵۰ھ میں ہوا۔ ۲۲ جویریہ نیک خو، اللہ سے ڈر نے والی اور کثرت سے ذکر الٰہی کرنے والی تھیں۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جویریہ اپنی قوم اور قبیلے کے حق میں سب سے زیادہ باعث رحمت اور قابل مبارکباد ہیں جن کی وجہ سے بنومصطلق کے کئی سو خاندان آزادی و حریت کی نعمت سے بہرہ مند ہوئے۔ ۲۳

۹- ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا:

ان کا نام رملہ تھا، اور ابوسفیان بن صخر بن حرب قرشی کی بیٹی تھیں۔نجاشی نے ان کو رسول ﷺ سے شادی کا پیغام دیا اور آپ سے ان کا عقد کردیا۔اور چار سو دینار مہر آپ ﷺ کی طرف سے ادا کیا۔یہ واقعہ ۷ھ کا ہے۔اور ان کو شرحبیل بن حسنہ کے ساتھ رسول ﷺ کے پاس بھیج دیا۔ ۲۴ مدینہ میں جن ایام میں آئیں اس وقت ان کی عمر ۳۰/ سال سے زیادہ تھی۔ان کی وفات ۴۴ھ میں ہوئی۔ ۲۵

۱۰- ام المؤمنین حضرت میمونہ بنت حارث الھلالیہ:

۷ھ میں ماہ ذی قعدہ میں رسول اللہ ﷺ عمرہ کی غرض سے مکہ گئے تو اللہ کے رسول ﷺ کو ان کی صلہ رحمی، عابدہ، زاہدہ اور اللہ سے ڈرنے والی ہونے کی خبر ملی۔آپ ﷺ کو ان سے شادی کی خواہش ہوئی۔ادھر ان کا دل بھی رسول ﷺ کی محبت سے لبریز تھا انہوں نے بھی اپنی خواہش کا اظہار اپنی سگی بہن حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بیوی ام الفضل لبابہ بنت الحارث سے کیا۔حضرت عباس رضی اللہ عنہ یہ خبر لے کر اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گزارش کی کہ میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا نے آپ سے نکاح کی پیشکش کی ہے۔اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیت نازل کی۔ ﴿ وإمرأة مومنة إن وهبت نفسها للنبى إن أرادالنبى أن يستنكحها﴾ ۲۶ اور وہ مومنہ عورت بھی جو خود نبی کریم ﷺ کے لیے اپنے نفس کو ہبہ کردے، یہ اس صورت میں کہ خود نبی ﷺ بھی اس سے نکاح کرنا چاہیں (تو حلال ہے)۔ان کا انتقال ۵۱ھ میں مقام سرف میں ہوا۔۲۷ اور یہی وہ جگہ ہے جہاں ان کی شادی بھی آپ ﷺ سے ہوئی۔

---

۲۲ تاریخ خلیفہ بن خیاط، ص:۲۲۴، تقریب التہذیب:۸۵۵۴

۲۳ ابوداؤد:۳۹۳۱، مسند احمد:۱/ ۲۷۷، یہ حدیث حسن ہے۔

۲۴ سیر أعلام النبلاء ۲/ ۲۱۹، ابن ہشام:۴/ ۳۸۹

۲۵ طبقات ابن سعد ۸/ ۹۹، صفۃ الصفوۃ ۲/ ۴۶

۲۶ سورۃ الأحزاب:۵۰

۱۱- ام المؤمنین حضرت صفیہ بن حي بن اخطب رضی اللہ عنہا:

جب مسلمانوں نے ۷ھ میں خیبر فتح کرلیا تو قیدیوں میں چند عورتیں بھی تھیں۔ان میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔آپ ﷺ نے انہیں اپنے لیے منتخب کیا اور انھیں آزاد کرکے ان سے شادی کرلی۔ ۲۸ نہایت شریفہ، عاقلہ، اور حسب ونسب والی خوبصورت اور دین دار خاتون تھیں۔ ۲۹ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں رمضان ۵۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔اور بقیع میں دفن کی گئیں۔ ۳۰

یہ کل ۱۱/ بیویاں ہیں، ان تمام ازواج مطہرات سے شادی کرنے سے اسلام کو کافی قوت حاصل ہوئی اس لیے کہ یہ تمام بیویاں حسب ونسب وجاہ جلال والی تھیں۔اور سرداران قوم کی دختران تھیں۔

عرب کا دستور تھا کہ وہ رشتۂ مصاہرت کا بڑا احترام کرتے تھے۔ان کے نزدیک دامادی کا رشتہ مختلف قبائل کے درمیان قربت کا ایک اہم ذریعہ تھا۔اور داماد سے جنگ کرنا باعث ننگ وعار تھا۔اسی دستور کو سامنے رکھ کر نبی اکرم ﷺ نے مختلف قبائل کی لڑکیوں سے عقد نکاح کیا تاکہ ان افراد وقبائل کی اسلام دشمنی کا زور توڑ ڈالیں۔اور بغض ونفرت کی چنگاری بجھادیں۔اور جنگی شورش اور محاذ آرائی کا قلع قمع کردیں۔

نیز ان شادیوں کا ایک مقصد یہ تھا کہ عورتوں کے ذریعہ سے ناخواندہ قوم کی تربیت کریں اور انھیں تہذیب و تمدن اور ثقافت اسلامی کے گُر سکھائیں۔کیوں کہ اسلام مرد وزن کے اختلاط کو حرام قرار دیتا ہے۔اس لیے آپ ﷺ نے عورتوں کی اصلاح اور ہدایت کا کام انہی ازواج مطہرات کے کندھوں پر ڈال دیا۔ ۳۱

☆☆☆

۲۷ تقریب التہذیب:۸۶۸۸ ۲۸ بخاری:۴۲۱۱

۲۹ الاستیعاب ۱۳/ ۶۵ ۳۰ تقریب التہذیب:۸۶۲۱

۳۱ مزید تفصیل کے لیے الرحیق المختوم، ص:۴۴۳-۴۵۰، کا مطالعہ مفید ہوگا۔

خطبۂ حجۃ الوداع کا پیغام انسانیت کے نام

عبدالحق عبدالمنان سلفی

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے بہت سارے انبیاء ورسل کو مبعوث فرمایا جن کی آخری کڑی ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ ہیں۔ جب آپ ﷺ نے دعوت وتبلیغ کا کام مکمل کر دیا، اور اللہ کی الوہیت اور اس کے ماسوا کی نفی کی بنیاد پر ایک نئے اسلامی معاشرہ کی تعمیر وتشکیل کر دی تو آپ ﷺ نے ۱۰ھ میں اپنے حج کا اعلان فرمایا، اِس حج کے موقع پر آپ ﷺ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انسانوں کے مجمع کے درمیان ایک عظیم الشان خطاب فرمایا تھا یہ خطاب آپ ﷺ کے جوامع الکلم اور افصح العرب ہونے کا بیّن ثبوت ہے اور ساری انسانیت کے لیے امن وآشتی اور سلامتی کا عالمگیر پیغام بھی ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے دوران کئی مرتبہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اَجمعین کو خطاب فرمایا۔ سب سے اہم خطبہ وہ تھا جو آپ ﷺ نے میدانِ عرفات میں ارشاد فرمایا تھا اس کے علاوہ آپ ﷺ نے منٰی میں بھی خطبہ دیا تھا۔ چنانچہ ان دونوں مواقع کے خاص خاص خطبے درج ذیل ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ عرفات پہونچے۔ یہاں آپ ﷺ کے لیے نمرہ میں ایک خیمہ لگایا گیا تھا، جب سورج ڈھل گیا تو آپ ﷺ نے اپنی اونٹنی پر کجاوہ رکھنے کا حکم دیا پھر آپ ﷺ وادی کے درمیان آئے اور لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

’’إن دماء كم و أموالكم حرام عليكم كحرمة يومكم هذا في شهركم هذا في بلدكم هذا، ألا كل شئ من أمرالجاهيلة تحت قدمي موضوع، و دماء الجاهلية موضوعة، و إن اوّل دمٍ أضع من دمائنا دمُ ابنِ ربيعة بن الحارث كان مسترضعاً في بني سعد فقتله هذيل، و ربا الجاهلية موضوع، أول ربا أضع ربانا، ربا عباس بن عبدالمطلب فإنه موضوع كله، فاتقوا الله فى النساء فإنكم أخذتموهن بأمان الله، واستحللتم فروجهن بكلمة الله، ولكم عليهن أن لا يوطئن فرشكم أحدا تكرهونه، فإن فعلن ذلك فاضربوهن ضربا غير مبرح، ولهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف، وقد تركت فيكم مالن تضلوا بعده إن اعتصمتم

به كتاب الله، وأنتم لتسألون عنى فما أنتم قائلون؟ قالو: نشهد أنك قد بلغت، و أديت، و نصحت، فقال بأصبعه السبابة يرفعها إلى السماء وينكتها إلى الناس: اللهم اشهد، اللهم اشهد ثلاث مرّات" [1]

''بے شک تمہارے خون اور تمہارے مال ایسے ہی قابل احترام ہیں جس طرح تمہارا یہ دن تمہارے اس مہینے میں اور تمہارے اس شہر میں محترم ہے۔خبردار! جاہلیت کے تمام امور میرے قدموں تلے دفن ہوگئے اور جاہلیت کے خون ختم ہوگیے۔سب سے پہلے میں اپنے (خاندانوں کے) خونوں میں سے ابن ربیعہ بن الحارث کا خون ختم کرتا ہوں جو بنوسعد میں دودھ پیتا تھا اور اسے ہذیل نے قتل کردیا تھا۔اور جاہلیت کا سود ختم ہوگیا اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کے سود کو ختم کرنے کا اعلان کرتا ہوں اور وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے۔چنانچہ وہ پورا کا پورا ختم کردیا گیا ہے۔اور تم عورتوں کے متعلق اللہ سے ڈرتے رہو کیوں کہ تم نے انھیں اللہ کی امانت کے طور پر لیا ہے۔اور تم نے اللہ کے کلمہ کے ذریعہ ان کی شرمگاہوں کو حلال کیا ہے۔تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جنھیں تم ناپسند کرتے ہو۔اگر وہ ایسا کریں تو تم انھیں ہلکا سا مار سکتے ہو۔اور تم پر ان کا حق یہ ہے کہ تم انھیں دستور کے مطابق رزق اور لباس مہیا کرو اور (جان لو) میں تم میں ایک ایسی چیز چھوڑ کر جارہا ہوں جسے تم نے مضبوطی سے تھام لیا تو کبھی بھی گمراہ نہ ہوگے۔اور وہ ہے ''کتاب اللہ'' اور میرے متعلق تم سے پوچھا جائے گا تو تم کیا جواب دوگے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے کہا: ہم گواہی دیں گے کہ آپ ﷺ نے یقیناً دین پہنچادیا، (پوری ذمہ داری) ادا کردی اور امت کی خیرخواہی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔پھر آپ ﷺ اپنی انگشتِ شہادت فضا میں بلند کی اور اسے لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اے اللہ! تو بھی گواہ رہ، اے اللہ تو بھی گواہ رہ، اے اللہ! تو بھی گواہ رہ.....'' آپ ﷺ نے اس جملہ کو تین بار دہرایا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ عرفات میں اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور یہ خطبہ ارشاد فرمایا: ''ألا و إني فرطكم على الحوض، و أكاثربكم الأمم فلا تسودوا وجهى، ألا و إنى مستنقذ أُناسا، و مستنقذ منى أناس فأقول: يارب، أصحابي؟ فيقول: إنك لا تدري ما أحدثوا بعدك" [2] کہ خبردار میں حوضِ کوثر پر تمہارا استقبال کروں گا اور تمہارے ذریعہ دوسری امتوں پر اپنی امت

[1] صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبی ﷺ، حدیث نمبر: ۱۲۱۸

[2] سنن ابن ماجۃ، کتاب المناسک، باب الخطبۃ یوم النحر، حدیث نمبر: ۳۰۵۷، وصححہ الألبانی

کی کثرت ثابت کروں گا۔لہذا تم مجھے رسوا نہ کرنا،خبردار! میں لوگوں کو بچاؤں گا اور کچھ لوگوں کو مجھ سے دور رکھا جائے گا، میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ تو میرے امتی ہیں؟ تو وہ جواب دے گا: آپ ﷺ نہیں جانتے کہ انھوں نے آپ کے بعد دین میں کیا کیا ایجاد کیا تھا''۔

منٰی کے خطبہ میں آپ ﷺ نے عرفات کے خطبے کی مزید تاکید فرمائی تھی۔اوران کے علاوہ کچھ مزید خطبے بھی ارشاد فرمائے تھے۔چنانچہ سنن ابن ماجہ کی صحیح روایت میں خطبۂ یوم النحر کے حوالے سے مزید خطبے وارد ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا:''ألا لا يجني جان إلا على نفسه، ولا يجني والد على ولده، ولا مولود على والده، ألا إن الشيطان قد يئس أن يعبد في بلدكم هذا ولكن سيكون له طاعة فى بعض ما تحتقرون من أعمالكم، فيرضى بها'' [۳]

خبردار! ہر مجرم اپنے جرم کا خود ذمہ دار ہے۔اور کوئی والد اپنی اولاد پر اور اولاد اپنے والد پر ظلم وزیادتی نہ کرے۔خبردار! شیطان اس بات سے یقیناً مایوس ہو چکا ہے کہ تمہارے اس شہر میں اس کی کبھی پوجا کی جائے گی۔ہاں بعض اعمال میں اس کی اطاعت ضرور کی جائے گی جنھیں تم معمولی سمجھو گے،تو وہ بس اسی پر ہی خوش ہو جائے گا۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے دوران اپنی ''جدعاء'' نامی اونٹنی پر بیٹھے ہوئے منی میں یوم النحر کو خطبہ ارشاد فرمایا۔آپ ﷺ کجاوے کی رکاب میں اپنا پاؤں رکھ کر کھڑے ہوئے اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے بلند آواز سے فرمایا:''ألا تسمعون'' کیا تم سنتے نہیں؟ پھر آپ ﷺ نے تین بار فرمایا:''ألا لعلكم لا تروني بعد عامكم هذا'' شاید تم مجھے آئندہ سال نہ دیکھ سکو،ایک آدمی جو سب سے پیچھے کھڑا تھا، کہنے لگا؛ تو آپ ہمیں کس بات کا حکم دیتے ہیں؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:''اتقواالله ربكم، و صلّوا خمسكم، و صوموا شهركم، و أدّوا زكاة أموالكم، و أطيعوا ذا أمركم، تدخلوا جنة ربّكم'' [۴] تم اللہ سے ڈرتے رہو جو کہ تمہارا رب ہے۔اور پانچ نمازیں ادا کرو۔اور اپنے مالوں کی زکاۃ دیتے رہو۔اور رمضان کے روزے رکھو نیز اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرتے رہو،اس طرح تم اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایام تشریق کے وسط میں ہمیں خطبہ دیا اور اس میں

---

[۳] سنن ابن ماجۃ، کتاب المناسک، باب الخطبۃ یوم النحر، حدیث نمبر: ۳۰۵۵، وصححہ الألبانی

[۴] سنن الترمذی، ابواب السفر، باب ماذکر فی فضل الصلاۃ، حدیث نمبر: ۶۱۶، وصححہ الألبانی، مسند احمد ج ۳۶، حدیث نمبر: ۲۲۱۶۱

ارشادفرمایا:" يا أيهاالناس! إن ربكم واحد، و إن أباكم واحد، ألا لا فضل لعربي على عجمي، ولا لعجمي على عربي، ولا لأحمر على أسود، ولا لأسود على أحمر إلا بالتقوىٰ، ''إن أكرمكم عندالله أتقاكم'' ألا هل بلغت؟ قالوا: بلى يا رسول الله، قال: فليبلغ الشاهد الغائب"[۵]

اے لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے۔ خبردار! کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں، اور نہ ہی کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضلیت ہے۔ ہاں صرف تقویٰ اور پرہیزگاری سے ہی کوئی کسی پر فضیلت حاصل کرسکتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿إن أكرمكم عندالله أتقاكم﴾ [الحجرات:۱۳] بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے زیادہ معزز شخص وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو۔ خبردار! کیا میں نے (دین) پہنچادیا؟ صحابہ کرام نے کہا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! تو آپ ﷺ نے فرمایا: جو موجود ہے وہ غیر موجود کو (یہ باتیں) پہنچادے۔

اسی طرح اسی حج کے موقع پر آپ ﷺ نے ایک اور خطبہ میں ارشادفرمایا:'' إن كل مسلم أخوالمسلم، وإن المسلمين إخوة'' [۶] خبردار! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔

خطبۂ حجۃ الوداع کے چند اہم نکات:

اس خطبہ کے چند اہم نکات درج ذیل ہیں:

۱- مسلمانوں کے خون، مال اور عزت وآبرو کی حرمت۔

۲- ظلم، سود اور امور جاہلیت کا خاتمہ۔

۳- عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنے کی تلقین اور ان کی عزت وناموس کا تحفظ۔

۴- کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم۔

۵- دین میں نئی نئی بدعات سے بچنے کا حکم۔

۶- ارکان اسلام کی ادائیگی اور تقویٰ کی وصیت۔

---

[۵] سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ: ۲۷۰۰، مسند احمد/ ۴۱۶۵، طبع قدیم

[۶] سنن الترمذی، ابواب تفسیر القرآن من رسول اللہ ﷺ، باب ومن سورۃ التوبۃ، حدیث نمبر: ۳۰۸۷، وحسنہ الألبانی

۷- سربراہانِ مملکت سے خیر خواہی کرنے کا حکم۔
۸- عدل ومساوات اور بھائی چارہ کا حکم۔
۹-قومیت ورنگ ونسل کی بنیاد پر تفاضل کا خاتمہ۔
۱۰- تبلیغ دین کا حکم۔[۷]

آپ ﷺ کا یہ خطبہ رہتی دنیا تک پوری انسانیت کے نام ایک پیغام ہے، اوراس بات کا اعلان ہے کہ تمام بنی نوع انسانی کے حقوق برابر ہیں۔ یہ اسلام کے معاشرتی نظام کی اہم بنیاد مہیا کرتا ہے۔ مساوات اور عدل کا درس دیتا ہے۔ نسلی تفاخر اور رنگ ونسل کی بنیاد پر تفاضل کا خاتمہ کرتا ہے۔ یہ وہ بنیادی چیزیں ہیں جن پر اسلام کا معاشرتی نظام ترتیب پاتا ہے۔ آپ ﷺ نے اس خطبہ میں عورتوں کے حقوق ادا کرنے کی تاکید فرمائی اور مرد وعورت دونوں کے حقوق کی وضاحت کردی۔ تصور آخرت کو یاد دلایا جو اسلامی عقیدہ کی اساس ہے۔ اتحاد واتفاق کی تلقین فرمائی کہ تم آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں نہ مارنا۔ آپ ﷺ نے اس خطبہ میں جاہلی فرسودہ روایات کے اختتام کا اعلان فرمایا اور تمام مسلمانوں کو کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھامنے کی دعوت دی جو اسلامی معاشرہ کا بنیادی دستور ہے۔ سود کی مخالفت کرکے آپ ﷺ نے اقتصادی زندگی سے استحصال کا خاتمہ کردیا۔ ارکان اسلام، نماز، روزہ، زکوۃ اور حج وغیرہ ادا کرنے کی تلقین فرمائی۔ ساتھ ہی حاکمان وقت کی اطاعت کا حکم بھی صادر فرمایا تاکہ کہیں کسی طرح کا سیاسی خلفشار پیدا نہ ہو۔ آخر میں آپ ﷺ نے اپنے آخری ارشادات وفرمودات کو عام اور شائع کرنے کا حکم دیا تاکہ ساری انسانیت کو اسلام کا زریں پیغام پہنچ جائے۔ اور پوری انسانیت اپنے حقوق کو پہچان لے۔ آپ ﷺ کا یہ خطبہ اسلامی منشور کی حیثیت رکھتا ہے جن پر تعمیر ہونے والا نظام انسانیت کے لیے رحمت ثابت ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو آپ ﷺ کے ان احکام کو اپنی عملی زندگی میں نافذ کرنے کی توفیق دے، آمین۔

☆☆☆

[۷] السیرۃ النبویہ فی ضوء المصادر الأصلیہ، ص: ۶۸۳، ۶۸۴

بنی نوع انسانی کے ساتھ آپ ﷺ کا عدل وانصاف

شہاب الدین سراج الدین/فضیلت ثالث

عدل کی تعریف: عدل وانصاف یہ دونوں مترادف اور ہم معنی الفاظ ہیں، ''عدل''، ظلم وجور کا ضد ہے۔ اس کا معنی ہے: حق کے ساتھ فیصلہ کرنا۔ امام جرجانی نے ''عدل'' کی تعریف یوں کی ہے: "العدل: الأمر المتوسط بين الافراط والتفريط'' [1] عدل افراط وتفریط کے مابین میانہ روی کا نام ہے۔

عدل سے متعلق قرآنی ہدایات: قرآن مجید ساری انسانیت کے لیے سراپا ہدایت ہے۔ اور محمد رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ قرآن کے احکام کی توضیح وتفسیر ہے۔ اس لیے ''نبی نوع انسانی کے ساتھ آپ ﷺ کا عدل وانصاف'' جاننے سے قبل قرآنی ارشادات پر سرسری نظر ڈالنا ازحد ضروری ہے۔

قرآن کریم میں مختلف اسلوب اور پیرایہ میں عدل وانصاف پر زور دیا گیا ہے:

۱- امر ونہی کے باب میں سب سے پہلے عدل وانصاف کا حکم: ﴿إن الله يأمر بالعدل والإحسان و إيتآئ ذى القربى وينهى عن الفحشاء والمنكر والبغي﴾ [النحل:۹۰] بے شک اللہ تعالیٰ عدل کا، احسان کا اور قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی کے کاموں، ناشائستہ حرکتوں اور ظلم و زیادتی سے روکتا ہے۔

۲- عام معاملات میں عدل کی تاکید: ﴿و أوفوا الكيل والميزان بالقسط﴾ [الانعام: ۱۵۲] اور انصاف کے ساتھ ناپ تول پوری پوری کرو۔

۳- معاشرتی معاملات میں عدل کی تاکید: ﴿فإن خفتم ألا تعدلوا فواحدة﴾ [النساء:۳۰] اگر تمہیں برابری نہ کر سکنے کا خوف ہو تو ایک ہی (شادی) کافی ہے۔

۴- عدالتی معاملات اور لین دین میں عدل وانصاف کی تاکید۔

الف- کتابت کا حکم: ﴿وليكتب بينكم كاتب بالعدل﴾ [البقرة:۲۸۲] اور لکھنے والے کو چاہئے کہ تمہارا آپسی معاملہ عدل سے لکھے۔

ب- عدل کرنے کی تاکید خواہ اپنی ذات، والدین اور قرابت داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ ﴿يايهاالذين آمنوا كونوا قوامين بالقسط شهداء لله ولو على انفسكم أو الوالدين

---

[1] التعريفات للجرجانى، ص:۱۴۷

والأقربين﴾[النساء: ۱۳۵] اے ایمان والو! عدل وانصاف پر مضبوطی سے جم جانے والے اور خوشنودئ مولی کے لیے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ، گووہ خود تمہارے اپنے خلاف ہو یا اپنے ماں باپ کے یا رشتہ دار عزیزوں کے۔

ج- عدل کی تاکید خواہ دشمن کے حق میں ہی کیوں نہ ہو۔﴿ولا یجرمنکم شنان قوم علی ألا تعدلوا اعدلوا هو أقرب للتقوی﴾ [المائدة:۸] کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کرے اور عدل کرو، عدل تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔

یہود ونصاری جو آپ ﷺ کے سخت ترین دشمن تھے ان کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عدل کا حکم دیا۔ارشاد ہے:﴿وأمرت لأعدل بینکم﴾[الشوری:۱۵] اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تم میں انصاف کرتا رہوں۔

بنی نوع انسانی کے ساتھ آپ ﷺ کے عدل کے نمونے: سطور بالا میں عدل وانصاف کے مختلف پہلوؤں اور گوشوں کو قرآنی آیات کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔اب ذرا رسول اللہ ﷺ کی عملی زندگی کا مطالعہ فرمائیں۔آپ ﷺ کی زندگی کے مطالعہ سے اس بات کا بخوبی علم ہوجائے گا کہ آج دنیا جس عدل وانصاف اور مساوات کی متلاشی ہے وہ آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ میں بدرجۂ اتم موجود ہے۔آپ ہی کی سیرت ایسی ہے جسے آج دنیا اپنا کر اپنے بھولے بسرے امن وامان کو دوبارہ حاصل کرسکتی ہے۔اور ظلم وجور کی بھٹیوں میں تپتی ہوئی دنیا پھر سے آشتی کا گہوارہ بن سکتی ہے۔

ذیل میں آپ ﷺ کے عدل کے چند نمونے پیش خدمت ہیں:

۱-ایک مخزومی قریش خاتون چوری کے جرم میں پکڑی گئی۔اسلام کا قانون یہ ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے مگر قریش نے ندامت وشرمندگی سے بچنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے چہیتے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے کہا کہ آپ ﷺ سے حد کے عدم نفاذ کی بابت سفارش کردیں۔جب سفارش کی تو آپ برہم ہوگئے اور فرمایا:''أتشفع فی حد من حدود الله''اے اسامہ!تم اللہ کے حدود کے سلسلے میں سفارش کرتے ہو۔پھر پوری قوم کو خطاب کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:﴿یا أیهاالناس، إنما ضل من کان قبلکم أنهم کانوا إذا سرق الشریف ترکوه، وإذا سرق الضعیف فیهم أقاموا علیه الحد، وأیم الله لو أن فاطمة بنت محمد سرقت لقطع محمد یدها'' [۲] لوگو!تم سے پہلے کے لوگ صرف اس وجہ سے گمراہ ہوگئے کہ جب کوئی شریف چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور جب ان میں سے کوئی کمزور وبے بس چوری کرتا تو اس پر حد نافذ کرتے۔اللہ کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو محمد (ﷺ) اس کا ہاتھ کاٹ دیتے۔

۲- حضرت نعمان بن بشیر بیان کرتے ہیں کہ ان کی ماں کے مطالبہ پر ان کے والد نے انہیں کچھ مال عطا کیا۔پھر ان کی والدہ نے کہا کہ میرے بیٹے کے عطیہ پر جب تک رسول اللہ ﷺ کو آپ گواہ نہ بنالیتے میں راضی نہیں

[۲] بخاری: کتاب الحدود، باب کراهة الشفاعة فی الحدود إذا رفع إلی السلطان رقم: ۶۸۸۸

ہوسکتی۔اس وقت وہ کمسن تھے۔ان کے والدانہیں لے کرآپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کیا۔آپ نے جواباً عرض فرمایا:''یا بشیر، ألك ولد سوى هذا؟ قال نعم. فقال: أكلهم وهبت له مثل هذا؟ قال: لا، قال: فلا تشهدنى إذاً، فإنى لا أشهد على جورٍ'' ۳؎ اے بشیر! کیا آپ کی کوئی دوسری اولاد بھی ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں،تو آپ نے فرمایا: کیااس کی طرح آپ نے ہرایک کو دیا ہے؟ کہانہیں۔آپ نے فرمایا: تب مجھے گواہ نہ بناؤ۔میں ظلم پر گواہ نہیں بن سکتا۔

۳- آپ ﷺ کے عدل کا ایک اور نمونہ:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میرے پاس اپنے جھگڑے لے کر آتے ہو،تم میں سے کوئی چرب زبان ہوتا ہے وہ اپنے دلائل خوش اسلوبی اور عمدہ پیرہن میں بیان کردیتا ہے اور میں اس کی دلیل سن کر فیصلہ کردیتا ہوں" فمن قطعت له من حق أخيه شيئا فلا يأخذه فإنما أقطع له قطعة من النار'' ۴؎ اگر میں نے اس کے بھائی کے حق میں سے کچھ دینے کا فیصلہ کردیا، پھر بھی وہ اس مال کو نہ لے اس لیے کہ میں اسے جہنم کی آگ کا ایک شعلہ دے رہا ہوں۔

آج عدالت سے مقدمہ جیت کر لوگ سمجھتے ہیں کہ فلاں کی جائداد جو حقیقت میں میری نہ تھی اب عدالت کے فیصلہ کی وجہ سے میری ہوگئی۔حالانکہ آپ کے فیصلہ کے بموجب وہ اس کی جائیداد نہیں، بلکہ جہنم کا ایک ٹکڑا ہے۔

بنی نوع انسانی کے ساتھ آپ ﷺ کا یکساں سلوک: آج دنیا میں ذات پات، رنگ ونسل اور بھید بھاؤ کی تفریق نے ابناء آدم کو کئی خانوں میں بانٹ رکھا ہے۔بعض قومیں بزعم خویش اپنے کو اعلیٰ سمجھتی ہیں جب کہ بعض دوسری قومیں اپنی تمام تر خوبیوں کے باوجود حقیر اور کم تر سمجھی جاتی ہیں۔اسلام نے اس معیار تقسیم کو کالعدم قرار دیا ہے۔اور بھلے اور بُرے کی کسوٹی تقوی و پرہیز گاری بتلایا ہے۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں ایک باب قائم کیا ہے:" باب إمامة العبد والمولى، وكانت عائشة يؤمها عبدها ذكوان من المصحف، وولد البغى والأعرابى والغلام الذى لم يحتلم لقول النبى ﷺ: "يؤمهم أقرأهم لكتاب الله" ۵؎ غلام کی امامت کا بیان: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے غلام ذکوان مصحف دیکھ کران کی امامت کرتے تھے۔اسی طرح ولدالزنا،اعرابی (دیہاتی) اور نابالغ لڑکے کی امامت (کے جواز) کا بیان۔رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کے بموجب''قوم کی امامت وہ کرائے جو ان میں سب سے زیادہ

۳؎ مسلم: كتاب الهبات، باب كراهة تفضيل بعض الأولاد فى الهبة، رقم:٤١٨٢

۴؎ البخارى: كتاب الشهادات، باب من أقام البينة بعد اليمين، رقم الحديث: ٢٦٨٠

۵؎ بخارى: كتاب الأذان، باب إمامة العبدوالمولى، ٢/٢١٦

قرآن پڑھنے والا ہو۔

اس کے بعد امام بخاری نے یہ روایت ذکر کی ہے:

عن أنس بن مالك عن النبی ﷺ قال: اسمعوا و اطیعوا و إن استعمل حبشی کأن رأسه زبیبة [۶] سنو! اور اطاعت کرو اگر چہ تم پر ایسے حبشی کو امیر مقرر کر دیا جائے جس کا سر کشمش کے مانند ہو۔

سماج کے ان معمولی افراد کو اسلام نے غیر معمولی مقام و مرتبہ عطا کیا۔ انہیں شرفِ امامت کے رتبے سے نوازا۔ ایک طرف اس قدر عزت و مقام تو دوسری طرف وہ مذاہب بھی ہیں جن میں نچلے طبقے کے لوگوں کی پیشوائی تو درکنار عبادت خانوں میں بھی آنے کی اجازت نہیں بلکہ مذہبی کتابوں کی تلاوت پر بھی پابندی عائد ہے۔

حضرت معرور رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن میری ملاقات حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مقام ''ربدہ'' میں ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ وہ اور ان کا غلام ایک ہی طرح کا کپڑا پہنے ہوئے ہیں۔ میں نے ان سے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ایک دن میں نے غلام کو اس کی ماں کی عار دلایا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " إخوانكم خولكم جعلهم الله تحت أيديكم، فمن كان أخوه تحت يده فليطعمه مما ياكل، و ليلبسه مما يلبس، ولا تكلفوهم ما يغلبهم، فإن كلفتموهم فأعينوا عليه '' [۷] یہ غلام تمہارے بھائی اور خادم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارے تابع کر دیا ہے، تو جس کا بھائی اس کے ماتحت ہو اسے وہی کھلائے جو خود کھاتا ہے، وہی پہنائے جو خود پہنتا ہے۔ اور انہیں ایسے کام کا مکلّف نہ بنائے جو ان کی بساط سے باہر ہو۔ اور اگر تم انہیں ایسے کام کا مکلّف بناتے بھی ہو تو ان کی مدد کیا کرو۔

خاتمہ: آپ ﷺ اخلاقی تعلیمات کے پیکر مجسم تھے ﴿ كان خلقه القرآن ﴾ [۸] آپ نے قرآنی ہدایات کے مطابق عمل کر کے دکھایا۔ عدل و انصاف کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔ اپنے اور غیروں سب کے ساتھ مساوات کی بے مثال فضا قائم کی۔ آپ ﷺ کے ان کمالات اور اوصاف کو بیان کرنے کے لیے سیکڑوں صفحات درکار ہیں۔ مختصراً چند نمونے حیطۂ تحریر لائے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس روشنی کے ذریعہ ہمارے دلوں کی تاریکیوں کو دور فرمائے اور عدل گستری کی توفیق بخشے اور اسلام کا سچا پیامبر بنائے، آمین۔ وصلی الله علی نبیا محمد و علی اٰله و صحبه وسلم تسلیما کثیرا۔

☆☆☆

---

[۶] المصدر السابق، رقم الحدیث: ۶۹۳

[۷] بخاری: کتاب الایمان، باب المعاصر من امر الجاهلیة، رقم الحدیث: ۳۰

[۸] مسند أحمد ۶/ ۹۱، ح: ۲۴۴۸۲

شاہان عالم کے نام

رسول اکرم ﷺ کے بعض خطوط و پیغامات اور ان کے نکات

نسیم اختر عبدالمجید/فضیلت ثالث

اللہ رب العالمین نے کائنات ارضی میں اسلام کو آخری نظام حیات کی شکل میں اتارا۔ اور محمد عربی ﷺ کی رسالت و نبوت کو تمام باشندگان عالم کے لیے عام کردیا۔ اس عمومیت کا تقاضا تھا کہ یہ آخری پیغام ہر فرد و بشر تک پہنچے۔ چنانچہ ۷ھ کے ماہ محرم کی پہلی تاریخ تھی کہ نبی ﷺ نے شاہان عالم کے نام دعوتِ اسلام کے مبارک خطوط اپنے سفیروں کے ہاتھ روانہ فرمایا۔ جو سفیر جس قوم کے پاس بھیجا گیا۔ وہ وہاں کی زبان جانتا تھا اور اس پر کامل دسترس رکھتا تھا۔ تاکہ تبلیغ دین بخوبی انجام دے سکے۔ سیرت نگاروں کے بیان کے مطابق اُن خطوط کی تعداد جنہیں آپ ﷺ نے مختلف سلاطین و امراء کے نام لکھا پندرہ تک پہنچتی ہے۔ جن میں مقام اور اشخاص کے مناسب حال دعوتی پیغام موجود ہیں۔ ان خطوط کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو خط عیسائی بادشاہوں کے نام تھے ان میں خصوصیت کے ساتھ یہ آیت مبارکہ تھی: ﴿ يأهل الكتاب تعالوا إلى كلمة سواء بيننا و بينكم ألا نعبد إلا الله ولا نشرك به شيئا ولا يتخذ بعضنا بعضا أربابا من دون الله فإن تولوا فقولوا اشهدوا بأنا مسلمون﴾ [آل عمران: ٦٤] اے اہل کتاب (یہود و نصاری) آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کو چھوڑ کر رب نہیں بنائے گا۔ اگر اس سے وہ اعراض کریں تو ان سے کہہ دو گواہ رہو ہم مسلمان ہیں۔

اب ہم آپ ﷺ کے خطوط کے صرف دو نمونے پیش کرتے ہیں۔

پہلا خط:

آپ ﷺ نے قیصر روم ہرقل کے نام ایک خط دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ بھیجا، جس کا متن یہ ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم

من محمد عبدالله ورسوله إلى هرقل عظيم الروم، سلام على من اتبع الهدى، أما بعد:

فإني أدعوك بدعاية الإسلام، أسلم تسلم، يؤتك الله أجرك مرتين فإن توليت فإن عليك إثم الأريسين ﴿ يأهل الكتاب تعالوا إلى كلمة سواء بيننا و بينكم ألا نعبد إلا الله ولا

نشرك به شيئا ولا يتخذ بعضنا بعضا أربابا من دون الله فإن تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون﴾[آل عمران: ٦٤]۔[1]

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

یہ خط محمد کی طرف سے جو اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، ہرقل فرماں روائے روم کی طرف، سلام اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ امابعد:

میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام قبول کرو۔ امن وسلامتی کے ساتھ رہو گے۔ اور اللہ تمہیں دوہرا اجر عطا کرے گا۔ اور اگر تم نے قبول اسلام سے اعراض کیا تو کسانوں کے گناہ بھی تم پر ہوں گے۔ ''اے اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں۔ اور ہم میں سے کوئی اللہ کو چھوڑ کر کسی کو رب نہ بنائے اگر وہ لوگ اس بات سے اعراض کریں تو کہہ دو گواہ رہو ہم مسلمان ہیں۔''

خط کے نکات:

۱- مسنون طریقہ یہ ہے کہ خط کا آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے کیا جائے نہ کہ ''باسمہ تعالیٰ''، ''بعونہ تعالیٰ'' اور ۷۸۶ سے کیونکہ یہ ایک نئی چیز ہے جس کا ثبوت سنت میں نہیں ملتا ہے۔

۲- خط وکتابت میں تواضع کا اظہار۔

آپ ﷺ نے پہلے اپنی عبدیت کا ذکر کیا پھر رسالت کا۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مُرسِل (خط بھیجنے والے کا نام) پہلے لکھا جائے گا۔

۳- مُرسَل اِلیہ (جس کے نام خط لکھا گیا ہے) کو مناسب شان اور القاب وآداب سے خطاب کیا جائے۔

۴- اسلام کا معروف شعار ''سلام'' کا مشروط استعمال کیا جائے گا۔ یعنی اہل توحید ہی کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا جائے گا اور غیر مسلموں کو سلام کرنے سے احتراز کیا جائے گا بلکہ ''السلام علی من اتبع الھدی'' جیسے الفاظ کا استعمال کیا جائے گا۔

۵- ایک داعی کی دعوت کا مرکزی نکتہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کی دعوت ہونا چاہئے۔ کسی شخصیت اور بستی کی طرف دعوت نہیں۔ کیونکہ جب بھی کوئی داعی اس نکتے سے ہٹے گا اس کی دعوت محدود دائرے میں سمٹ کر رہ جائے گی۔

---

[1] صحیح بخاری، باب کیف کان بدء الوحی، ۷

۶- اسلام دراصل امن کا پیغام ہے، اورادیان ماسواہ کے ظلم وجور سے پریشان لوگوں کے لیے سراپا خوشخبری ہے۔اسی طرح وہ لوگ جوالحاد و بے دینی کے درد سے کراہ رہے ہیں ان کا کامیاب علاج ہے۔

۷- بادشاہوں پر اسلام کی دعوت پیش کرنے میں راز یہ تھا کہ انہیں شخصی طور پر دعوت نہیں دی جارہی ہے بلکہ قوم کے سردار کی حیثیت سے دعوت دی جارہی ہے۔اب اگر وہ اسلام کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں تو انہیں دوہرا ثواب ملے گا، اپنا بھی اور رعایا کا بھی۔اور اگر بدستور انکار واعراض کرتے ہیں تو دوہرا گناہ ان پر پڑے گا۔خود ان کے قبول نہ کرنے کا اور رعایا جو ان کی وجہ سے راہ راست پر آسکتی تھی ہدایت سے رک جانے کا۔عربی میں کہاوت مشہور ہے ''الناس علی دین ملوکھم'' پبلک اپنے حکمرانوں کے دین پر ہوتی ہے۔اور یہ صرف اس زمانے کی بات نہیں جب دنیا میں شاہی نظام قائم تھا اور جمہوریت کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔ بلکہ آج کے جمہوری نظام میں بھی یہ مقولہ پوری طرح سے صادق آتا ہے کہ غالب اور حاکم طبقہ کے دین وتہذیب کے اثرات مغلوب ومحکوم طبقات پر واضح طور سے پڑتے ہیں۔اس لیے دعوت میدان کی ایک اہم پالیسی یہ ہے کہ حکمراں طبقہ پر اسلام کی دعوت پیش کی جائے۔

۸- مختلف مذہبی پس منظر رکھنے والے افراد کو قریب کرنے کے لیے بین المذاہب مشترک اصول واقدار بیان کیا جاسکتا ہے تاکہ اسلامی دعوت سے یک بیک متنفر نہ ہوں۔

۹- ﴿ ولا یتخذ بعضنا بعضا أربابا من دون الله﴾ کی تفسیر:

غیر اللہ کو رب بنانے کا مطلب صرف یہ نہیں کہ اس کی عبادت کی جائے بلکہ اگر یہ تصور کیا جائے کہ انہیں کسی چیز کو حلال وحرام کرنے کا حق حاصل ہے تو یہ بھی انہیں رب بنانا ہے۔عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو جب یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا ﴿ اتخذوا أحبارهم و رهبانهم أربابا من دون الله﴾ [التوبة: ۳۱] تو عرض کیا کہ یہود ونصاری تو اپنے علماء کی عبادت نہیں کرتے پھر یہ کیوں کہ کہا گیا کہ انہوں نے انہیں اپنا رب بنالیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ٹھیک ہے کہ انہوں نے ان کی عبادت نہیں کی لیکن یہ بات تو ہے نا کہ جس چیز کو ان کے علماء نے حلال قرار دیا اس کو حلال جانا اور جس کو حرام قرار دیا اس کو حرام سمجھا، یہی تو ان کی عبادت کرنا ہے۔ [۲]

۱۰- اسلامی دعوت کی نشر واشاعت کے لیے رائج الوقت مؤثر اور تیز ترین وسائل کا استعمال کرنا۔

دوسرا خط:

۸ھ نبوی قبل ہجرت نبی اکرم ﷺ نے مکی دور میں جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ ایک خط نجاشی

[۲] صحیح الترمذی:۲۴۷۱

عظیم حبشہ، جس کا نام اصحمہ ہے، کو روانہ فرمایا۔ خط کے متن کا ترجمہ یہ ہے:

محمد رسول اللہ کی جانب سے شاہ حبشہ نجاشی کی طرف۔ میں اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں جو ملک، قدوس، سلام، مومن (امن دینے والا) مہیمن (محافظ، نگراں) ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسی بن مریم اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں، جسے پاکیزہ پاک دامن مریم کی طرح بھیجا۔ اور اس کی روح اور پھونک سے مریم، عیسی (علیہ السلام) کے لیے حاملہ ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ (علیہ السلام) کو روح اور پھونک سے اسی طرح پیدا کیا، جس طرح آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ اور پھونک سے پیدا کیا۔ میں نے تمہیں اللہ کا پیغام پہنچا دیا اور نصیحت کر دی تم میری نصیحت قبول کر لو۔ میں تمہیں اللہ کی توحید اور اس کی اطاعت کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ تم میری اتباع کرو اور میری تعلیم کا سچے دل سے اقرار کرو۔ کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اور اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے۔[۳]

خط کے نکات:

۱- اس خط کے بعض نکات وہی ہیں جو پہلے خط کے ضمن میں گذر چکے ہیں۔

۲- توحید کی تین قسموں میں توحید اسماء وصفات بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اہل سنت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ اللہ کے جو اسماء وصفات قرآن وحدیث میں آئے ہیں انہیں بلا کیفیت بیان کئے ہوئے بلا تمثیل اور تشبیہ کے مانا جائے۔ ﴿لیس کمثلہ شئ وھوالسمیع البصیر﴾ [الشوری: ۱۱] کوئی چیز اس کے مانند نہیں، وہ خوب سننے والا، دیکھنے والا ہے۔

۳- عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہودیوں اور عیسائیوں کا نظریہ افراط وتفریط کا شکار تھا۔ عیسائیوں کا ایک گروہ انہیں ''إلٰہ'' (معبود) کہتا تو دوسرا گروہ انہیں ابن اللہ (اللہ کا بیٹا) قرار دیتا جب کہ تیسرا فریق انہیں ثالث ثلاثہ (تینوں کا تیسرا) کہتا۔ اور یہودیوں کا حال یہ تھا کہ وہ عیسیٰ (علیہ السلام) کی تنقیص میں اس حد تک چلے گئے کہ انہیں ''ولد الزنا'' کہہ دیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اسلام کا معتدل اور برحق عقیدہ پیش کیا کہ عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ کی پیدا کی ہوئی روح اور اس کا کلمہ ہیں، جسے اللہ کے حکم سے جبرئیل نے کنواری پاک دامن مریم کے گریبان میں پھونکا جس سے وہ حاملہ ہوگئیں۔ اس طرح سے عیسی علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے جیسے آدم علیہ السلام اور روح کی اضافت اللہ کی طرف تعظیم وتشریف کے طور پر ہے۔

☆☆☆

[۳] رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص: ۱۰۸-۱۰۹، وزاد المعاد ۳/۶۰، الرحیق المختوم، ص: ۵۴۸-۵۴۹

نبی اکرم ﷺ غیر مسلم دانشوروں کی نظر میں

سعید الرحمٰن جمال الدین/فضیلت ثالث

اللہ رب العالمین نے ہمارے نبی محمد ﷺ کو نبی اور رسول بنا کر دنیا میں بھیجا اور سراج منیر کے لقب سے نوازا۔ جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح طلوع آفتاب کے بعد اس کے وجود میں شک نہیں کیا جا سکتا ٹھیک اسی طرح آپ کے رسول اور ہادی ہونے میں ادنی شک نہیں کیا جا سکتا۔ جس طرح دن میں سورج کا وجود یقینی ہے ٹھیک اسی طرح نبی ﷺ کی رسالت بھی اپنے حق ہونے میں واضح اور یقینی ہے۔ جس طرح سورج کے طلوع ہونے سے رات کی تاریکی کافور اور دنیا منور ہو جاتی ہے اسی طرح آپ ﷺ کی رسالت بھی انسانوں کو ان کی بداعمالیوں کی تاریکی سے نکال کر سیدھے اور صحیح راستہ کی راہنمائی کرنا ہے۔ چنانچہ جب نبوت کا ''سراج منیر'' وادیٔ فاران سے طلوع ہوا تو کچھ لوگ ایمان لے آئے اور کچھ لوگ کفر و تکذیب کی ڈگر سے ہٹنا گوارہ نہ کیا۔ یہاں تک کہ اللہ رب العالمین نے دین اسلام کو سارے ادیان پر غالب کر دیا اور اسلام کو کفر پر کھلی فتح دی۔

ہمارے نبی ﷺ اپنے اُخلاق و عادات میں ممتاز کردار کے حامل، سچائی اور دیانت داری کے پیکر، استقامت کے علم بردار، جواں مردی و شجاعت میں سب پر فائز تھے۔ آپ ﷺ کے اخلاق کریمانہ اور نبوت و رسالت کا کھلے لفظوں میں اعتراف اپنوں اور غیروں نے کیا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا آف برطانیہ کا اعتراف ہے کہ دنیا کی مذہبی شخصیتوں میں سب سے بڑھ کر کامیاب محمد ﷺ کی ہستی گذری ہے اور ان کی لائی ہوئی کتاب (قرآن مجید) روئے زمین پر سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔

چنانچہ مشہور انشاء پرداز Charles Carayle کہتا ہے کہ محمد ﷺ - کا جھوٹا ہونا ناممکن ہے۔ ورنہ اتنا تعجب خیز دین ہرگز نہ پیش کر سکتے۔ خدا کی قسم جھوٹے آدمی میں اتنی صلاحیت نہیں کہ تعمیر کے ضروری مسائل سے ناواقف ہوتے ہوئے اینٹ کا کوئی گھر بنائے پھر وہ مضبوط بنیادوں والا اسلام جیسا عظیم الشان محل کیونکر تعمیر کر سکتا ہے، جس کی عظمت و طاقت صدیوں سے برقرار ہے۔ [۱]

اسی طرح مشہور فرانسیسی مؤرخ **لا قیس** (Laqis) کہتا ہے کہ محمد ﷺ - بچپن ہی سے صداقت میں مشہور تھے۔ اسی لیے انہیں امین کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ [۲]

اسی طرح ایک انگریز مستشرق اِنشاء پرداز **جی ویلز** کہتا ہے کہ محمد ﷺ - کی صداقت کی سب سے بڑی

---

[۱] کتاب الابطال بحوالہ اسلام اور پیغمبر اسلام اہل انصاف کی نظر میں، ص:۱۵۶

[۲] اسلام اور پیغمبر اسلام اہل انصاف کی نظر میں، ص:۱۵۶

دلیل ان کے اہل وعیال اور اقرباء کا ایمان لانا ہے، جو ان کے راز سے واقف تھے، اگر آپ کی صداقت میں شک کرتے ہوتے تو ہرگز ایمان نہ لاتے۔ [۳]

مشہور فرانسیسی شاعر **الفونس لا مارتین** کہتا ہے کہ درحقیقت محمد ﷺ -جیسی زندگی، ان کی فکر وتأمل جیسی قوت، اپنی امت کے خرافات اور قبائل کی جہالت ختم کرنے کی جدوجہد، بت پرستوں سے ملنے پر انکے دل میں آپ کا رعب و دبدبہ، فتح ونصرت پر آپ کا کامل یقین، اِعلاء کلمۃ اللہ اور اسلامی عقائد کے ارکان کو دلوں میں ثابت کرنے کے لیے لشکر کی پاسبانی اس بات کی دلیل ہے کہ آپ دھوکے باز نہ تھے اور نہ ہی باطل پرست تھے۔ [۴]

اسی طرح روسی فلسفی **تالستائی** اسلام اور پیغمبر اسلام پر تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ: محمد ﷺ - نے کروڑوں انسانوں کی راہ حق اور امن وسلامتی کی جانب رہنمائی کی اور انسانیت کے لیے عالمی روحانی زندگی گذارنے کے طریقے واضح کئے۔ اور یہ ایسا کردار ہے جسے وہی شخص انجام دے سکتا ہے، جس پر الہام کیا گیا ہو، یا غیبی قوت و امداد اس کے شاملِ حال ہو۔ [۵]

فرانسیسی عالم **بلا نیشیه** کا خیال ہے کہ محمد ﷺ - مؤرخین میں سب سے زیادہ مشہور اور باکمال شخص ہیں جنہوں نے بیک وقت تین عظیم کام کیے۔

۱- قبائل کو صحیح طور پر زندگی گزارنے کا شعور عطا کیا۔

۲- شہنشاہیت اور حکومت کا قیام۔

۳- دین اسلام کی بنیاد۔ [۶]

ہم دیکھتے ہیں کہ مشہور مستشرق **ولز** آپ پر ناحق تنقید کرنے کے باوجود بھی بہت سے حقائق سے انکار نہ کرسکا۔ اس کا خود خیال ہے کہ محمد ﷺ - کے مذہب میں نرمی ومہربانی اور اخوت و بھائی چارگی کی حقیقی روح موجود تھی۔ اور وہ ایک سادہ مذہب تھا جو بآسانی سمجھا جاتا تھا۔ محمد ﷺ - مکارم اخلاق، علونفس، اور تمام خوبیوں کے جامع تھے۔ جن سے دیہاتی انتہائی درجہ محبت رکھتے تھے۔ [۷]

مسٹر جیس متنر کہتا ہے کہ محمد ﷺ - جن پر الہام ہوا، اور جنہوں نے دین اسلام قائم کیا جن کی

---

[۳] اسلام اور پیغمبر اسلام اہل انصاف کی نظر میں، ص: ۱۵۷

[۴] اسلام اور پیغمبر اسلام اہل انصاف کی نظر میں، ص: ۱۵۹

[۵] المستشرقون والإسلام بحوالہ اسلام اور پیغمبر اسلام اہل انصاف کی نظر میں، ص: ۱۶۵

[۶] اسلام اور پیغمبر اسلام اہل انصاف کی نظر میں، ص: ۱۵۸

[۷] تاریخ العالم بحوالہ اسلام اور پیغمبر اسلام اہل انصاف کی نظر میں، ص: ۱۹۸

پیدائش تقریباً ۵۷۰ء میں بت پرست عرب قبیلے میں ہوئی وہ پیدائش ہی کے وقت یتیم تھے۔فقیروں مسکینوں، بیواؤں اور کمزوروں سے غایت درجہ محبت کرتے تھے۔محمد ﷺ - کا وجود جزیرہ عرب اور تمام مشرقی دنیا میں تھا آپ نے اپنے ہاتھوں سے بت پرستی مٹائی اور ایسا دین قائم کیا جو اللہ کی وحدانیت کا داعی ہے۔اور عورتوں کو اس طوقِ غلامی سے نجات دلائی جسے بددوؤں کی اندھی تقلید نے پہنا دیا تھا۔ ۸

فرانس کے مشہور سابق وزراء میں سے ایک مستشرق وزیر ڈوری (Dory) کہتا ہے کہ نبی ﷺ - نے دنیا میں ظاہر ہونے کے بعد عرب کے تمام قبائل کو ایک امت بنا دیا جن کا مقصد ایک تھا، اتنی بڑی امت تیار ہوگئی جو اسپین کے دریائے ٹیگو سے لے کر ہندوستان کے دریائے گنگا تک پھیل گئی۔اور قرون وسطی میں جس وقت اہل یورپ جہالت کی تاریکیوں میں مبتلا تھے یہ اصلاحی جماعت تمام اطراف عالم میں تمدن کا جھنڈا لہرا رہی تھی۔ ۹

آرلینڈ لکھتا ہے: ''دنیا اگر اپنے جھگڑوں سے نجات حاصل کر کے امن کا گہوارہ بننا چاہتی ہے تو پھر اسے محمد ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنا پڑے گا''۔ ۱۰

ڈاکٹر کلارک لکھتا ہے: ''حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات ہی کو یہ خوبی ملی ہے کہ اس میں وہ تمام اچھی باتیں ہیں جو دیگر مذاہب میں نہیں پائی جاتیں''۔ ۱۱

ہندوستان کی سابق سیاسی لیڈر و گورنر سروجنی نائیڈو نے ایک موقع پر کہا تھا: ''اسلام پہلا مذہب ہے جس نے جمہوریت کی تلقین کی اور اس پر عمل کیا۔اسلام میں حقیقی خالص جمہوریت کا رنگ پایا جاتا ہے جو کسی دوسرے مذہب کی پیداوار نہیں ہے''۔ ۱۲

جنیوا یونیورسٹی کے پروفیسر سپریل لکھتے ہیں: ''پوری نسل انسانی کو اسلام کے پیغمبر پر فخر کرنا چاہئے کیوں کہ آپ ﷺ نے انسانیت کے لیے وہ قانون چھوڑا جس کے اعلیٰ معیار پر انسانیت اگر آئندہ دو ہزار سال میں بھی آجائے تو بڑی باعثِ مسرت کامیابی ہوگی۔'' ۱۳

ہمارے رسول ﷺ کی شان میں غیر مسلم دانشوران کی شہادتوں کے یہ چند نمونے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو رسول کی عظمت کو سمجھنے اور ان کی پیروی کرنے اور ان کے طریقے کو دنیا کے سامنے عام کرنے کی توفیق دے، آمین۔تقبل یارب العالمین۔

☆☆☆

۸ اسلام اور پیغمبر اسلام اہل انصاف کی نظر میں، ص:۱۷۴
۹ اسلام اور پیغمبر اسلام اہل انصاف کی نظر میں، ص:۲۱۲
۱۰ Islam And the Arabs
۱۱ میزان التحقیق، ص:۲۳
۱۲ حیات نو، کراچی، ۱۹۶۵ء
۱۳ اسلام مکمل دین، مستقل تہذیب، ص:۴۰۰

رسول اکرم ﷺ کی تبلیغ کا اثر

فتح مکہ کے بعد

طارق عمیر سلفی

اللہ رب العالمین نے دین اسلام کی تکمیل کے لیے اپنے آخری رسول محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ آپ ﷺ کو ں نا گوں مصائب وآلام جھیل کر اللہ کے دین کی تبلیغ کرتے رہے۔ آہستہ آہستہ اسلام کا دائرہ وسیع ہوتا رہا، مگر ابھی دین اسلام پورے جزیرۃ العرب کا دین نہیں بن پایا تھا کہ ایسے میں اللہ رب العالمین نے تمام ادیان ومذاہب پر اسلام کے غالب ہونے کی خبر دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ هوالذى أرسل رسوله بالهدى و دين الحق ليظهره على الدين كله وكفى بالله شهيدا﴾ [الفتح:۲۸] ترجمہ: وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے ہر دین پر غالب کرے۔ اور اللہ تعالیٰ بطور شاہد کافی ہے۔

ہجرت مدینہ ہی سے اسلام کو بالا دستی ملنی شروع ہوگئی تھی۔ اور اب بہت جلد ہی پورا جزیرۃ العرب آپ ﷺ کے زیر نگیں ہونے والا تھا۔ چنانچہ اللہ رب العالمین نے اس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ إذا جاء نصرالله والفتح و رأيت الناس يدخلون فى دين الله أفواجا فسبح بحمد ربك واستغفره إنه كا ن توابا﴾ [النصر: ۱-۳] ترجمہ: جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے۔ اور (اے نبی ﷺ) لوگوں کو دین میں جوق در جوق آتا دیکھ لو تو اپنے رب کی پاکی بیان کرو اور اس کی حمد وثنا کرو، اور اس سے مغفرت طلب کرو۔ بے شک وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا ہے۔

مفسرین کرام رحمہ اللہ نے آیت میں وارد لفظ ''الفتح'' سے مراد ''فتح مکہ'' ہی لیا ہے۔ [۱] اور غزوۂ فتح مکہ رمضان ۸ھ کا واقعہ ہے [۲] لہذا آیت کا مطلب یہ ہوا کہ: فتح مکہ کے بعد لوگ جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہونے لگیں گے۔

اقوامِ عرب فتح مکہ کے منتظر:

حضرت عمر بن سلمہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے تعلق سے اہل عرب کے نظریہ کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''وكانت العرب تلوّم بإسلامهم الفتح، فيقولون: أتركوه و قومه فإنه: إن ظهر عليهم فهو

---

[۱] الجامع لأحکام القرآن للقرطبی ۲۰/۵۶۱- فتح القدیر للشوکانی ۵/۶۷۹،

[۲] الطبقات الکبری ۲/۱۳۴، سیرت ابن ہشام ۲/۳۶۶، سیرت النبی لابن کثیر ۲/۳۷۷

نبی صادق، فلما کانت العرب أهل الفتح بادر کل قوم بإسلامهم [۳] یعنی عرب حلقہ بگوش اسلام ہونے کے لیے ''فتح مکہ'' کا انتظار کررہے تھے۔اور کہا کرتے کہ اس (محمد ﷺ) کو اور اس کی قوم کو باہم فیصلہ کرنے دو۔اگر یہ (یعنی رسول اللہ ﷺ) ان لوگوں پر غالب آگئے تو سچے نبی مان لیے جائیں گے۔ بالآخر جب مکہ فتح ہوگیا (اور نبی ﷺ سچے نبی ثابت ہوگئے) تو عرب کی ہر قوم نے اسلام لانے میں جلدی کی۔

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ فتح مکہ ایک فیصلہ کن معرکہ تھا۔تولیت کعبہ کی وجہ سے قریش کو عام عربوں میں اثر ورسوخ حاصل تھا۔ان کا بھی یہ عقیدہ ہوگیا تھا کہ مکہ پر وہی غلبہ پاسکتا ہے جو حق پر ہو،مگر جب فتح مکہ نے ان بڑی بڑی رکاوٹوں کو درہم برہم کردیا۔اور جزیرۃ العرب کے اندر بت پرستی کی قوت کو مکمل طور پر توڑ کر رکھ دیا،تو ان کے شبہات ختم ہوگئے،اوران کے اوپر حق وباطل واضح ہوگیا تو وہ بڑی تیز رفتاری کے ساتھ اسلام قبول کرنے لگے۔

فتحِ مکہ کے بعد مدینہ منورہ میں وفود کی آمد:

مدینہ منورہ میں وفود کی آمد کا سلسلہ ہجرت کے بعد ہی چل پڑا تھا،لیکن فتح مکہ کے بعد یہ سلسلہ دراز ہوگیا اور ہر چہار جانب سے مدینہ آنے والے وفود کا تانتا بندھ گیا اور لوگ اللہ کے دین میں فوج درفوج داخل ہونے لگے۔

مولانا صفی الرحمٰن صاحب مبارک پوری رحمہ اللہ نے فتحِ مکہ سے قبل اور بعد میں آنے والے وفود کی تعداد کے بارے میں لکھا ہے کہ:''اہل مغازی نے جن وفود کا تذکرہ کیا ہے ان کی تعداد ستر سے زیادہ ہے۔ [۴]

ہم درج ذیل میں فتح مکہ کے بعد مدینہ آنے والے بعض وفود کے اسماء سنین کی تعیین کے ساتھ ذکر کررہے ہیں۔

فتح مکہ ۸ھ کے بعد مدینہ آنے والے بعض وفود:

فتح مکہ ۸ھ کے بعد مدینہ آنے والے بعض وفود کے اسماء یہ ہیں:

(۱) وفد باہلہ (۲) وفد بنی قشیر (۳) وفد صدا (۴) وفد بنی ثعلبہ (۵) وفد کعب بن زہیر (۶) وفد جریر بن عبداللہ بجلی [۵]

پھر غزوۂ تبوک رجب ۹ھ کے بعد قبائل عرب میں مزید حرکت پیدا ہوگئی اور یہ سلسلہ ۱۰ھ بلکہ اس کے بعد تک جاری رہا۔اور ۹ھ میں مدینہ آنے والے وفود کی اتنی کثرت ہوگئی کہ اس سال کا نام ہی سنۃ الوفود (یعنی

---

[۳] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب مقام النبی ﷺ بمکۃ زمن الفتح، ص:۷۲۸ [۴۳۰۲]

[۴] الرحیق المختوم، ص:۷۱۰، تجلیات نبوت، ص:۳۳۶

[۵] دیکھئے: پیغمبر عالم، ص:۶۳۷-۶۴۱

وفود کا سال) پڑ گیا۔ ۶

سنۃ الوفود ۹ ھ میں مدینہ آنے والے بعض وفود یہ ہیں:

(۱) وفد عبدالقیس (۲) وفد عذرہ (۳) وفد بلیٰ (۴) وفد ثقیف (۵) وفد ہمدان (۶) وفد بنی فزارہ (۷) وفد نجران (۸) وفد بنی حنیفہ (۹) وفد طی (۱۰) وفد بنی تمیم (۱۱) وفد بنی اسد بن خزیمہ (۱۲) وفد بنی کنانہ (۱۳) وفد بنی کلاب اور (۱۴) وفد تجیب ۷

اس کے بعد ۱۰ ھ میں بھی کثیر تعداد میں وفود آئے، ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

(۱) وفد عمرو بن معدی کرب (۲) وفد خولان (۳) وفد غسان (۴) وفد بنی حارث (۵) وفد سلامان ۸

فتح مکہ کے بعد ۸ ھ سے ۱۰ ھ تک مدینہ آنے والے وفود کی تعداد زیادہ رہی۔ اور اکثر و بیشتر وفود کی آمد ۹ ھ اور ۱۰ ھ میں رہی۔ صرف بعض وفود ۱۱ ھ تک متاخر رہے۔ ۹

فتح مکہ کے بعد اہل اسلام کی تعداد:

فتح مکہ کے بعد اہل اسلام کی تعداد میں ہونے والے غیر معمولی اضافے کا اندازہ لگانے کے لیے اس سے پہلے کے زمانہ میں ہونے والے بتدریج اضافہ کو دیکھنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ: ''.... بدر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مہاجرین و انصار میں سے جاں نثاروں کی تعداد تین سو تیرہ سے زیادہ نہ تھی۔ احد میں یہ تعداد سات سو پہنچی۔ خندق میں تین ہزار۔ حدیبیہ کے موقع پر صرف عمرہ ادا کرنا منظور تھا، صحابہ کرام کی تعداد زیادہ سے زیادہ پندرہ سو تھی۔ عمرۃ القضاء کے وقت دو ہزار....'' ۱۰

مختلف سنین میں دائرہ اسلام کی توسیع کی یہ ہلکی سی جھلک ہے۔ اس کے بعد کے مراحل اور سنین میں ہم دیکھتے ہیں کہ: ''.....اسلامی لشکر جو فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار سپاہ پر مشتمل تھا، اس کی تعداد غزوہ تبوک میں (جب کہ ابھی فتح مکہ پر پورا ایک سال بھی نہیں گزرا تھا) اتنی بڑھ گئی کہ وہ تیس ہزار فوجیوں کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں تبدیل ہو گیا۔ پھر ہم حجۃ الوداع میں دیکھتے ہیں کہ ایک لاکھ ۲۴/ ہزار یا چوالیس ہزار اہل اسلام کا سیلاب امنڈ پڑا ہے، جو رسول اللہ ﷺ کے ارد گرد اس طرح لبیک پکارتا، تکبیر کہتا اور حمد و تسبیح کے نغمے گنگناتا ہے کہ آفاق گونج اٹھتے ہیں اور وادی کو ہمسار نغمۂ توحید سے معمور ہو جاتے ہیں۔ ۱۱

---

۶ سیرت ابن ہشام، ص: ۶۴۵، رسول رحمت، ص: ۵۵۸، پیغمبر عالم، ص: ۶۲۷، تجلیات نبوت، ص: ۳۳۶

۷ الرحیق المختوم، ص: ۷۱۰-۷۲۵، پیغمبر عالم، ص: ۶۴۱-۶۷۴

۸ پیغمبر عالم، ص: ۵۷۵-۶۸۰ ۹ الرحیق المختوم، ص: ۷۲۵

۱۰ رسول رحمت، ص: ۵۴۹ ۱۱ الرحیق المختوم، ص: ۷۰۹-۷۱۰

فتح مکہ کے بعد جزیرۃ العرب پر اسلام کے اثرات:

فتح مکہ کے بعد جزیرۃ العرب پر اسلامی دعوت کی کامیابی اور اس کے اثرات کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ: ''.....اسلامی دعوت اتنے بڑے پیمانے پر کامیاب ہوئی کہ عقلیں حیران رہ گئیں۔ سارا جزیرۃ العرب آپ کے تابع ہوگیا۔ اس کے افق سے جاہلیت کا غبار چھٹ گیا۔ بیمار عقلیں تندرست ہوگئیں۔ یہاں تک کہ بتوں کو چھوڑ بلکہ توڑ دیا گیا۔ توحید کی آوازوں سے فضا گونجنے لگی۔ اور ایمان جدید سے حیات پاتے ہوئے صحراء کا شبستانِ وجود اذانوں سے لرزنے لگا۔ اور اس کی پہنائیوں کو ''اللہ اکبر'' کی صدائیں چیرنے لگیں۔ قُرّاء، قرآن مجید کی آیتیں تلاوت کرتے اور اللہ کے احکام قائم کرتے ہوئے شمال وجنوب میں پھیل گئے۔

بکھری ہوئی قومیں اور قبیلے ایک ہوگئے، انسان بندوں کی بندگی سے نکل کر اللہ کی بندگی میں داخل ہوگیا۔ اب نہ کوئی قاہر ہے نہ مقہور، نہ مالک ہے نہ مملوک، نہ حاکم ہے نہ محکوم، نہ ظالم ہے نہ مظلوم، بلکہ سارے لوگ اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں اور اللہ کے احکام بجالاتے ہیں۔ اللہ نے ان سے جاہلیت کا غرور ونخوت اور باپ دادا پر فخر کا خاتمہ کردیا ہے۔ اب عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، گورے کو کالے پر، کالے کو گورے پر کوئی برتری نہیں۔ برتری کا معیار صرف تقویٰ ہے۔ ورنہ سارے لوگ آدم کی اولاد ہیں۔ اور آدم علیہ السلام مٹی سے تھے۔

غرض اس دعوت کی بدولت عربی وحدت، انسانی وحدت اور اجتماعی عدل وجود میں آگیا۔ نوع انسانی کو دنیاوی مسائل اور اخروی معاملات میں سعادت کی راہ مل گئی۔ بالفاظ دیگر زمانے کی رفتار بدل گئی، روئے زمین متغیر ہوگیا۔ تاریخ کا دھارا مڑ گیا۔ اور سوچنے کے انداز بدل گئے۔ [۱۲]

خلاصۂ بحث:

رسول اکرم ﷺ کی تبلیغ کے ثمرات و برکات سے دھیرے دھیرے اسلام پھیلتا پھولتا رہا۔ لادینیت اور بددینیت کی تاریکیاں کافور ہوتی رہیں۔ بالآخر فتح مکہ کے بعد غیر متوقع صورت میں اسلام لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہوتا رہا۔ اور اسلام چند ہی برسوں میں پورے جزیرۃ العرب کا دین بن گیا۔ اور لوگ اس کی سنہری تعلیمات کے سائے میں زندگی گذارنے لگے۔

☆☆☆

[۱۲] الرحیق المختوم، ص: ۷۲۸-۷۲۹

سرایاوغزوات نبوی ﷺ

(سنین وتعدادمجاہدین ومخالفین وکمانڈران کی تعیین اوران کے نتائج)

شفاءاللہ شمس الدین سلفی

غزوات وسرایا کی تعریف:

غزوات جمع ہے غزوہ کی، اس کا لغوی معنی ہے: لڑائی، حملہ۔ اور اصطلاح میں غزوہ اس فوجی مہم کو کہتے ہیں جس میں نبی کریم ﷺ بنفس نفیس تشریف لے گئے ہوں خواہ جنگ ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ (الصحاح: ص ۷۷۳، الرحیق المختوم: ۳۰۶)

''سرایا'' سریہ کی جمع ہے، جس کا معنی ہے: فوج کا دستہ۔ اور اصطلاح میں: وہ فوجی مہم ہے جس میں آپ ﷺ خود تشریف نہ لے گئے ہوں، بلکہ صحابہ کا لشکر روانہ فرمادیا ہو۔ (الصحاح: ص ۴۸۵، الرحیق المختوم: ۳۰۶)

غزوات نبوی ﷺ کے مختصر احوال

۱-غزوہ ابوایاودّان: صفر ۲ھ، مجاہدین کی تعداد ۷۰، اور کمانڈر اللہ کے رسول ﷺ تھے۔

نتیجہ: یہ غزوہ محض سفر تھا اور اس کا مقصد تھا وعظ و ہدایت فرمانا اور قبائل سے معاہدات کرنا، تاکہ وہ مسلمانوں کے خلاف قریش سے اتحاد نہ کرلیں۔

۲-غزوہ بواط: ربیع الاول ۲ھ میں پیش آیا۔ مجاہدین کی تعداد ۲۰۰، اور کمانڈر اللہ کے رسول ﷺ تھے۔ اور مخالفین کی تعداد ۱۰۰، اور کمانڈر امیہ بن خلف تھا۔

نتیجہ: اس میں لڑائی نہیں ہوئی۔

۳- غزوہ سفوان: ربیع الاول ۲ھ مجاہدین کی تعداد ۷۰، کمانڈر اللہ کے رسول ﷺ تھے۔ مخالفین کی تعداد مختصر تھی جس کا کمانڈر کرز بن جابر فہری تھا۔

نتیجہ: مقام سفوان تک دشمن کا تعاقب کیا گیا مگر ہاتھ نہ لگا۔

۴- غزوہ ذی العشرہ: جمادی الاولیٰ یا جمادی الآخرۃ ۲ھ، مجاہدین کی تعداد ۱۵۰، اور کمانڈر اللہ کے رسول ﷺ تھے۔

نتیجہ: اس میں جنگ نہیں ہوئی بلکہ سفر سے واپس آگئے۔

۵- **غزوہ بدر کبریٰ:** رمضان ۲ھ، مجاہدین کی تعداد ۳۱۳، کمانڈر اللہ کے رسول ﷺ تھے اور مخالفین کی تعداد ۱۰۰۰، اور کمانڈر ابوجہل تھا۔

نتیجہ: مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔

۶- **غزوہ بنوقینقاع:** شوال ۲ھ میں پیش آیا، اس میں مجاہدین کے کمانڈر اللہ کے رسول ﷺ تھے۔

۷- **غزوہ سویق:** ذی الحجہ ۲ھ، مجاہدین کی تعداد ۲۰۰، اور کمانڈر اللہ کے رسول ﷺ تھے، اور مخالفین کی تعداد ۲۰۰ کمانڈر رسوار ابوسفیان اموی۔

نتیجہ: اللہ کے رسول ﷺ نے تعاقب کیا لیکن دشمن ہاتھ نہ آیا۔

۸- **غزوہ قرقرۃ الکدر:** محرم ۲ھ، مجاہدین کی تعداد ۲۰۰، اور کمانڈر اللہ کے رسول ﷺ تھے۔

نتیجہ: دشمن جو مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے آیا تھا، اسلامی فوج کے مظاہرہ سے بھاگ گیا۔

۹- **غزوہ ذی امر:** ربیع الاول ۳ھ مجاہدین کی تعداد ۴۵۰ سوار، اور کمانڈر اللہ کے رسول ﷺ تھے، مخالفین کی طرف سے بنو ثعلبہ و بنو محارب کمانڈر تھے۔

نتیجہ: اسلامی لشکر دیکھ کر دشمن بھاگ گیا۔

۱۰- **غزوۂ بحران:** ربیع الاول ۳ھ مجاہدین کی تعداد ۱۳۳۰ اور کمانڈر اللہ کے رسول ﷺ تھے۔

نتیجہ: مقام بحران میں دو ماہ قیام کے بعد مدینہ واپس آ گئے لڑائی نہیں ہوئی۔

۱۱- **غزوۂ احد:** شوال ۳ھ، مجاہدین کی تعداد ۱۰۰۰، اور کمانڈر اللہ کے رسول ﷺ تھے، اور مخالفین کی تعداد ۳۰۰۰، اور کمانڈر ابوسفیان اموی تھا۔

نتیجہ: مسلمانوں کا سخت نقصان ہوا مگر کفار مرعوب ہو کر نتیجہ میں ناکام ہوئے۔

۱۲- **غزوہ حمراء الاسد:** شوال ۳ھ مجاہدین کی تعداد ۵۴۰، کمانڈر اللہ کے رسول ﷺ تھے۔ مخالفین کی تعداد ۲۹۷۰، کمانڈر ابوسفیان تھا۔

نتیجہ: دشمن مرعوب ہو کر بھاگ گیا۔

۱۳- **غزوہ بنونضیر:** ربیع الاول ۴ھ، کمانڈر اللہ کے رسول ﷺ تھے۔

۱۴- **غزوہ بدر الاخریٰ:** ذی قعدہ ۴ھ مجاہدین کی تعداد ۱۵۱۰، کمانڈر اللہ کے رسول ﷺ تھے، اور مخالفین کی تعداد ۲۰۵۰، کمانڈر ابوسفیان اموی تھا۔

نتیجہ: مقابلہ نہیں ہوا۔

۱۵- **غزوہ دومۃ الجندل:** مجاہدین کی تعداد ۱۰۰۰، کمانڈر اللہ کے رسول ﷺ تھے۔
نتیجہ: لڑائی نہیں ہوئی۔

۱۶- **غزوہ بنومصطلق یامریسیع:** شعبان ۵ھ، مجاہدین کے کمانڈر اللہ کے رسول ﷺ تھے۔مخالفین کا کمانڈر حارث بن ضرار تھا۔
نتیجہ: دشمن کوشکست ہوئی۔

۱۷- **غزوہ احزاب یاخندق:** مجاہدین کی تعداد ۳۰۰۰، کمانڈر نبی کریم ﷺ تھے۔مخالفین کی تعداد ۱۰۰۰۰، کمانڈر ابوسفیان اموی تھا۔
نتیجہ: دشمن ناکام ہوا۔مسلمانوں کو فتح ہوئی۔

۱۸- **غزوہ بنولحیان:** ربیع الاول یا جمادی الاولی ۶ھ، مسلمانوں کی تعداد ۲۰۰، اور کمانڈر اللہ کے رسول ﷺ تھے۔مخالفین بنولحیان تھے۔
نتیجہ: بنولحیان آپ ﷺ کی آمد کی اطلاع پاکر بھاگ گئے۔لڑائی نہ ہوئی۔

۱۹- **غزوہ حدیبیہ:** ذی قعدہ ۶ھ مجاہدین کی تعداد ۱۴۰۰، کمانڈر اللہ کے رسول ﷺ تھے۔مخالفین مکہ والے تھے، کمانڈر سہل بن عمرو قرشی تھا۔
نتیجہ: دس سال کے لیے قریش کے ساتھ صلح کا معاہدہ کیا گیا۔

۲۰- **غزوہ خیبر:** محرم ۷ھ مجاہدین کی تعداد ۱۴۲۰، کمانڈر اللہ کے رسول ﷺ تھے۔مخالفین کی تعداد ۱۰۰۰۰، کمانڈر کنانہ بن ابوالحقیق یہودی تھا۔
نتیجہ: مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔

۲۱- **غزوہ ذات الرقاع:** محرم ۷ھ، مجاہدین کی تعداد ۴۰۰ اور کمانڈر نبی کریم ﷺ تھے۔
نتیجہ: دشمن منتشر ہوگیا۔

۲۲- **غزوہ فتح مکہ:** رمضان ۸ھ، مجاہدین کی تعداد ۱۰۰۰۰، اور کمانڈر نبی کریم ﷺ تھے۔
نتیجہ: مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔

۲۳- **غزوہ حنین یااوطاس یاہوازن:** شوال ۸ھ، مجاہدین کی تعداد ۱۲۰۰۰، کمانڈر اللہ کے رسول ﷺ تھے۔
نتیجہ: مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔

۲۴- **غزوہ طائف:** شوال ۸ھ، مجاہدین کی تعداد ۱۲۰۰۰، کمانڈر اللہ کے رسول ﷺ تھے۔

نتیجہ: ایک ماہ کے محاصرہ کے بعد واپس آ گئے۔

۲۵- غزوہ تبوک: مجاہدین کی تعداد ۳۰۰۰۰، کمانڈر اللہ کے رسول ﷺ تھے۔

نتیجہ: مسلمان سرحد پر مظاہرہ کرتے اور دشمنوں کو مرعوب کرنے کے بعد مدینہ واپس تشریف لائے۔

سرایا کے مختصر احوال

۱- سریہ سیف البحر: رمضان ۱ھ، مجاہدین کی تعداد ۳۰، کمانڈر حمزہ بن عبدالمطلب تھے۔ مخالفین کی تعداد ۳۰۰، ابوجہل کمانڈر تھا۔

نتیجہ: لڑائی نہیں ہوئی۔

۲- سریہ رابغ: شوال ۱ھ، مجاہدین ۲۰، کمانڈر عبداللہ بن الحارث تھے۔ مخالفین ۲۰۰، کمانڈر عکرمہ یا ابوسفیان تھا۔

نتیجہ: لڑائی نہیں ہوئی۔

۳- سریہ ضرار: ذی قعدہ ۱ھ، مجاہدین کی تعداد ۸۰، کمانڈر سعد بن ابی اوقاص رضی اللہ عنہ تھے۔

نتیجہ: مقام جحفہ تک گشت لگا کر واپس چلے آئے۔

۴- سریہ نخلہ: رجب ۲ھ، مجاہدین کی تعداد ۱۲، کمانڈر عبداللہ بن جحش تھے۔ مخالفین کے کمانڈر ابنائے امیہ تھے۔

۵- سریہ عمیر بن العدی الخطمی: رمضان ۲ھ، کمانڈر عمیر بن العدی، اور مخالفین کے کمانڈر مسماۃ عصماء بنت مروان خطیمہ تھی۔

۶- سریہ سالم بن عمیر الانصاری: شوال ۲ھ، کمانڈر سالم بن عمیر اور مخالفین کے کمانڈر ابوعکفہ تھے۔

نتیجہ: اس میں ایک یہودی کا قتل ہوا۔

۷- سریہ محمد بن مسلمہ: ربیع الاول ۳ھ، مجاہدین کی تعداد ۵، کمانڈر محمد بن مسلمہ انصاری تھے۔ مخالفین کے کمانڈر کعب بن اشرف یہودی تھا۔

۸- سریہ قردہ: جمادی الآخر ۳ھ، مجاہدین کی تعداد ۱۰۰، مخالفین کے کمانڈر ابوسفیان اموی تھے۔

نتیجہ: لڑائی نہیں ہوئی۔

۹- سریہ ابوسلمہ: محرم الحرام ۴ھ، مجاہدین کی تعداد ۱۵۰، اور کمانڈر ابوسلمہ مخزومی تھے۔ مخالفین کے کمانڈر طلحہ و

سلمہ تھے۔

۱۰- **سریہ عبداللہ بن انیس:** محرم الحرام ۴ھ، مجاہدین کے کمانڈر عبداللہ بن انیس انصاری تھے۔ مخالفین کا کمانڈر سفیان ہذلی تھا۔

۱۱- **سریہ رجیع:** صفر ۴ھ، مجاہدین کی تعداد ۱۰، کمانڈر عاصم بن ثابت تھے۔ مخالفین کی تعداد ۱۰۰، کمانڈر قبیلہ عضل اور قارہ تھے۔

۱۲- **سریہ بئر معونہ:** صفر ۴ھ مجاہدین کی تعداد ۷۰، کمانڈر منذر بن عمرو تھے۔ مخالفین کی تعداد ایک بڑی جماعت تھی جس کا کمانڈر عامر بن مالک تھا۔

۱۳- **سریہ عمرو بن امیہ:** ربیع الاول ۴ھ، مجاہدین کے کمانڈر عمرو بن امیہ تھے۔ مخالفین کی تعداد ۱۲ جو قبیلہ بنو کلاب کے تھے۔

۱۴- **سریہ قریظہ (محمد بن مسلمہ):** محرم الحرام ۶ھ، مجاہدین کی تعداد ۳۰، کمانڈر محمد بن مسلمہ انصاری تھے۔ مخالفین کی تعداد ۲۰، اور کمانڈر ثمامہ بن اثال حنفی تھا۔

نتیجہ: مسلمانوں نے چھاپا مارا تو دشمن بھاگ گئے۔

۱۵- **سریہ عکاشہ بن محصن:** ربیع الاول ۶ھ، مجاہدین کی تعداد ۴۰، کمانڈر عکاشہ بن محصن تھے۔

نتیجہ: لڑائی نہیں ہوئی۔ اور دشمن بھاگ گیا۔ مسلمان ان کے دوسو اونٹ ہانک کر مدینہ لائے۔ مقام غمر میں پیش آنے کی وجہ سے اسے سریہ غمر بھی کہا جاتا ہے۔

۱۶- **سریہ ذی القصہ:** ربیع الآخر ۶ھ، مجاہدین کی تعداد ۱۰، کمانڈر محمد بن مسلمہ تھے۔ مخالفین کی تعداد ۱۰۰۔

نتیجہ: دشمن نے مسلمانوں پر اچانک حملہ کر کے انہیں قتل کر دیا۔ صرف محمد بن مسلمہ بچ نکلے۔

۱۷- **سریہ بنو ثعلبہ:** ربیع الآخر ۶ھ مجاہدین کی تعداد ۴۰، کمانڈر ابوعبیدہ بن جراح تھے۔ مخالفین بنو ثعلبہ کے افراد تھے۔

نتیجہ: دشمن بھاگ گیا۔ صرف ایک آدمی پکڑا گیا۔

۱۸- **سریہ جموم:** ربیع الآخر ۶ھ مجاہدین کے کمانڈر زید بن حارثہ تھے۔

نتیجہ: دشمن گرفتار ہوا۔ اور بہت سے مویشی اور بکریاں ہاتھ لگیں۔

۱۹- **سریہ طرف یا طرق:** جمادی الآخر ۶ھ، مجاہدین کی تعداد ۱۵، کمانڈر زید بن حارثہ تھے۔

نتیجہ: دشمن بھاگ گیا۔ اور مسلمان چار روز بعد واپس آ گئے۔

۲۰- **سریہ وادی القریٰ:** رجب ۶ھ، مجاہدین کی تعداد ۱۳، کمانڈر زید بن حارثہ تھے۔اور مخالفین وادی القریٰ کے باشندگان تھے۔

نتیجہ:۹ مسلمان شہید ہوئے۔

۲۱-**سریہ دومۃ الجندل:** شعبان ۶ھ، مجاہدین کے کمانڈر عبدالرحمٰن بن عوف،اور مخالفین کے کمانڈر قبیلہ بنوکعب تھے۔

نتیجہ:مسلمانوں کو کامیابی نصیب ہوئی۔

۲۲-**سریہ فدک:** شعبان ۶ھ، مجاہدین کی تعداد ۳۰۰، کمانڈر علی بن ابی طالب تھے۔اور دشمن کا کمانڈر ابن بکر تھا۔

نتیجہ: دشمن بھاگ گیا۔

۲۳-**سریہ ام قرفہ:** رمضان ۶ھ، مجاہدین کے کمانڈر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔اور مخالفین کی کمانڈر ام قرفہ نامی عورت تھی۔

نتیجہ: دشمن کو شکست ہوئی۔

۲۴- **سریہ عبداللہ بن رواحہ:** شوال ۶ھ، مجاہدین کی تعداد ۳۰، کمانڈر عبداللہ بن رواحہ تھے۔مخالفین کی تعداد ۲۰، کمانڈر امیر بن رزام تھا۔

نتیجہ: دشمن قتل کئے گئے۔

۲۵-**سریہ حسمی:** جمادی الآخر ۷ھ، مجاہدین کی تعداد ۵۰۰، کمانڈر زید بن حارثہ تھے۔مخالفین کی تعداد ۱۰۳، کمانڈر رہنید بن عوض تھا۔

نتیجہ:مسلمانوں کو فتح ہوئی۔

۲۶- **سریہ ترببہ:** شعبان ۷ھ، مجاہدین کی تعداد ۳۰، اور کمانڈر عمر بن خطاب تھے۔مخالفین قبیلہ بنوہوازن کے افراد تھے۔

نتیجہ: دشمن بھاگ نکلا۔

۲۷-**سریہ حربہ:** رمضان ۷ھ، مجاہدین کے کمانڈر اسامہ بن زید تھے۔

نتیجہ:لڑائی نہیں ہوئی۔

۲۸-**سریہ ذات اطلح:** ربیع الاول ۸ھ، مجاہدین کی تعداد ۱۵، کمانڈر کعب بن عمیر انصاری تھے۔مخالفین

بنوقضاعہ کے افراد تھے۔

نتیجہ: ایک کے علاوہ سارے صحابہ شہید کردیئے گئے۔

۲۹- سریہ ذات عرق: ربیع الاول ۸ھ، مجاہدین کی تعداد ۲۵، کمانڈر شجاع بن وہب تھے۔اور مخالفین بنوہوازن کے افراد تھے۔

نتیجہ: لڑائی نہیں ہوئی۔

۳۰- سریہ ذات السلاسل: جمادی الآخر ۸ھ، مجاہدین کی تعداد ۵۰۰، کمانڈر عمرو بن العاص تھے۔

نتیجہ: مسلمانوں کے مظاہرے سے دشمن منتشر ہوگیا۔

۳۱- سریہ محارب (خضرۃ): شعبان ۸ھ، مجاہدین ۱۵، اور کمانڈر ابوقتادہ انصاری تھے۔مخالفین بنوغطفان کے افراد تھے۔

نتیجہ: دشمن کے متعدد افراد قتل کئے گئے اور کچھ قید ہوئے۔

۳۲- سریہ سعد بن زید اشہلی: رمضان ۸ھ، مجاہدین کی تعداد ۲۰، اوران کے کمانڈر سعد بن زید الاشہلی تھے۔

نتیجہ: اس سریہ میں زید نے منات بُت کو منہدم کیا اور کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔

۳۳- سریہ خالد بن ولید: شوال ۸ھ مجاہدین کی تعداد ۳۵۰، کمانڈر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے۔اور مخالفین بنوجذیمہ کے افراد تھے۔

نتیجہ: یہ سریہ صرف اسلام کی دعوت دینے کے لیے گیا تھا۔

۳۴- سریہ عینیہ بن حصن: محرم الحرام ۹ھ، مجاہدین کی تعداد ۵۰ سوار اور کمانڈر عیینہ بن حصن تھے۔اور مخالفین بنوتمیم کے افراد تھے۔

نتیجہ: عام بغاوت کا انسداد ہوگیا۔

۳۵- سریہ قطبہ بن عامر: صفر ۹ھ، مجاہدین کی تعداد ۲۰، کمانڈر قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ تھے۔مخالفین کی تعداد قبیلہ خثعم کے لوگ تھے۔

نتیجہ: مسلمانوں نے شب خوں مارا، جس پر سخت لڑائی بھڑک اٹھی۔اور فریقین کے خاصے افراد زخمی ہوئے اور قطبہ رضی اللہ عنہ شہید کردیئے گئے۔

۳۶- سریہ ضحاک بن سفیان کیلابی: ربیع الاول ۹ھ، مجاہدین کے کمانڈر ضحاک رضی اللہ عنہ تھے۔اور مخالفین بنوکلاب کے افراد تھے۔جن کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے بھیجا گیا تھا۔

نتیجہ: جنگ ہوئی اور مسلمان کامیاب ہوئے۔

۳۷-سریہ عبداللہ بن حذافہ: ربیع الاول ۹ھ، مجاہدین کی تعداد ۳۰۰، کمانڈر عبداللہ بن حذافہ القرشی تھے۔
نتیجہ: دشمن منتشر ہوگیا۔

۳۸- سریہ بنوطیٔ: ربیع الاول ۹ھ مجاہدین کی تعداد ۱۵۰، کمانڈر حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔
نتیجہ: دشمن قیدی بنائے گئے لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے سب کو چھوڑ دیا۔

۳۹- سریہ دومۃ الجندل: ۹ھ مجاہدین کی تعداد ۴۲۰، کمانڈر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے۔ مخالفین کے کمانڈر اکیدر، والیٔ دومۃ الجندل تھا۔
نتیجہ: اکیدر، والیٔ دومۃ الجندل قیدی ہوا اور اس کا بھائی قتل ہوا۔

☆☆☆

ان تمام غزوات وسرایا کو مندرجہ ذیل کتابوں سے اخذ کیا گیا ہے:

۱-البدایۃ والنھایۃ للحافظ ابن کثیر رحمہ اللہ۔
۲-تاریخ اسلام، اکبر شاہ خاں نجیب آبادی رحمہ اللہ۔
۳-خلاصۃ السیر، محبّ الدین ابوجعفر احمد بن عبداللہ الطبری رحمہ اللہ۔
۴-رحمۃ اللعالمین، محمد سلیمان سلمان منصور پوری رحمہ اللہ۔
۵-زادالمعاد، حافظ ابن قیم رحمہ اللہ۔
۶-السیرۃ الحلبیۃ، ابن برھان الدین رحمہ اللہ۔
۷-السیرۃ النبویۃ، ابومحمد عبدالملک بن ہشام رحمہ اللہ۔
۸-الرحیق المختوم، مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری رحمہ اللہ۔
۹-عہد نبوی کے غزوات وسرایا اور شہدائے اسلام، انوار احمد اعظمی خیر آبادی۔
۱۰-عہد نبوی ﷺ کے غزوات وسرایا، ڈاکٹر رؤفہ اقبال۔
۱۱-السرایا والبعوث النبویۃ حول المدینۃ ومکۃ دراسۃ نقدیۃ تحلیلیۃ، دکتور بریک محمد بریک ابو مایلہ العمری۔
۱۲-طبقات ابن سعد رحمہ اللہ۔
۱۳- الإصابہ، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ۔
۱۴-سیر اعلام النبلاء، شمس الدین الذہبی رحمۃ اللہ علیہ۔
۱۶-عہد نبوی کے میدان جنگ میں: ڈاکٹر حمید اللہ (پیرس) رحمہ اللہ

☆☆

سرایا اور غزوات نبوی ﷺ میں طرفین سے ہلاکتوں کا تجزیہ

فہیم اختر شریف احمد/فضیلت ثالث

عہد نبوی ﷺ میں ہونے والی جنگوں کے سلسلے میں جہاں دشمنانِ اسلام طرح طرح کے پروپیگنڈے کرتے رہتے ہیں۔ وہیں اسلامی تعلیمات سے ناآشنا اور اپنے آپ کو مسلمان کہنے والے لوگ بھی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں پیش آنے والے تمام غزوات وسرایا کو تحقیقی نظر سے دیکھیں اور اسلام کے نظریۂ جہاد کو سمجھیں۔

ناظرین کرام! عہد نبوی ﷺ ۲۳ سال زندگی پر مشتمل ہے، جس میں ۱۳ سال مکی زندگی کے اور ۱۰ سال مدنی زندگی کے ہیں۔ مکی زندگی میں وہ کون سا ظلم ہے جو اِن بے بس مسلمانوں پر نہ کیا گیا ہو۔ پھر بھی حُبّ رسول ﷺ سے سرشار مسلمان ان تمام مصائب وتکالیف کو بلا مدافعت سہتے رہے۔ یہاں تک کہ انھیں گھر سے بے گھر کر دیا گیا۔ خود ان کا وطن ان کے لیے اجنبی ہوگیا۔ اور وہ اپنے مال ودولت سے بے دخل کر کے بے سروسامانی کی حالت میں ہجرت پر مجبور کر دیئے گئے۔ اور پھر جب ان لاچار ومجبور لوگوں کو پناہ مل گئی تو ان کی پناہ گاہ کو بھی نہ چھوڑا گیا، دشمنان اسلام نے ان بے یارومددگار مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کی قسم کھالی تو ان کو یہ حکم دیا گیا﴿ وقاتلوهم فى سبيل الله الذين يقاتلونكم ولا تعتدوا إن الله لا يحب المعتدين﴾ [البقرة: ۱۹۰] اے مسلمانو! تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جہاد کرو جو تم سے لڑیں۔ اور یاد رکھو کہ تم زیادتی کے مرتکب نہ بنو کیونکہ اللہ رب العزت زیادتی کو پسند نہیں فرماتا ہے۔

اس طرح اسلام نے اپنے ماننے والوں کو دفاع کا حکم دیا اور پھر مسلمانوں نے اپنے نبی ﷺ کی رہنمائی میں اپنا اور اپنے وطن کا دفاع کیا۔ اور اپنے دین کی آزادی کو بحال کرنے اور اپنے وطن میں امن وامان قائم کرنے کی کوشش کی۔

اس سلسلہ میں ایک بہت ہی اہم نکتہ جس کو علامہ سلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مایہ ناز تصنیف میں ذکر کیا ہے:

''افسوس ہے کہ مسلمانوں کی ہر ایک کوشش کا نام (جو انہوں نے جنگ سے بچنے کے لیے کی) لوگوں نے جنگ

رکھ لیا ہے۔ یہ لوگ نہ واقعہ کی علت دریافت کرتے ہیں نہ مسلمانوں کے مدعا کی تلاش، نہ مسلمانوں کے افعال کا تفحص۔ اور پھر جلدی سے اپنی رائے بھی قائم کر لیتے ہیں۔ اس غلطی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بے خبر مسلمان بھی سمجھنے لگے کہ مسلمانوں کی ہر ایک نقل وحرکت جنگ ہی کے لیے ہوتی تھی''۔

آگے لکھتے ہیں کہ:

''یہ یاد رکھنا چاہئے کہ قدیم سے قدیم مسلمان مؤرخین نے اس نقل وحرکت کا نام غزوات وسرایا ہی رکھا ہے لیکن یہ زمانۂ حال کی خوش فہمی ہوگی کی غزوات وسرایا کے الفاظ کو لفظ ''جنگ'' کا مترادف سمجھا جائے، حالانکہ ان کے لغوی معنی: قصد اور سیر (سفر کرنا) کے ہیں۔''

ان تمام غزوات وسرایا کے سلسلہ میں یہ بات بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ آپ ﷺ کے تمام غزوات وسرایا صرف ایک ہی طرح اور ایک ہی نسل کے لوگوں سے تھے۔ وہ اس طرح کہ جتنے قبیلے آپ ﷺ سے برسر جنگ ہوئے ان کی اصل ایک ہی تھی۔ اِلیاس بن مُضَر جو کہ ان تمام قبائل کا جد امجد ہے، اس کے تین بیٹے تھے: قیس عیلان، طانحہ اور مدرکہ، ان ہی تینوں سے یہ تمام قبائل نکلے ہیں کہ جنہوں نے یہود وقریش کے ساتھ معاہدات کی رو سے اتفاق کیا۔ اس طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ کی غزوات وسرایا ایک ہی قسم کے لوگوں سے تھی یعنی بنو الیاس بن مضر، جس کی نسل سے آپ ﷺ خود بھی تھے۔ اب کوئی بھی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ نبی ﷺ نے سارے عرب میں لڑائی پھیلا دی تھی۔ یا یہ کہ آپ ﷺ نے جبراً اسلام قبول کرانے کے لیے لڑائیاں لڑیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو عرب کے سینکڑوں قبائل میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی جارحانہ، مخاصمانہ یا مدافعانہ طاقت آزمائی ہوئی ہوتی۔

یہ بات بھی اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے کہ کوئی ایسا قبیلہ یا گروہ نہیں ہے جس پر مسلمانوں نے حملہ کیا ہو یا حملہ کرنے میں پہل کی ہو بلکہ جب متعدد مرتبہ ان مسلمانوں پر حملے کئے گئے تب ان شیدائیان اسلام نے اپنے اور اپنے دین کا دفاع کیا۔ اور جب جنگ ناگزیر ہوگئی تب ان لوگوں نے اس طرف اپنے سہمے ہوئے قدم کو بڑھایا۔

ان سب لڑائیوں میں فریقین کا نقصان جاننے کے لیے میں علامہ سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ کا وہ اقتباس نقل کر دیتا ہوں جس کو انہوں نے غزوات وسرایا کی تمام تفصیلات ایک نقشہ کے تحت شمار کرنے کے بعد ان کی تعداد ۸۲ لکھی ہے، اور ساتھ ہی یہ ذکر کیا کہ غزوات وسرایا کے عنوان کے تحت صرف لڑائیاں ہی درج نہیں کی گئیں، بلکہ اس میں نبی ﷺ اور صحابہ کرام کے اسفار کا بھی اندراج ہے۔ کہتے ہیں کہ:

''ہم اس نقشہ کے اندر اگر اصلاً لڑائیوں کا انتخاب کرنے لگیں تو ان کا شمار بہت کم نکلے گا۔ جیسے بدر، احد،

احزاب، خیبر، موتہ، فتح مکہ، غزوہ حنین اور تبوک۔''

مزید لکھتے ہیں کہ:

''نقشہ کے تمام نمبروں کو جو ۸۲ ہیں، لڑائیاں ہی سمجھ لو اور ہر لڑائی کو جارحانہ ہی تسلیم کر لو اور مان لو کہ سب لڑائیوں کا آغاز اور اقدام مسلمانوں ہی کی جانب سے ہوا تھا پھر بھی لڑائیوں کے نتائج پر غور کرنا ضروری ہوگا ہمارے پیش کردہ نقشہ سے ظاہر ہے کہ ان سب لڑائیوں میں مسلمانوں اور فریق مخالف کا نقصان حسب ذیل ہے:

نام فریق	اسیر (قیدی)	زخمی	مقتول	کل تعداد
مسلمان	۱	۱۲۷	۳۵۹	۴۸۷
مخالف	۶۵۶۴	۰	۷۵۹	۷۳۲۳
ٹوٹل	۶۵۶۵	۱۲۷	۱۱۱۸	۷۸۱۰

ہر دو جانب کے مقتولین کی تعداد (۱۱۱۸) ہے (۸۲) پر تقسیم کرنے سے فی جنگ ۱۱-۸/۱۴ اوسط نکلتا ہے۔

یہ تھا آپ ﷺ کی غزوات وسرایا میں طرفین سے ہلاک، زخمی اور قید ہونے والے افراد کا ایک خاکہ۔ اگر آپ ﷺ کے غزوات وسرایا کے نتائج کا تقابل جاہلیت میں پیش آنے والی جنگوں کے نتائج سے کیا جائے تو عجیب و غریب بات سامنے آتی ہے۔ آپ ﷺ کے غزوات وسرایا میں قتل ہونے والے مسلمانان، مشرکین اور یہود ونصاری کی مجموعی تعداد ۱۱۱۸ بنتی ہے۔ اور ان غزوات میں جو مدت صرف ہوئی وہ آٹھ سال سے زیادہ نہیں۔ مگر اتنے تھوڑے عرصہ میں اور اتنا معمولی سا خون بہا کر آپ ﷺ نے تقریباً پورے جزیرہ عرب کو اپنا تابع بنالیا اور اس کے اطراف و اکناف میں امن وامان کا دور دورہ ہو گیا۔

کیا یہ تلوار کی قوت سے ممکن ہے؟ نہیں بالکل نہیں۔

یہ تو آپ ﷺ کا اخلاق تھا۔ نبوت تھی۔ رحمت تھی۔ رسالت اور حکمت تھی۔ دعوت اور معجزہ تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی نعمت خاص تھی۔

☆☆☆

شجرکاری
تعلیمات نبویہ کی روشنی میں

افروز عالم ذکراللہ/فضیلت ثالث

درخت ہماری زندگی میں انمول حیثیت رکھتے ہیں۔اس لیے فی زمانہ شجرکاری کی طرف توجہ دی جارہی ہے اور لوگوں کو رغبت دلائی جارہی ہے۔اس کے ہمہ گیر فوائد کو دیکھتے ہوئے ہر جگہ اور بالخصوص سڑکوں کے دونوں کنارے درخت لگائے جارہے ہیں۔ان درختوں سے ہمیں آکسیجن اور سایہ حاصل ہوتا ہے، جو دھوپ کی تمازت سے محفوظ رکھتا ہے۔اور بہترین عمدہ ہوا ملتی ہے جو ہماری صحت وتندرستی کے لیے نہایت مفید ہے۔درخت ماحولیات کی کثافت اور آلودگی کے لیے اہم تریاق ہے۔اسی لیے درختوں جنگلوں اور بیابانوں کو نہ کاٹنے کی تحریکیں بڑے زور وشور کے ساتھ چلائی جارہی ہیں۔جن کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ پیڑ، پودوں اور جنگلوں کی مسلسل کٹائی کی وجہ سے مانسون کا نظام بگڑا ہوا ہے۔کہیں پر کھیت آسمان کا منھ دیکھ رہے ہیں اور لوگ بوند بوند کے لیے ترس رہے ہیں، تو کہیں بہت زیادہ بارش ہورہی ہے اور سیلاب نے تباہی مچا رکھی ہے۔نیز درختوں کی قلت کی وجہ سے بے شمار بیماریاں جنم لے رہی ہیں اور نت نئے مسائل سامنے آرہے ہیں جن سے نپٹنے اور بچنے کے لیے ہندوستان اور دیگر ممالک میں شجرکاری کی مہم چلائی جارہی ہے۔آج سے چودہ سو سال قبل بنینا محمد ﷺ نے اس مہم کا آغاز کیا تھا۔اور شجرکاری کو ان تمام بیماریوں کا مداوا اور متنوع مسائل کا حل بتایا تھا۔اور شجرکاری پر ان سے اجر وثواب کا وعدہ فرمایا تھا۔

ہمارے رسول ﷺ نے شجرکاری کی طرف رغبت دلاتے ہوئے فرمایا: راوئ حدیث حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''ما من مسلم يغرس غرسا إلا كان ما أكل منه له صدقة، وما سرق له منه صدقة وما أكل السبع منه له صدقة، و ما أكلت الطير فهو له صدقة، ولا يرزؤه أحدا إلا كان له صدقة'' [۱] یعنی جب کوئی مسلمان درخت لگائے تو اس درخت سے جو پھل کھالیا جائے، یا چوری ہوجائے یا درندہ اور پرندہ (وغیرہ) کھالیں، یا کوئی انسان اس سے کھالے تو یہ سب اس کے لیے صدقہ ہیں۔

خلاد بن السائب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا: ''من زرع زرعا فأكل منه طير أو عافية كان له صدقة'' [۲] جس نے کسی چیز کی زراعت کی اور اس سے کسی پرندے یا کسی طالب رزق نے

---

[۱] مسلم:۱۵۵۲ [۲] صحیح الترغیب:۲۵۹۹،السراج المنیر:۲۶۷۱

کھالیا تو وہ اس کے لیے صدقہ ہوگا۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

ما من مسلم يغرس غرسا أو يزرع زرعا فيأكل منه طير أو إنسان أو بهيمة إلا كان له صدقة [۳] یعنی جب کوئی مسلمان درخت لگائے یا زراعت کرے تو اس درخت یا کھیت سے پرندے، انسان، یا چوپایے جو کچھ بھی کھالیں تو یہ سب اس کے لیے صدقہ ہے۔

ظاہر طور پر شجرکاری کا مسئلہ دنیاوی معاملہ ہے۔ مگر شریعت اسلامیہ نے اس کا بڑا اہتمام کیا ہے اور اس کی ترغیب دلائی ہے کیوں کہ آخرت میں اس کا اجر بہت بڑا ہے۔ ایک حدیث میں جس کے راوی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں، بیان فرماتے ہیں: إن النبي ﷺ دخل أم مبشرا لأنصارية في نخل لها، فقال لها النبي ﷺ: من غرس هذا النخل، أ مسلم أم كافر؟ فقالت: بل مسلم، فقال: لا يغرس مسلم ولا يزرع زرعا فيأكل منه إنسان ولا دابة ولا شيء إلا كانت له صدقة [۴] رسول اللہ ﷺ ام مبشر انصاریہ رضی اللہ عنہا کے کھجور کے باغ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے پوچھا: اس باغ کو کس نے لگایا ہے؟ مسلمان آدمی نے یا کسی کافر نے، تو ام مبشر انصاریہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ مسلمان آدمی نے لگایا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو مسلمان درخت لگائے یا زراعت کرے، اور اس کے پھل یا کھیت میں سے کوئی انسان یا کوئی اور مخلوق کھالے تو یہ اس کے لیے صدقہ ہے۔ انہی کی ایک دوسری روایت میں ہے: صدقة إلى يوم القيامة [۵] یعنی یہ قیامت تک کے لیے صدقہ ہے۔

شجرکاری کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث سے بھی لگایئے آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ اگر تم میں سے کسی کے ہاتھ میں کھجور کا چھوٹا درخت ہو، اور قیامت قائم ہونے سے پہلے اس کی شجرکاری کر سکے تو اسے ضرور کر دینا چاہئے۔ [۶]

ان حدیثوں میں سے اکثر حدیثیں امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں کتاب البیوع، باب فضل الغرس والزرع کے تحت ذکر کی ہیں۔ مذکورہ احادیث میں واضح طور سے بتلایا گیا ہے کہ درخت لگانے والے کے لیے صدقہ کے مثل ثواب ہے۔ چوں کہ ان درختوں سے عوام الناس اور چرند پرند مستفید ہوتے ہیں، اس لیے شریعت اسلامیہ نے شجرکاری کے کئی فوائد بیان کیے ہیں:

۱- درخت اور اس کے پھل سے استفادہ کرنا۔

۲- شجرکاری میں صدقہ کے مانند اجر وثواب ہے۔

---

[۳] مسلم: ۱۵۵۳، نیز دیکھیں: بخاری: ۶۰۱۲

[۴] مسلم: ۱۵۵۲، الإصابۃ فی تمییز الصحابہ ۴/۶۶۳

[۵] مسلم: ۱۵۵۲

[۶] الصحیحۃ: ۹، السراج المنیر: ۲۶۶۷

۳- تعلیمات نبویہ اوراحادیث شریفہ میں شجرکاری کی طرف رغبت دلانا۔
۴- باغ والوں کواپنے پھلوں سے زیادہ سے زیادہ صدقہ کرنے پر ابھارنا۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

ما من مسلم يغرس غرسا إلا كتب الله له الأجر قدرما يخرج من ثمر ذلك الغرس [۷]

یعنی جب کوئی مسلمان درخت لگاتا ہے تو اللہ رب العالمین اس کے لیے ان درختوں کے پھلوں کے بقدر اجر متعین کردیتا ہے۔

اس حدیث میں بھی درخت لگانے کی فضیلت ہے۔اور یہ ان اعمال میں سے ہے جس کا ثواب اس کو برابر ملتا رہتا ہے۔اور جب تک وہ درخت رہے گا، یا اس سے کوئی کھانے والی چیز پیدا ہوتی رہے گی تو اس کا اجر بلا کسی انقطاع کے ملتا رہے گا۔[۸]

شجرکاری کرنے والوں کو نبی ﷺ نے پھلوں کو پکنے سے پہلے بیچنے سے منع فرمایا ہے۔چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ: أن النبي ﷺ نهى عن بيع الثمار حتى تزهو، فقيل له: ما تزهو؟قال: حتى تحمرّ۔ فقال: أرأيت إذا منع الله الثمرة، بما يأخذ أحدكم مال أخيه۔ [۹] رسول اللہ ﷺ نے درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کے بیچنے سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ وہ پک جائیں۔آپ ﷺ سے پوچھا گیا: اس کے پکنے سے کیا مراد ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہاں تک کہ وہ سرخ ہوجائے۔کیا خیال ہے تمہارا جب اللہ تعالیٰ اس درخت کے پھل کو روک لے تو کس چیز کی بنا پر تم اپنے بھائی کے مال کو لوگے۔

آج ان تعلیمات نبویہ پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے باغوں کی برکت اٹھ رہی ہے، اور باغوں پر قہر الٰہی نازل ہورہا ہے۔موجودہ دور کا انسان اپنے رب کو بھول گیا۔رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کو بھول گیا۔صدقات کو بارگراں تصور کرتا ہے۔اگر کوئی حاجت مند اس کے باغ کی منڈیر کے پاس بھٹک کر چلا گیا تو اسے اس ذلت کے ساتھ بھگا دیتا ہے جس کے بیان سے قلم قاصر ہے۔

مجھے امید ہے کہ حُبِّ رسول ﷺ سے سرشار انسان شجرکاری کرکے سنتِ رسول ﷺ کو زندہ کرتے ہوئے عوام الناس کو ایک خوش گوار ماحول فراہم کرنے میں معاون ومددگار رہوگا۔ان شاء الله تعالیٰ۔

☆☆☆

---

[۷] بخاری: ۲۳۲۰
[۸] شرح نووی علی صحیح مسلم ۱۰/۲۱۳
[۹] اللؤلؤ والمرجان فیما اتفق علیہ الشیخان ۱/۴۸۵

ہندوستان میں اسلام کی آمد

مجیب الرحمٰن عطاء الرحمٰن/فضیلت ثانی

اسلام ایک عالم گیر مذہب ہے اور دنیا کا کوئی ایسا خطہ نہیں ہے جہاں اسلام کی کرن نہ پہونچی ہو۔اس کی عالم گیریت اس کے زمانہ آغاز ہی سے نمایاں ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مختلف ممالک کے امراء وسلاطین کو تبلیغی خطوط ارسال کئے ہیں تاکہ انہیں بھی اسلام کی حقانیت سے بہرہ ور کیا جائے اور ان کے دلوں میں اسلام کی عظمت قائم ہو اور حلقہ بگوش اسلام ہوں۔ پھر آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تبلیغ دین اور اسلام کی توسیع واشاعت میں اپنی جان کی بازی لگادی اور انہوں نے اس سلسلے میں مختلف ممالک کے ساتھ ساتھ ہندوستان کا بھی رخ کیا۔

چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے چار سال بعد ۱۵/ ہجری میں خلیفۂ ثانی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ۱۲/ خلیفۂ ثالث حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور میں ۵/ خلیفۂ رابع حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ۳/ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ۴/ حضرت یزیدؒ کے دور حکومت میں ۱/ کل ملا کر ۲۵/ صحابۂ کرام ۴۲/ تابعین عظام اور ۱۸/ تبع تابعین کا قدوم ہندوستان میں ہوا اور انہوں نے اپنی تبلیغ اور دعوت إلی اللہ سے ہندوستان میں اسلام کا پرچم لہرایا۔ [۱]

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ صحابہ کرام، تابعین عظام اور تبع تابعین کے زمانہ میں کسی بھی تقلیدی مذہب کا کوئی وجود نہیں تھا، جیسا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ تقلید کا طریقہ چوتھی صدی ہجری کے بعد شروع ہوا۔ [۲]

اس سے قبل جتنے لوگ تھے سب کے سب صرف قرآن وحدیث کے ماننے والے اور انہی دونوں پر عمل کرنے والے تھے۔اور ان پر عمل کرنے والوں کو ہی ''اہل حدیث'' یا ''اصحاب حدیث'' کہا جاتا ہے۔

چنانچہ مشہور صحابی ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ تابعین کی جماعت کو دیکھ کر فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی وصیت تمہیں مبارک ہو اس لیے کہ آپ ﷺ نے تمہارے لیے مجلس کشادہ کرنے اور تمہیں حدیث سمجھانے کا ہمیں حکم دیا ہے۔ کیونکہ ہمارے بعد تم ہی لوگ ''اہل حدیث'' رہو گے۔ [۳]

جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ اہل حدیث تھے اور انہیں لوگوں کے ذریعہ ہمارا ملک ہندوستان میں اسلام پھیلا ہے تو اب پورے وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ''اہل حدیث'' ہی

[۱] برصغیر میں اہل حدیث کی آمد، ص:۶۷-۱۳۶ [۲] حجۃ اللہ البالغہ، ص:۱۵۲
[۳] سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ للألبانی، حدیث نمبر:۲۸۰

کے ذریعہ ہندوستان میں اسلام آیا اور انہیں کے ذریعہ یہاں اسلام پھیلا ہے۔ ہاں یہ بات الگ ہے کہ بعد کے امراء اور حکام نے اپنا تقلیدی مذہب پھیلا کر قرآن وحدیث سے لوگوں کو دور کر دیا ہے۔ [۴]

ہندوستان میں اسلام کی توسیع واشاعت میں مسلمان تاجروں کا بھی بڑا دخل رہا ہے۔ عرب تجار یہاں سے مال خرید کر دنیا کے مختلف ملکوں میں خرید وفروخت کرتے تھے۔ عرب تاجروں نے صرف مال ودولت کا ہی تبادلہ نہیں کیا بلکہ آپس میں روحانی تبادلہ بھی کیا یعنی عرب وہند ایک دوسرے کے تہذیب وتمدن اور علمی ومذہبی ثقافت سے بھی متاثر ہوتے رہے۔

چنانچہ مولانا ابوظفر صاحب ندوی ''مختصر تاریخ ہند'' [۵] میں لکھتے ہیں کہ ۸۰۰ ق م سے قبل ہندوستان کے لوگ لکھنا نہیں جانتے تھے۔ یہ عرب کے تاجروں کی دین ہے کہ انہوں نے برّی اور بحری دونوں راستوں سے ہندوستان میں تشریف لائے اور ہندوستانیوں کو لکھنا سکھایا۔ اسی طرح عربوں نے بھی ہندوستانیوں سے بہت کچھ سیکھا مثلاً قفلان کا ایجاد کردہ کھیل، چوسر اور شطرنج اور اس کے علاوہ حساب اور فن تعمیرات وغیرہ۔ جس طرح ان سب چیزوں کا آپس میں تبادلہ ہوتا رہا ٹھیک اسی طرح مذہب کا بھی حال ہے عرب کے مسلمان ہندوستان آتے رہے اور جب ہندوستانیوں نے ان کے حسن اخلاق اور اچھے کرداروں کو دیکھا تو ان سے کافی حد تک متاثر ہوئے۔ نیز اسلام کی خوبیاں، خصوصیات اور تعلیمات کو سنا اور دیکھا تو مزید متاثر ہوئے اور شدہ شدہ اسلام میں داخل ہونے لگے یہاں تک کہ ان کی ایک خاص تعداد ہوگئی۔

بہر کیف یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے ملک ہندوستان میں اسلام کی نشر واشاعت کیسے ہوئی؟ اس بارے میں مشہور مؤرخ بلاذری نے لکھا ہے کہ اموی خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے تبلیغی خطوط سے دنیا کے مختلف ملکوں میں لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ انہی لوگوں میں ہندوستان کے چند راجہ بھی تھے۔ جن میں راجہ جئے سنگھ کا نام قابل ذکر ہے۔ خطوط موصول ہوتے ہی ان راجاؤں نے ہندوستان میں مقیم مسلمان تاجروں کو بلایا اور ان کی زبانی اسلام کی خوبیاں سنیں اور سب کے سب مسلمان ہوگئے۔ [۶] چنانچہ مسلمان عرب تجار صرف تجارت ہی نہیں کرتے تھے بلکہ مبلغین ومؤرخین کی بھی حیثیت رکھتے تھے اور یہ وہ تجار ہیں جنہوں نے ہندوستان کی تاریخ لکھ کر پوری دنیا کو ہندوستان سے روشناس کرایا۔

اسی طرح ہندوستان میں اسلام پھیلنے کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب عہد قدیم میں ذات پات کا رواج بھی ہے۔ اعلیٰ طبقہ کے لوگ بہت عیش وعشرت کی زندگی گزار رہے تھے تو دوسری طرف پسماندہ اور ادنی طبقہ کے لوگ بدتر زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے۔

---

[۴] مزید معلومات کے لیے تاریخ اہل حدیث تالیف محمد بہاؤالدین (۲/۱۲۵) کا مطالعہ فرمائیں۔

[۵] حوالہ؟

[۶]

ایک ہندو مؤرخ اشیر وردی لال شری واستوا اپنی کتاب ''پراچین بھارت'' میں لکھتے ہیں کہ: ''اچھوت لوگ جنگلوں اور پہاڑوں میں رہتے تھے ان کو گاؤں میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔ گاؤں میں ان کے آنے سے قبل ہی اعلان کر دیا جاتا تھا تا کہ اعلیٰ طبقہ کے لوگ اپنے گھروں میں چھپ جائیں اور ان بدنصیب اور منحوس لوگوں پر ان کی نظریں نہ پڑیں۔ ۷

الغرض یہ لوگ بڑی ذلت وخواری کی زندگی گذارنے پر مجبور تھے۔ معاشرہ وسماج میں ان کی کوئی وقعت وعزت نہ تھی۔ ایسے حالات میں جب اسلام کی کرنیں ہندوستان کی پیاسی سرزمین پر پڑیں تو ان کرنوں میں انہوں نے مساوات کا پیام دیکھا۔ مسلمانوں کو ایک دوسرے کے کندھے سے کندھا، اور قدم سے قدم ملا کر نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا تو انہیں یقین ہو گیا ہے کہ اسلام میں ذات پات کا کوئی بھید بھاؤ نہیں ہے۔ لہذا وہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ یہاں پر قابل ذکر بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی پہلے پہل ضعفاء اور کمتر لوگوں نے ہی اسلام کو گلے لگایا۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ ابوسفیان جب ہرقل کے پاس گیا تو اس نے ابوسفیان سے پوچھا ''أشراف الناس يتبعونه أم ضعفاؤ هم'' ۸ کیا اس نبی کی اتباع کرنے والے اشراف الناس ہیں یا کمتر اور ضعیف لوگ۔ تو ابوسفیان نے جواب دیا ''ضعفا ؤ هم'' کہ ضعیف اور کمتر لوگ ہیں۔

ہندوستان میں اسلام پھیلنے کا ایک اور سبب ہندو سماج میں ''ستی'' کا ہونا ہے۔ عورتوں کا شوہروں کی چتا میں خود جلنے کی رسم کو ''ستی'' کہا جاتا ہے۔ ہندوستان کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی یہ رسم چلی آرہی تھی۔ اور شوہر کے مرنے پر اس کے ساتھ ساتھ اس کی بیوی کو بھی چتا میں جلا دیا جاتا تھا۔

بہر حال جب ہندوستان میں اسلام آیا، اس وقت یہ رواج شباب پر تھا لہذا اعلیٰ طبقہ کے لوگوں نے جب دیکھا کہ اسلامی تعلیمات اس بھیانک فعل کو حرام قرار دیتی ہے۔ اور اسلام کے محامد ومحاسن روز روشن کی طرح عیاں ہیں، اور کوئی مذہب اس کی ہمسری نہیں کر سکتا تو جس طرح ادنی طبقہ کے لوگ ذات پات سے تنگ آ کر اسلام میں داخل ہونے لگے تھے ٹھیک اسی طرح اعلیٰ طبقہ کے لوگ اسلام کے محاسن ومحامد کو دیکھ کر اسے قبول کیے بغیر نہ رہ سکے۔

ان تمام دلائل وشواہد سے صاف روشن اور عیاں ہو گیا کہ اسلام تاجروں اور مؤرخوں کی تبلیغ، اسلامی مساوات اور اس کی خوبیوں کے ذریعہ اسلام ہندوستان میں پھیلا ہے نہ کہ بزور شمشیر۔ ۹

☆☆☆

۷ ترجمان، ص: ۷، فروری/ ۲۰۰۸ء

۸ صحیح بخاری: ۷

۹ ترجمان، ص: ۸، فروری/ ۲۰۰۸ء